در دلِ مُسلم مقامِ مُصطفےٰ است
آبروئے ما زِ نامِ مُصطفےٰ است

اقبالؔ

مقامِ مُصطفےٰ

کوششِ ناتمام

ملک شیر محمّد خان اعوان

ناشر

اشاعت منزل، بُل روڈ، لاہور

در دلِ مُسلم مقامِ مُصطفےٰؐ است
آبروئے مازِ نامِ مُصطفےٰؐ است

اقبالؔ

مقامِ مُصطفےٰؐ

کوششِ ناتمام

ملک شیر محمّد خان اعوان

ناشِر

اشاعت منزل ، بُل روڈ ، لاہور ۷

جملہ حقوق مع ترجمہ ــــــــ بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر ــــــــ ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل بل روڈ لاہور

طابع ــــــــ ملک محمد عارف

مطبوعہ ــــــــ دین محمدی پریس بل روڈ لاہور

بار ــــــــ اوّل

تعداد طبع ــــــــ ایک ہزار

سنِ طباعت ــــــــ سنہ ۱۹۶۸ء

قیمت ــــــــ 60/ روپے

کتابیات :-

میں نے جن کتابوں سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھایا اُن کے نام درج ذیل ہیں :-

۱۔ القرآن الحکیم
۲۔ اشعۃ اللمعات از شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ
۳۔ جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب از شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ
۴۔ الشفا فی تعریف حقوق المصطفٰے از قاضی عیاضؒ
۵۔ المواہب لدُنّیہ از علاّمہ احمد الخطیب قسطلانیؒ
۶۔ خصائص الکبریٰ از علاّمہ جلال الدین سیُوطیؒ
۷۔ المنقذ من الضلال از حجۃ الاسلام امام غزالیؒ
۸۔ مکتوبات امامِ ربّانی از امامِ ربّانی مجدد الف ثانیؒ
۹۔ حُجۃ اللّٰہ البالغہ از شاہ ولی اللّٰہ محدّث دہلویؒ
۱۰۔ مقدّمہ ابنِ خلدون از علاّمہ ابنِ خلدونؒ
۱۱۔ سیرت النبیؐ از علاّمہ شبلیؒ و علاّمہ سیّد سلیمان ندویؒ
۱۲۔ رحمۃ للعالمین از جسٹس قاضی محمّد سلیمان منصور پوریؒ
۱۳۔ نور البصر فی سیرت خیر البشرؐ از علاّمہ حفظ الرّحمٰن سیوہارویؒ
۱۴۔ اصح السیر از مولانا عبدالرّؤف داناپوریؒ

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

—— (اقبالؒ)

وہ دانائے سُبل ختم الرُّسُل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

—— (اقبالؒ)

محمدؐ کی محبّت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی
محمدؐ کی محبّت آنِ ملّت، شانِ ملّت ہے
محمدؐ کی محبّت روحِ ملّت، جانِ ملّت ہے
محمدؐ کی محبّت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال و جان، اولاد سے پیارا

—— ابو الاثر حفیظ جالندھری

رُخِ مصطفیٰؐ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دُکان آئینہ ساز میں

—— لطفؔ بدایونی

○

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما ابھار کر
اکبرؔ اس کا ورد تو صدق سے بیشمار کر
صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ —— صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

—— اکبر الہ آبادی

○

ان کی مہک نے دِل کے غنچے کھِلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو،
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھُلا دیئے ہیں

—— مولانا احمد رضا خاں بریلوی

○

اے کہ تیرا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات،
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حُسن کی زکات
تیری جبیں سے آشکار پرتوِ ذات کا فروغ
اور ترے کوچہ کا غبار، سُرمۂ چشم کائنات
بارگاہِ الست سے بخش دیئے گئے تجھے
سب مُلکی تصرفات سب فلکی تجلیات

—— مولانا ظفر علی خاں

○

نفس نفس پہ رحمتیں، قدم قدم پہ برکتیں،
جدھر جدھر کو وہ شفیع عاصیاں گذر گیا
جدھر نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا

—— احسانؔ دانش

○

ترتیب مضامین

پیش لفظ ـــــــ از جناب صاحبزادہ مولانا سید فیض الحسن شاہ صاحب آلوموہاروی

افتتاحیہ ـــــــ از مولف

ابواب

ابواب	صفحہ نمبر	ابواب	صفحہ نمبر
بعثتِ نبویؐ سے پہلے	۲۹	معجزاتِ نبویؐ	۲۲۱
بعثتِ نبویؐ اور اس کے بعد	۴۳	علمِ غیب نبویؐ	۲۳۱
سرکارِ دوعالمؐ کی شان از روئے قرآن	۶۵	بشریّت نبویؐ	۲۶۵
فضائل مصطفویہ از احادیث نبویہ	۱۲۱	حیاتِ نبویؐ	۲۸۳
بشارات ظہور نبویؐ	۱۴۹	معراجِ نبویؐ	۲۹۷
منصب نبوّت	۱۵۹	اصحابِ نبویؐ	۳۰۷
ختمِ نبوّت	۲۰۳	گلہائے عقیدت	۳۲۳

تفصیل مضامین

۱ـــ بعثت نبویؐ سے پہلے

۲ـــ بعثت نبویؐ اور اُس کے بعد

پیغامِ حق کا خلاصہ	۴۵	حضورؐ کا استقلال	۴۸
ایذا دہی منجانب کفار	۴۸	دعوتِ اسلام کی کامیابی	۴۹

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
اسلامی انقلاب کے نتائج	۵۰	معاشی حقوق اور قانون مساوات	۵۸
پیغمبرِ مساوات	۵۲	رسول اللہ کی احادیث	۶۱
عہدِ فاروقیؓ کے چند واقعات	۵۶		
۳ ــــ سرکارِ دو عالمؐ کی شان از روئے قرآن			۶۵
معجزہ کتاب روشن	۷۷	دستِ مبارک	۹۴
نورانی صورتِ اقدس	۷۸	بازو مبارک	″
نور کی تحقیق	۷۹	خصائص النبیؐ	″
اشارہ نفیٔ سایہ	۸۱	حضورِ اکرمؐ سے خطاب خداوندی	۹۵
خدا اور محبوبِ خدا میں قرب و وصل	۸۳	حضورؐ کے اوصاف	۹۶
قرب و وصل کی چند ایمان افروز جھلکیاں	۸۶	حضورؐ کو علم غیب دیا گیا	″
رسولِ عربیؐ کا سراپا	۹۲	حضورؐ کا ادب رکنِ ایمان ہے	۹۷
چہرۂ انور کا ذکر	″	حضورؐ کی گستاخی کفر ہے	۹۹
چشمانِ مبارک کا ذکر	″	حضورؐ حاضر و ناظر ہیں	۱۰۱
نظر مبارک کا ذکر	″	حضورؐ نور ہیں	۱۰۲
زبانِ مقدس کا ذکر	″	حضور ساری خدائی کے نبی ہیں	۱۰۲
آواز مبارک کا ذکر	″	حضورؐ آخری نبی ہیں	۱۰۳
گردن مبارک کا ذکر	۹۳	حضورؐ معلّم کتاب و حکمت ہیں	۱۰۴
سینۂ اطہر	″	حضورؐ اُمت کے تمام معاملات اور	۱۰۵
قلب مبارک کا ذکر	″	فیصلوں میں قاضی ہیں	
پشت مبارک کا ذکر	″	حضورؐ بحیثیت حاکم و فرمانروا	۱۰۷
نفس مبارک	۹۴	حضورؐ کی محبت و اتباع سب پر فرض ہے	۱۰۷

گلہائے رنگ رنگ	۱۰۹	مضامین	صفحہ نمبر
۴— فضائلِ مصطفویہ از احادیث نبویہ			۱۲۱
اوّل و آخر	۱۲۲	خصائص النبیؐ	۱۳۲
آدم کے لئے وسیلہ	۱۲۳	جوامع الکلم	۱۳۲
نبوّت کب عطا ہوئی	۱۲۴	تعلیم و تربیت	۱۳۳
نسب مبارک	۱۲۴	میانہ روی	۱۳۴
شبِ ولادت کا ذکر	۱۲۵	سعی و عمل	۱۳۵
مختون پیدا ہوئے	۱۲۵	امانت و عہد	۱۳۵
ولادت باسعادت کے وقت روشنی	۱۲۶	احسان	۱۳۶
فرشتوں کی خدمت	۱۲۶	شفقت و رحمت	۱۳۷
گہوارہ میں چاند	۱۲۶	دفع ایذا	۱۳۸
بادلوں کا سایہ	۱۲۷	عدل و شوریٰ	۱۳۸
نظر مبارک	۱۲۷	ظلم و استبداد	۱۳۹
لعاب دہن مبارک	۱۲۸	اخوّت و مساوات	۱۴۰
حضورؐ دوزخ سے بچاتے ہیں	۱۲۹	اعلانِ حق	۱۴۱
حضورؐ کے ذریعہ سے ہر نعمت	۱۲۹	حزم و احتیاط	۱۴۱
حاصل ہوتی ہے		حفظانِ صحت	۱۴۲
حضورؐ کو اختیار و تصرّف کی کنجیاں	۱۳۰	مکارمِ اخلاق	۱۴۲
حضورؐ کے اوصاف فرشتوں کی زبان سے	۱۳۰	حقیقتِ مذہب	۱۴۳
محبّتِ مصطفےٰ کی دینِ حق کی	۱۳۱	رعب	۱۴۳
شرطِ اوّل ہے		حلتِ غنیمت	۱۴۴
قبر میں حضورؐ کی نسبت سوال	۱۳	طہارتِ زمین	۱۴۵

مضامین	نمبر صفحہ		نمبر صفحہ
بعثتِ عامہ	۱۴۵	روضۂ اقدس	۱۴۷
۵ ــــ بشاراتِ ظہورِ نبویؐ			۱۴۹
بشارت نمبر ۱	۱۵۰	بشارت نمبر ۴	۱۵۳
بشارت نمبر ۲	۱۵۱	بشارت نمبر ۵	۱۵۴
بشارت نمبر ۳	۱۵۲		
۶ ــــ منصبِ نبوّت			۱۵۹
حکماء، اولیاء اور انبیاء کے علم کا فرق	۱۶۴	بعثت اغراضِ خصوصیہ کی تفصیل	۱۸۵
وحی کے اقسام	۱۶۵	ہر شخص عالمِ غیب سے احکام اخذ نہیں کرسکتا	۱۸۷
حقیقتِ نبوّت (شہبازانِ معرفت کے بیانات کی روشنی میں)	۱۶۷	دعوتِ انبیاء کی نوعیّت	۱۸۸
امام غزالیؒ کا بیان	۱۶۷	معجزات کے ظہور میں آنے کے اسباب اور تبریک کی ماہیّت	۱۸۹
امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا بیان	۱۷۳	حوادثِ جویہ کو کیوں معجزہ کہا گیا	۱۹۰
شاہ ولی اللہ کا بیان	۱۸۰	عصمتِ انبیاء کے اسباب	۱۹۰
طبقہ مفہمین کے خصائص	۱۸۱	انبیاء علیہم السلام عقل سے بالاتر حقائق کی تعلیم نہیں دیتے	۱۹۱
مفہمین کے اقسام کی تفصیل	۱۸۲	مقصدِ نبوت تہذیبِ نفس اور تزکیۂ روح کی تعلیم دینا ہے	۱۹۳
نبی اور رسولؐ بھی اسی طبقۂ علیہ کا ایک فردِ کامل ہوتا ہے	۱۸۳	قصص الانبیاء کی حیثیت تاریخ کی نہیں	۱۹۴
کونسا نبی سب سے افضل ہے	۱۸۴		
بعثتِ انبیاء کی بنا خیرِ اضافی ہے	۱۸۴		
اطاعتِ نبی و رسول کی فرضیت کا فلسفہ	۱۸۵		

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
عقلی علوم میں زیادہ توغّل نہ کرنے کا فلسفہ	۱۹۴	نبوّت کے بارے میں علّامہ ابن خلدون کا حقیقت کشا بیان	۱۹۵
۷ —— ختمِ نبوّت			۲۰۳
ختمِ نبوّت از روئے قرآن حکیم	۲۰۴	حدیث دوم	۲۱۷
ختمِ نبوت از روئے احادیث نبی کریمؐ	۲۱۵	حدیث سوم	۲۱۸
		حدیث چہارم	۲۱۸
حدیث اوّل	۲۱۶	حدیث پنجم	۲۱۹
۸ —— معجزاتِ نبویؐ			۲۲۱
نبوّت اور معجزات اور ان کی فلاسفی	۲۲۲	معجزات (واقعاتی حیثیت سے)	۲۲۶
۹ —— علمِ غیبِ نبویؐ			۲۳۱
غیب کی تعریف	۲۳۲	یعلم ما فی الارحام	۲۴۸
خاصۂ نبوّت	۲۳۲	ماذا تکسب غدا	۲۴۹
علمِ غیب رُسل	۲۳۳	بِایّ ارضٍ تموت	۲۴۹
مفاتیح خمس	۲۳۵	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۵۲
عندہ علم السّاعۃ	۲۴۸	علمِ غیب اور معترضین	۲۵۴
ینزل الغیث	۲۴۸	حرفِ آخر	۲۶۳
۱۰ —— بشریّت نبویؐ			۲۶۵

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
بشریّت نبویؐ سے متعلق علامہ ندویؒ کی تصریحات			۲۷۹
۱۱ ——— حیاتِ نبویؐ			۲۸۳
روحانیت کے منکر، ملحدین کے	۲۸۴	حیات النبیؐ کا انکار	۲۸۵
بہت قریب ہیں		حیات نبویؐ، کتاب و سنت کی روشنی میں	۲۸۵
۱۲ ——— معراجِ نبویؐ			۲۹۷
قرآن مجید اور	۲۹۸	احادیثِ معراج	۳۰۰
واقعۂ معراج		معراج جسمانی کے دلائل	۳۰۲
۱۳ ——— اصحابِ نبویؐ			۳۰۷
مسئلہ خلافت میں اختلاف کی ابتداء	۳۱۳	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۱۸
مقامِ صحابہؓ، قرآنِ حکیم کی روشنی میں	۳۱۴	در مدحِ صدیق اکبرؓ	۳۱۹
عظمتِ صحابہؓ	۳۱۷	در مدحِ فاروقِ اعظمؓ	۳۲۰
(حضرت علیؓ کی نظر میں)		در مدحِ عثمان غنیؓ	۳۲۲
۱۴ ——— گلہائے عقیدت			۳۲۳
خراجِ عقیدت	۳۲۴	میری کشتی کنارے پر لگاؤ	۳۲۹
پیکرِ نور	۳۲۶	یا رسول اللہ	
عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دیگر	۳۳۱	حضورؐ کی باطنی امداد	۳۳۰
حیاتِ سرورِ کائنات	۳۳۲	وحدہٗ لا شریک	۳۳۳
حضورِ رسالتؐ		عظمتِ مصطفےٰ	۳۳۶

نذرانۂ عقیدت

ایک عاصی، پُر معاصی، اُمتی،

حضورِ جانِ نور، ناصرِ یوم الکربتہ و النّشور، محبوبِ ربِ غفور

رسولِ معظم، نورِ مجسّم، فخرِ بنی آدم،

امام المتقین خاتم النّبیّین، شفیع المذنبین

سرکارِ دوجہان، باعثِ تخلیقِ انس و جان

سیّد الموجودات، زبدۂ کائنات

احمد مجتبیٰ، محمدؐ مصطفیٰ

علیہ التحیّۃ والثناء

کے

دربارِ پُر انوار میں عقیدت کا یہ ہدیہ پیش کرنے کی جرأت کرتا

اور روزِ حساب آغوشِ رحمت (وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ)

میں پناہ چاہتا ہے۔

طالبِ رحمت و غفران

شیر محمد خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اثر خامہ لسانُ الامت مجاہد ملت حضرت مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب مدظلہٗ
سجادہ نشین آلو مہار شریف، صدر جمیعتہ العلماء پاکستان،
ناظمِ اعلےٰ جمیعتہ المشائخ پاکستان۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صدرِ اوّل کے مسلمانوں کی کامیابی کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ وہ عاشقانِ رسول ؐ تھے عشقِ رسولؐ کی بدولت ان میں اتباعِ رسولؐ کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور اتباعِ رسولؐ کے باعث انہیں دین اور دنیا دونوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔ آج کل مسلمانوں کی دینی اور دنیوی زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت سے خالی ہیں۔ اور چونکہ خالی ہیں اس لئے وہ دینی اور دنیوی سربلندی کما حقہٗ حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ ایک واضح امر ہے کہ محبت اُس شئے سے کی جاتی ہے جس شئے کی صحیح تعریف معلوم ہو جس شئے کی صحیح تعریف معلوم نہ ہو اس سے محبّت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کسی شئے کی صحیح تعریف معلوم نہ ہونے کے باوجود اس سے محبّت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو وہ دوسروں کو فریب دیتا ہے یا خود فریبی میں مبتلا ہے۔ صحیح تعریف معلوم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی تعریف کرتا ہے۔ جو اس شئے کی تعریف کے برعکس ہے اور اس سے اس کے مبیّنہ محبوب کی شان ثابت ہونے کی بجائے تحقیر و تذلیل ثابت ہوتی ہو تو اس شخص کو اپنے دعویٰ میں مخلص قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مقامِ نبوّت کے صحیح تصور سے ناآشنا ہو اور اس کے باوجود حُبِّ نبی کا مدعی ہو تو کون اس کے اس دعویٰ کو مبنی برحق کہہ سکتا ہے؟

کچھ ایسے علماء جنہوں نے کمالاتِ نبوّت اور خصوصیاتِ رسالت کے انکار ہی کو تبلیغِ توحید کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے اپنے آپ کو مؤحد کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کے چند گروہ ہیں اور ان میں کچھ معمولی نوعیّت کے فروعی اختلافات ہیں۔ لیکن اصولی طور پر کمالاتِ نبوّت اور خصوصیاتِ رسالت کے انکار پر سب متفق ہیں۔ ان تمام گروہوں کے تصورِ نبوّت کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:۔

۱۔ تمام انبیاء اپنے تمام اوصاف ولوازم بشریّت میں دوسرے انسانوں کیطرح تھے،

۲۔ انبیاء کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ انبیاء سے اجتہادی خطائیں سرزد ہوئیں۔

۴۔ اُمّتیوں کا اپنے انبیاء سے نیکی میں سبقت لے جانا ناممکن نہیں۔

۵۔ انبیاء کا ادب اپنے بڑے بھائی کے برابر کرنا چاہیئے۔

۶۔ منصبِ رسالت ڈاکیئے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ہم نے مندرجہ بالا معتقدات کا حوالہ اس وجہ سے نہیں دیا کہ یہ معتقدات نام نہاد موحدین کے تمام طبقات کے مسلّمات میں سے ہیں۔ کسی کو ان کے انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی اندریں صورتِ حالات اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ان معتقدات کے حامل حضرات کا عشقِ رسولؐ کا دعویٰ کہاں تک درست ہے؟ کسی کے حُسن وجمال کا منکر ہو کر اس سے عشق کا دعویٰ کرنا کذبِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ حال تو ان حضرات کا ہے۔ جو عالمِ علومِ دینیّہ اور واقفِ رموزِ شرعیّہ کے مدعی ہیں ان کا یہ طرزِ عمل نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں کس طرح حُبّ رسولؐ کا جذبہ پیدا کرسکتا ہے۔ اگر ان نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے نئی پود انبیاء کو ریفارمر، ڈاکیہ یا لیڈر سمجھنے لگے تو اس کا کیا قصور ہے؟ سارا قصور ان حضرات کا ہے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو "شیخ القرآن" اور "شیخ الحدیث" کہتے ہوئے عامتہ المسلمین کے سامنے ایسا تصوّرِ نبوّت پیش کیا ہے۔ جو مستشرقین سے متوقع تھا مسلمان کہلانے والے "علمائے دین" سے اس کی توقع ہرگز نہیں ہوسکتی تھی۔
علمائے حق نے ہر دور میں نبوّت کے صحیح تصور سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لئے

گراں قدر کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن ہر دَور کے طرزِ تبلیغ، اسلوبِ بیان اور استدلال و برہان کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ موجودہ دَور میں ایک ایسی کتاب کی ضرورت شدّت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ جس میں جدید انداز اور دلکش پیرایہ میں حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے مقام کو بیان کیا جائے۔ اور حضور پرُ نُور کے فضائل و خصائل کو نصُوصِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ اور ضمناً منصبِ رسالت کی ایمان افروز وضاحت کی جائے۔ یہ کتاب ایک طرف نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں عشقِ رسولؐ پیدا کرنے کے لئے مفید ہو اور دوسری طرف مبلغینِ اسلام کو جدید انداز میں حُسن و جمالِ سیرت النّبیؐ پیش کرنے کے لئے خضرِ راہ کا کام دے سکے۔

انتہائی مسرت کا مقام ہے۔ کہ عزیزی ملک شیر محمّد خان صاحب نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کامیاب سعی فرمائی اور ایک ضخیم کتاب موسومہ "مقامِ مصطفےٰ" لکھ کر بارگاہِ رسالت مآب میں اپنی بساط کے مطابق نذرِ عقیدت پیش کر کے دین و دنیا کی سعادت حاصل کی ہے۔

جناب ملک صاحب کی ذات اور صفات اب کسی تعارف کی محتاج نہیں رہیں ان کے گراں قدر مقالے اور بلند پایہ کتابیں عوام اور خواص سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ملک صاحب کالا باغ کے رئیس اور صاحبِ علم و فہم، اہلِ قلم اور صالح نوجوان ہیں۔ اگرچہ ملک صاحب باضابطہ عربی مدرسوں کے پڑھے ہوئے مولوی اور رسمی عالم نہیں ہیں۔ لیکن خدا داد ذہانت اور مطالعہ کی وسعت کی بدولت دینیات میں گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ کے رشحاتِ فکر اتنے بلند پایہ ہوتے ہیں کہ بہت سے مدعیانِ علم انہیں سمجھنے کا فہم بھی نہیں رکھتے۔ ہمارے خیال میں ان کے علم و فہم کی صحت، فکر و نظر کی وسعت اور اعلیٰ بصیرت کا سرچشمہ عارفانِ اسلام کی تصانیف کا عمیق مطالعہ ہے۔ علماء و صوفیاء کی صحبتوں کے فیوض و برکات نے ان کے بادۂ علم کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔

زیرِ نظر بیش بہا تصنیف، ملک صاحب کے طویل و عمیق مطالعے کا نتیجہ ہے۔ یہ اپنے موضوع پر اردو زبان میں پہلی محققانہ، عارفانہ اور عالمانہ تصنیف ہے۔ اس کے ایک ایک

لفظ سے عشقِ رسولؐ کی مہک آتی ہے۔ اس کتاب کے سیر حاصل، فکر انگیز اور ایمان افروز افتتاحیے کو پڑھ کر ہر صاحبِ نظر فاضل مصنّف کی حیرت انگیز وسعتِ نظر، عمقِ نظر اور رفعتِ نظر کا اندازہ کر سکے گا۔

ہمیں اس کتاب کی پانچ چیزوں نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ اوّل یہ کہ مصنّف صحیح العقیدہ ہے۔ اندازِ بیان اور دلائل و براہین کی جدّت و ندرت کے باوجود ایک لفظ بھی سلف صالحین کے مسلک سے باہر نہیں۔

دوم یہ کہ فاضل مصنّف نے "حضورؐ کی شان از روئے قرآن" کے زیرِ عنوان قرآن حکیم کی آیات بیّنات کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ کہ قبل ازیں اس موضوع پر کسی مستقل تصنیف میں بھی اتنا بڑا ذخیرہ جمع نہیں کیا گیا۔ مصنّف نے مجرّد قرآن کی روشنی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت مرتّب کر دی ہے۔

سوم یہ کہ مصنف نے ایسے حقائق و معارف اور رموز و نکات پیش کئے ہیں جو قبل ازیں بہت کم پیش کئے گئے ہیں۔

چہارم یہ کہ مصنف نے خوش عقیدگی کی رَو میں بہہ کر ضعیف روایات درج نہیں کیں، بلکہ ایسی روایات درج کی ہیں جنہیں ضعیف کہنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

پنجم یہ کہ مصنّف کا دلکش اسلوب نگارش ہے۔ فاضل مصنّف کی تحریر میں خاص جلالت اور شکوہ ہوتا ہے اس کتاب میں ان کا یہ انداز پورے شباب پر ہے۔ صحیح تاریخی حوالوں، روح پرور ادبی چاشنی اور ایمان افروز اشعار نے اس کی علمی، ادبی اور تاریخی اہمیّت و افادیّت میں اضافہ کر دیا ہے۔ شروع سے آخر تک روانی، شگفتگی اور سلجھاؤ پایا جاتا ہے۔ ٹھوس علمی مسائل کو بھی ملک صاحب نے دلچسپ بنا دیا ہے۔ استدلال قوی سے قوی تر ہے۔ جو کچھ پیش کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر پیش کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ مسلمانوں کے قلوب میں عشقِ رسولؐ کا جذبہ موجزن کر دے گا۔ اس کامیاب کوشش پر میں ملک صاحب کی خدمت میں ہدیۂ سپاس و نیاز پیش کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ملک صاحب کو اس دینی خدمت کا اجرِ

جزیل عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے ـــــ آمین
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥

سیٹلائٹ ٹاؤن ـ گوجرانوالہ ـ فیض الحسن غفرلہٗ
۱۴ر فروری ۱۹۶۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

بسا اوقات؛ جنس، نوع، صنف اور افراد کی تقسیم کے منطقی بکھیڑوں میں اُلجھ کر، بشریت اور نبوّت کی سرحدات خلط ملط کر دینے کا بھاری جرم سرزد ہو جاتا ہے۔ یہ سوچنا چاہیئے کہ اوّل تو آلاتی، کسبی، اور اعتباری علوم، حقائق کائنات کے ماتحت چلتے حقائقِ کائنات کو اضافی علوم کے تابع رکھنے کی خواہش، نادانی ہے۔ نبوت تو بوسیدہ تہذیب اور ناکارہ ثقافت کے بخیئے ادھیڑ کر، تازہ تمدّن کا خلعت عطا کرتی ہے۔ نبوّت کی اہمیّت کو منطق کی قینچی سے قطع برید کرنا، کون سی دانش مندی ہے؟ بہرحال اس بیچاری منطق کی اصطلاح کے دائرہ کے اندر بھی کسی امتیاز کی حثیت کو بقدرِ مراتب، جنسی، نوعی، صنفی یا انفرادی قرار دینا، بہت کچھ اس ابتدائی مفروضہ پر مبنی ہے۔ کہ جنس اعلیٰ کو موجودات کی کس سطح پر معیّن کیا جائے۔

مثال سے نقطہ واضح ہو جائے گا۔ اگر جوہر، جنس اعلیٰ ہے۔ اور جمادات، نباتات و حیوانات کے موالیدِ ثلاثہ اُس کی اجناسِ ذیلی ہیں۔ پھر حیوانات میں سے، انسان اور غیر انسان کا فرق، صنفی ہے۔ تو مرد و عورت کی تمیز انفرادی ٹھہری۔ بونے اور طویل القامت کی تفریق بھی انفرادی ہوئی۔ شریف اور رذیل کا فاصلہ بھی انفرادی ہے۔ لیکن اس سے یہ تو ثابت نہ ہوا کہ انفرادی تمیز ضرور کسبی ہوتی ہے۔ انہی مثالوں سے اُسے وہبی ہونے کا بھی حق ہے۔ ایک دوسری مثال لیجیئے۔ حیوان کو جنس اعلیٰ فرض کر کے آگے تقسیم شروع کی جائے، یوں انسان اور غیر انسان کا امتیاز نوعی سطح پائے گا۔ اب نبی اور غیر نبی کی تفریق صنفی ہو گئی، اگر منطق کی رُو سے کسی تفریق کا عوارض یا خواص کے زمرہ میں آنا ایسے اضافی مفروضات اور اعتباری حادثات پر منحصر ہے۔ تو نبوّت اور بشریّت کا امتیاز منطق سے حل کرنے کی مساعی

کیسی بے سود ہے ؟

اچھا تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ نبی اور غیر نبی ایک ہی نوع ، بلکہ ایک ہی صنف میں داخل ہیں۔ پھر کیا ایک نوع اور ایک صنف کے تمام افراد لازماً ہر لحاظ سے مساوی الحیثیت ہوتے ہیں ؟ کیا شیر اور گیدڑ ، صفتِ حیوانیت اور شکاری درندے ہونے میں مشترک ہونے کی علت سے مساوی الرتبہ ہو گئے ؟ ایک عربی النسل سبک رہوار اور ایک باربردار ٹٹو ، دونوں گھوڑے ہونے کی وجہ سے یکساں ہو گئے۔ کیا یہ امتیازات کسبی ہیں ؟ نپولین اور ہٹلر زمرۂ حکمرانی میں ابنِ سعود سے مختلف نہ تھے ۔ لیکن کیا سلاطین عالم کی صف میں ، قیادت اور اہمیت کے اعتبار سے بھی ، ان کو باہم مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے ؟

بشریت ناقصہ کی سطح پر تمیز کا حال یہ ہے کہ اگر کافر پر مومن کی دینی فضیلت سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر لیا جائے ، تو دانشمندی ، علم ، دلیری ، یا کاریگری کے لحاظ سے ، کافر اہلِ ہنر یا اہلِ حرفہ کو ، اپنے مسلمان حریفوں پر ترجیح بھی حاصل ہو سکتی ہے ۔ ایک دوسری مثال پر اسی سطح سے غور کیجئے ۔ کیا ایک غیر آدمی کا کسی شخص کے گھرانے یا ناموس میں امکانی شمولیت کا دعویٰ ، اس بناء پر نازیبا ، ناشائستہ بلکہ قبیح نہ ہوگا ۔ کہ چونکہ میں تمہارے ساتھ یا تمہارے باپ کے ساتھ بشریت میں شریک ہوں ۔ لہٰذا تم کو یہ ماننے سے انکار نہ ہونا چاہئے کہ اصولاً میں تمہاری اور تمہارے باپ کی جگہ حاصل کر سکتا تھا ۔ اگر انفرادی دائرہ میں بشریت کا اشتراک شخصی ناموس میں ، کسب سے داخلہ کا ٹکٹ مہیا نہیں کر سکتا ۔ تو ساری اُمت کے ناموسِ نبوت پر اس قسم کی دعوے داری ، تو بدرجہا زیادہ ناگوار ہے ۔ غیر سائیس کو گھوڑے کی لگام سپرد نہیں کی جا سکتی ، تو ایک غیر نبی کو حرام و حلال کی باگ تھام دینے کے امکان پر کس طرح غور ہو سکتا ہے ؟ لاٹ صاحب کی جانب سے سرکاری چٹھیوں پر دستخط کر کے شائع کرنے کا اختیار ، ایک معمولی ڈاک خانے کے کسی ڈاکئے کو نہیں دیا جا سکتا ۔ یہ خدمتِ خاص تو چیف سیکرٹری انجام دیتا ہے ۔ جو چٹھی کا مضمون خود بھی سمجھتا ہے ، اور لاٹ صاحب کے منشاء کا رمز شناس ہونے کے باعث حسبِ ضرورت اس کی مناسب تشریح

دتوضیح کی اہلیت اور اختیار بھی رکھتا ہے۔ پھر خدا کی کتاب، آسمان سے زمین تک پہنچانے والی شخصیت کو کسی ایسے ڈاکیئے سے تشبیہہ دینا اگر کمبختی بلکہ بدبختی نہیں تو اور کیا ہے جس سے لاٹ صاحب کے چیف سیکرٹری کو تشبیہہ دینا بھی قابلِ اعتراض گستاخی ہوگی۔ یہ تو کسب فضیلت کے پردہ میں غصب حق کی چال نظر آتی ہے۔

اوپر کی مثالوں سے خوب واضح ہوگیا کہ بشریت ناقصہ کے درجہ پر، محض بشریت میں شریک ہونے کی دلیل سے اہل کو نا اہل کے ساتھ، غیر کو ارکانِ خانہ کے ساتھ، آقا کو غلام کے ساتھ، اور کسی حکومت کے قاصد یا سفیر اور نائب کو ڈاکخانہ کے ڈاکیہ کے ساتھ برابر نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اب ذرا بشریت کاملہ کی سطح پر تحقیق کیجیے کہ جب غوث پاک حضرت پیرِ دستگیر عبدالقادر جیلانی رح نے اپنا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر فائق ہونے کا اعلان کیا۔ تو کیا کسی ولی اللہ کو یہ نکتہ سوجھا کہ جناب بشریت اور عبدیت میں ہم دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا ولایت میں بھی میرا اور آپ کا درجہ مساوی ہونا چاہیئے۔ کیا حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور بابا فریدالدین شکر گنجؒ کو کبھی یہ خیال گذرا کہ بشریت عبدیت اور ولایت میں ہم خواجہ معین الدین چشتیؒ کے شریک ہیں۔ پھر یہ شیخ اور مرید طریقت کی تفریق کیسی کیوں نہ کسب فضیلت سے، مساوات یا برتری کی کوشش کی جائے۔ خود خواجۂ اجمیرؒ کو حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ سے فیض حاصل کرنے میں عذر نہ ہُوا۔ غرض معلوم ہُوا کہ بشریت کاملہ کے زمرہ میں بھی چھوٹے کبھی بڑوں کی برابری کا وہم نہیں کرتے۔

اب بشریتِ اکمل کے مقام کا مطالعہ کیجیے۔ جب بشریت ناقصہ اپنے دائرۂ عمل میں مساوات کی متقاضی نہیں۔ جب بشریت کاملہ برابری کے دعوے کو گستاخی اور محرومی قرار دیتی ہے، تو آخر یہ کیا بدتمیزی ہے کہ افضل الانبیاءؐ ہی کے مقام کو بشریت اور عبدیت کے استدلال سے ہر قسم کے انسانوں کے لئے کھلا قرار دیا جائے جس میں ظاہر ہے کہ فقط بشریت ملحوظ رکھی جائے۔ تو مومن کافر کی تفریق کی گنجائش بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ توحیت (وحی) کی صفت، نبوّت کو اسی طرح بشریت کے دائرہ کے اندر ممتاز کر دیتی ہے، جس طرح الوہیت، موجودات کے دائرہ میں ممتاز ہے۔ نہ ہر ہستی کو ہستی مطلق کا درجہ مل سکتا ہے نہ ہر بشر کو

نبوّت کا اہل سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہر نبی کو خاتم انبیاءؐ کا مقام مل سکتا ہے۔۔۔۔۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"

تمدّن، ادیان اور ثقافت کی تاریخ میں، اسلام کو ایک منفرد خصوصیت حاصل ہے وہ یہ کہ اسلام خالی ذہنی تصوّرات کا ایک فلسفہ نہیں جسے ہر سننے والا اپنی سمجھ کے مطابق ڈھال سکے ایک "اعتقاد" سے بڑھ کر اسلام ایک اجتماعی تنظیم بھی ہے، اجتماعی تنظیم بہر حال مکان و زمان کی قیود سے محدود ہوتی ہے۔ اسلام اجتماعی تنظیم سے بھی بڑھ کر ایک عمرانی تسلسل ہے۔ ہر نئی نسل سلف صالحین کے سانچہ میں ڈھل جاتی ہے۔ لیکن اعتقاد، اجتماعی تنظیم، اور عمرانی تسلسل، ان سب سے بڑھ کر اسلام "ایک ملّت" ایک امّت بھی ہے۔ یہ ایک امّت اور ایک ملّت" کا نقشہ، ایک ایسی زبردست تدبیر ہے، کہ ابتدائے آفرینش سے روزِ قیامت تک، تمام انسانی تاریخ گویا ایک مجلس میں جمع ہو جاتی ہے۔ پھر اس مجلسِ محشر میں ہر اُمت پر اُس کا رسولؐ شاہد ہے، اور تمام کائنات کی ہر قسم کی مخلوقات پر پیغمبرِ اسلامؐ شاہد ہیں۔

ہر مسلمان پانچ وقت ہر نماز کے اختتام پر التحیات" پڑھتے وقت اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کہتا ہے اس جملہ میں مخاطب کا صیغہ اور ندا کا حرف صراحت کر رہے ہیں، کہ سلام کسی فی الوقت موجود ہستی کو پکار کر پیش کیا جا رہا ہے۔ غیر حاضری میں بھیجا نہیں جا رہا اس سے معلوم ہوا کہ پوری نماز حضور علیہ الصلوٰۃ کی معیّت میں، اور ان کے واسطہ سے، اُن کے تبلائے ہوئے طریقہ پر، اُن کی خوشنودی کی خاطر ادا کی جاتی ہے۔ خدا کی خوشنودی کی اطلاع، اُن کے وسیلہ سے ہوتی ہے۔ بغیر حضورؐ کی موجودگی کا اقرار کئے نماز نامکمل رہتی ہے۔ یہی سنّیوں اور شیعوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ نہ فقط نماز، بلکہ جملہ عبادات اور خود ایمان بھی حضورؐ کے وسیلہ کا اقرار، آپؐ کی موجودگی، اور آپؐ کے مخصوص منصب کو تسلیم کئے بغیر کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتے۔

حضور نبیؐ کے بغیر تو اردو یا گورکھی میں بھی نماز ادا کرنے کا وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن پیغمبرِ عربؐ کے حضور میں کسی غیر زبان سے نماز ادا کرنے کا ارتکاب کیا معنی رکھے گا؟ حضور نبیؐ کے بغیر قرآن پڑھا تو اس کا مطلب سمجھنے میں ویسی ہی غلطی ہو سکتی ہے۔ جیسی

سوامی دیانند کو، نبی کا وسیلہ اور حضورؐ تسلیم نہ کرنے کے سبب "ستیارتھ پرکاش" کی کتاب کے اندر "سورۃ الحمد" کی تفسیر کرتے وقت لاحق ہو گئی تھی۔ ورنہ اپنی سمجھ کے خدا کا منکر تو وہ بھی نہ تھا۔ خود کو موحّد کہتا تھا۔ لیکن چونکہ اس کا خدا، خدائے محمدؐ نہ تھا۔ اس لئے یہ خدا پرستی اسے ایمان کی نعمت نہ دلا سکی۔ اگر نبیؐ کے حضور کا نقشہ سامنے رکھتا۔ تو قرآن اور خدا کا وہی مطلب سمجھتا، جو نبیؐ کی موجودگی میں سمجھایا گیا تھا۔

حضور نبیؐ کے بغیر "لواری" کے حج کا خیال بھی آسکتا ہے۔ لیکن نبیؐ کے حضور پر عقیدہ پکا ہے تو اُسی قبلہ کا حج، انہی ارکان کے ساتھ ادا ہو گا۔ جیسے نبیؐ کی موجودگی میں طے پایا تھا۔

حتیٰ کہ نبی کو حاضر و ناظر اور اپنے منصب پر آئندہ شانِ ہمیشگی کے ساتھ قائم سمجھے بغیر، اگر خدا بھی تصوّر کیا، تو کسی جھوٹے نبی کے بتلائے ہوئے کسی ایسے جھوٹے خدا کا تخیل بھی ورغلا سکتا ہے۔ جو اس کذّاب کے ساتھ ہمبستر ہو کر اسے حمل کر گیا تھا۔ (نعوذ باللہ) یا عہد نامۂ عتیق، (توریت) کا مسخ شدہ نسخہ جو عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں رائج ہے، پڑھا تو ایسے خدا کا خیال بھی ذہن میں آسکتا ہے، جو یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑنے زمین پر آگیا تھا۔ اور دونوں میں دنگل بھی ہوا تھا۔ لیکن حضورِ نبیؐ کا نقشہ دائم سامنے ہے۔ تو اللہ کا وہی تصوّر قلب کو روشنی بخشے گا۔ جو نبیؐ کی موجودگی میں بتلایا گیا تھا۔

اگر حضورِ نبیؐ کا دائمی عقیدہ تسلیم کئے بغیر نبوّت پر ایمان لانے کی بھی کوشش کی، تو ممکن ہے کوئی جعلساز یہ دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائے کہ چونکہ نبیؐ تو وفات پا چکا ہے۔ لہٰذا نبیؐ تو وہی تھا اور ہے، لیکن ظلّی اور بروزی طور پر (معاذ اللہ) اب نبیؐ کا بھوت میری شکل اختیار کر کے، مجدّد اور مسیح مصلح کی صورت میں اس زمانے کے اندر اُترا ہے، لیکن اگر حیات النبیؐ، حضورِ نبیؐ اور دوامِ خاتمیّت پر عقیدہ پختہ ہے تو ایسی واہیات خرافات کی طرف دھیان بھی نہ جائے گا۔

غرض حیات النبیؐ اور حضورِ نبیؐ کے عقیدہ سے منحرف ہو کر، خدا، پیغمبر، قبلہ، قرآن اور جملہ عبادات وارکانِ دین، گمراہی اور ضلالت کے اسباب بن سکتے ہیں۔ اور کئی منکرانِ حضورِ نبی، فی الواقع ایسی گمراہیوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مرزا قادیانی حضورِ نبیؐ کا قائل

ہوتا تو خود نبی ہونے کا دعویٰ کیسے کرتا۔ "معارفِ قرآن" بیان کرنے کا مدعی اگر نبیؐ کو حاضر ناظر مانتا تو یہ کیسے کہتا کہ معاذ اللہ نبیؐ تو خالی عرب کی سلطنت کے سربراہ تھے۔ اب پاکستان میں، قرآن کے وہ معنی تبلانے کا حق مجھے حاصل ہے، جو نبیؐ نے نہ تبلائے تھے۔ سر سیّد حضورِ نبیؐ کا معتقد ہوتا تو نیچریت کے غولِ بیابانی کی پناہ کیوں ڈھونڈھتا اور موجودہ زمانہ میں کلچر اور ثقافت کے نام پر مسلمان لڑکیوں کو بے پردگی، ڈانس اور ایکٹرس بننے کا فن سکھانے والے اگر حضورِ نبیؐ کے معتقد ہو جائیں، تو یہ کیسے دعوے کریں۔ کہ نبیؐ کے زمانہ میں لوگ بدو تھے۔ ہم نے ترقی یافتہ اقوام کے پہلو بہ پہلو، تہذیب کا مظاہرہ کرنا ہے۔ ہم کشفِ ستر اور بے حیائی سے کس طرح باز رہ سکتے ہیں۔

حضورِ نبیؐ کے عقیدہ پر پختہ ایمان کے ساتھ، کوئی ایک جزوِ اسلام ضائع نہیں ہو سکتا جب نبیؐ اپنی اُمّت کے مابین موجود ہے، تو اس کی سُنّت کے سامنے کسی کی سُنّت نہ چلے گی۔ اور نبیؐ کی وفات ہو چکی ہے۔ تو پھر جو نبیؐ کی سُنّت کا ٹھیکیدار بن کر اُٹھے گا۔ اس کی اپنی سُنّت کو نبیؐ کی سُنّت کی جگہ ماننا پڑے گا۔ اسلام خالی ایک تحریر یا کلام نہیں — قرآن خالی کاغذ، سیاہی یا ایک آواز کا نام نہیں۔ بلکہ اسلام ایک زندہ متحرک اور کارگر، معنی اور طاقت ہے۔ یہ معنی غیر معیّن نہیں۔ بلکہ معنی معیّنہ ہیں۔ اس معنی کے تعیّنات متعدد نہیں، بلکہ فقط ایک خاص تعیّن ہے۔ بغیر تشخص انسانی، تعینِ معانی، ناقابلِ تصوّر بشری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معانی کا مستند تعیّنِ شخصی، حضور خیر البشرؐ کی حیاتِ ابدی حضورِ مکانی اور علمِ بلا قیدِ ظروفِ عقلی و زمانی کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔

مسلمانوں نے "التحیات" میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کے ساتھ حضورِ نبیؐ کا لازم و ملزوم نقشہ، اپنے معاشرہ میں صبح و شام قائم رکھنے کا ایک نظام قائم کیا تھا۔ نماز میں حضورِ نبیؐ کے تصوّر کے ساتھ سلام پیش کرنے کے علاوہ میلاد، نعت خوانی اور دوسری حقانی مجالس میں انفرادی اور اجتماعی تربیت کا ایک ایسا اہتمام تھا جو اسکول و کالج کی بلڈنگ یا فیس کا محتاج نہ تھا۔ امیر کے ساتھ غریب، عالم کے ساتھ جاہل اور خواص کے ساتھ عوام، اس نظام میں شامل ہو کر ایک اُمت اور ایک مِلّت کی

صورت متحد رہتے تھے۔

"اَلتحیّات" میں ندا اور خطاب کے ساتھ سلام حضوری کے بعد اگلا جملہ یہ ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن" یہ وہ منشور ہے۔ جس میں موجودہ نسل کا رشتہ، سلفِ صالحین کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ حیات النبیؐ کے صدقہ میں، حیات الشہداء اور حیاتِ ابدیٔ اولیاء اللہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ گو یہاں حضورِ شخصی لازم نہیں آتا۔ شفاعت النبیؐ، اور شفاعتِ مرشد کا دھیان پختہ ہوتا ہے۔ خاکم بدہن، اگر نبیؐ ہی حیات نہیں۔ اور اگر نبیؐ ہی شافع حشر نہیں تو پھر اُمت کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں شہداء کی حیات، اور اولیاء اللہ کی شفاعت و دعا کے چرچے کیسے ہیں؟ اور خدانخواستہ اُمت کی تاریخ کو شہدائے اسلام اور اولیائے اسلام سے خالی کرنا ہے۔ تو پھر باقی کے ویرانے میں رہ کیا جاتا ہے؟ باقی تو وہی رہ جائیں گے، جن کو نماز میں نبیؐ کے تصوّر سے وحشت ہوتی ہے اور گائے بیل کے تصوّر سے رغبت ہے۔ یہ گاؤ سالہ پرستی سلاسل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کی رونق کی جگہ، کیا خدمتِ اسلام انجام دے گی۔ بقول جامیؒ ؎

وصلی اللہ علیٰ نورٍ کزو شد نورہا پیدا

حیات النبیؐ، حضورِ نبیؐ، علم النبیؐ، اور شفاعت النبیؐ کے نکات سے اُمت کے جو دینی و دنیاوی مفادات وابستہ ہیں، اُن سے مسلمانوں کے ایک طبقہ کی ناواقفیت کا نتیجہ کیا ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ آج ایک قرآن ایسا بھی ہے جس کی تفسیر فرانس، جرمنی برطانیہ اور امریکہ کے غیر مسلم مستشرق کر رہے ہیں۔ ایک قرآن ایسا بھی نمودار ہو رہا ہے جس میں "نظامِ ربوبیت" کی تاویل "نظامِ اشتراکیت" سے کی جاتی ہے۔ کچھ غیر مقلد اب ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو فقہی تقلید کے انکار سے ترقی کر کے اب انکارِ سُنّت کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب یہاں سے احکامِ الٰہی کی تقلید کا انکار فقط ایک اور منزل کی مسافت پر رہ گیا ہے۔ کیا حضورِ نبیؐ کے عقیدہ پر پختہ ایمان کے ساتھ ایسے فتنے پرورش پا سکتے تھے؟

حیف ہے اُن نادانوں کے حافظہ اور سمجھ بوجھ پر، جو ایک مناظرہ میں "حیاتِ مسیح" پر اصرار کرکے اُٹھتے ہیں، تو دوسری مجلس میں "وفات النبیؐ" پر ضد کرنے لگتے ہیں۔ اگر بعض نام نہاد مسلمان حیات النبیؐ اور شفاعت النبیؐ کی برکات سے محروم نہ ہو چکے ہوتے تو عہدِ حاضر کے اسلامی معاشرہ میں لادین فلسفیوں کی یہ کثرت دیکھنے میں نہ آتی اور "اولیائے اسلام" کی یہ قلت ہر سچے مسلمان کے دل میں نہ کھٹکتی۔

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے دینی اور دنیوی انحطاط کا باعث یہ ہے کہ ان کے دل سرکارِ دو عالم رصلی اللہ علیہ وسلم، کی محبت سے خالی ہیں۔ علامہ اقبال رح فرماتے ہیں ؎

شبے پیشِ خدا بگریستم زار ، مسلمانان چرا خوار اند و زار اند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم ، دلے دارند و محبوبے ندارند

"یعنی ایک رات میں خدا کے سامنے بہت رویا، اور عرض کی کہ خدایا! مسلمان ربیسویں صدی کے مسلمان)، دنیا میں اس درجہ ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ بارگاہِ خداوندی سے جواب ملا، کہ اے اقبال! کیا تو نہیں جانتا کہ موجودہ مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اُن کے سینوں میں دل تو ہیں، لیکن دلوں میں محبوب کی یاد چٹکیاں نہیں لیتی"۔

موجودہ مسلمانوں کی عشقِ رسولؐ سے بیگانگی کے اسباب بیان کرنے کے لئے ایک الگ مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العظیم' ایک مختصر دیباچہ ان تفصیلات کا حامل نہیں ہوسکتا۔ یہاں صرف یہ دکھانا تھا۔ کہ ختمیت وحتمیت رسالت وہ بنیادی اسلامی اساس ہے کہ جس کے بغیر کوئی اسلامی اصول اخذ نہیں ہوسکتا۔

فی الحال آئندہ صفحات میں آپ منصبِ نبوت۔ ختمِ نبوت۔ معجزات نبویؐ۔ علمِ غیب نبویؐ۔ بشریت نبویؐ۔ معراجِ نبویؐ۔ حیاتِ نبویؐ۔ اور اصحابِ نبویؐ کے موضوعات پر مصنف کی گذارشات ملاحظہ کریں گے، التجا ہے کہ راقم السطور کو دعائے خیر میں یاد رکھا جائے۔ اور اغلاط لفظی

ومعنوی سے مطلع فرما کر ممنون ہونے کا موقعہ دیا جائے۔

کالا باغ (میانوالی) خاکسار

۱۸ر جنوری ۱۹۶۵ء شیر محمد خان

پہلا باب

بعثت نبویؐ سے پہلے

آج سے چودہ سو سال پہلے فضائے عالم کفر و شرک کی ڈراؤنی اور کالی گھٹاؤں سے تیرہ و تار تھی۔ اور نوعِ انسانی گمراہی کی بھول بھلیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتی، بتوں ستاروں اور دیگر "اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کی پرستش کر رہی تھی۔ ہندوستان میں بھی گھر گھر بُت خانہ تھا۔ اور اولادِ آدم تینتیس کروڑ دیوتاؤں کی عبادت اور بے جان مورتیوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے انسانیت کی تحقیر و تذلیل کر رہی تھی۔ رائج الوقت قانون کی رو سے برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا ارتکاب کر چکا ہو، سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی۔ کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کی عصمت دری کرنا کوئی جرم نہیں تھا۔ اگر اچھوت ذات کا کوئی شخص اعلیٰ ذات والے شخص کو چھوتا۔ تو اس کی سزا موت تھی۔ اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو تعلیم دینے کا دعویٰ کرتا تو گرم تیل اس کے منہ میں بھر دیتے تھے۔ (۱)

راجاؤں کے محلات میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی۔ اور رانیاں خمار میں جامۂ عصمت اتار ڈالتی تھیں۔ مغربی ایشیا کی قدیم اقوام میں یہ دستور تھا کہ ہر ایک عورت دیوی کے مندر میں اپنی عصمت کسی اجنبی کے ہاتھ بیچنے کو کارِ ثواب تصور کرتی تھی، قدیم بابل میں ہر ایک عورت کو عمر میں کم از کم ایک مرتبہ عصمت فروشی کا مذہبی فرض ادا کرنا پڑتا تھا اور اس کی جو اجرت وصول ہوتی تھی وہ دیوی کی نذر کر دی جاتی تھی۔ مندر کے احاطہ میں رسم کی

---

(۱) آر۔ سی۔ دت کی ہندوستان قدیم جلد ۳ ص ۳۴۳

ادائیگی کی منتظر عورتوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور بعض دفعہ انہیں برسوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔(۲)

روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی۔ جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے۔ اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔ نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہورہی تھی۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہوکر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر اور برُے بھلے کی تمیز سے قطعًا محروم ہو چکا تھا۔ پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہُوا دب چکی تھی۔ جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے۔ وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے۔ یا اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے۔ جن سے نہ صرف چند خدا شناس دل روشن تھے۔ جو شہروں کو چھوڑ کر چند پورے پورے گھروں میں بھی اُجالا نہیں کر سکتے تھے۔ دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان میں کنارہ کش ہوکر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزین ہوگئے تھے۔ اور زندگی کی کشمکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین و سیاست اور روحانیّت و مادیّت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہوگئے تھے۔ اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے۔ انہوں نے بادشاہوں اور اہلِ دنیا سے ساز باز کرلی تھی۔ اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ نظام سلطنت اور معیشت میں اُن کے دستِ راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے میں، اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے میں ان کے شریک و سہیم بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی زمامت اور دنیا کی قیادت کے سربراہ مادار اور دنیا کے لئے کوئی اچھا نمونہ ہونے کی بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار و ذمّہ دار تھے۔ مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی

---

(۲) مذہب اور باطنی تعلیم از مرزا محمد سعید دہلوی۔

تھیں۔ ان کے افراد تعیّش و تکلفات کی زندگی اور مصنوعی تمدّن کے سمندر میں سر تا پا غرق تھے۔ بادشاہ اور حکام خوابِ غفلت میں مدہوش اور نشۂ سلطنت میں سرشار تھے کام و دہن کی لذت اور خواہشاتِ نفس کی تسکین کے سوا۔ ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔ زندگی کی ہوس اور لذّت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی۔ متوسّط طبقہ کے لوگ ہر زمانہ کے دستور کے مطابق اس اعلیٰ طبقہ کی قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اس کی نقّالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے۔ باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بارے سے ایسے دبے ہوئے، اور غلامی اور قانون کی زنجیروں، بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے۔ کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی۔[1] دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کی عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جُتے رہنے اور جانوروں کی طرح پیٹ بھر لینے کے سوا دنیا میں ان کا کوئی حِصّہ نہ تھا۔ کبھی اگر وہ خشک و بےمزہ زندگی اور اس کے یکساں چکّر سے اُکتا جاتے۔ تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے۔ اور کبھی زندگی کے اس عذاب سے اُن کو سانس لینے کا موقع مِلتا۔ تو فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہوکر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد" دنیا استبداد و استعبادُ کے عذابِ الیم میں مبتلا تھی۔ غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا فرمانروایانِ ملک، امرائے شہر، رؤسائے قبائل اپنے اپنے حلقہ فرمانروائی میں" اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" تھے۔ اور اُن کے ہاتھ میں ان کے اطاعت گذار اور پیرو بالکل مثل معدوم الارادت آلاتِ عمل کے تھے۔ جن کی زندگی کا موضوعِ واحد صرف اپنے قادر و قابض کی تکمیل، ہوائے نفس و اتباعِ مرضات تھا صداقتوں کی حقیقت اور امورِ و واقعات کی

---

(۱) مسلمانوں کے تنزّل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟ از مولانا ابوالحسن علی ندوی

صداقت کا فیصلہ سلاطین و امراء کے چشم ابرو کا ایک اشارہ اور ملوک و رؤسا کے کام و دہن کی ایک جنبش تھی۔ ذات شاہی ہر تقدیس سے متصف ہر احترام فوق العادت سے مقدس اور ہر نقص و عیب سے مبرا تھی۔ کیونکہ وہ خدا تھی، خدا کا سایہ تھی۔ یا کم از کم مرتبہ انسانیت سے بالاتر شئے تھی۔ ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اوتار بن کر اُترتے تھے۔ روما کا پوپ خدا کے فرزند کا جانشین تھا۔ اور اس کا آستانۂ قدس سجدہ گاہِ ملوک و سلاطین۔ روم کے قیصر اور فارس کے کسریٰ گو دیوتا نہ تھے۔ لیکن فطرتِ بشریہ سے منزّہ اور انسانیت سے بلند تر ہستی تھے۔ جن کے سامنے بیٹھنا ممنوع۔ جن کے سامنے ابتداءً کلام گناہ جن کا نام لینا سوء ادب اور جن کی شان میں ادنیٰ سا اعتراض بھی موجب قتل تھا۔ بیت المال ملکی سامان مصرف۔ رعایائے ملک غلامانِ درگاہ شہنشاہی تھے۔

شہنشاہانِ عالم صرف تفریح طبع کی خاطر ہزاروں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ اور اُن کی نعشوں کو خاک و خون میں مرغِ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے دیکھ کر محظوظ ہوتے تھے۔ اور اپنے درباروں میں انسانوں کو درندوں سے لڑا کر لطف اُٹھاتے تھے۔ مشہور مورخ لیکی رومی شہنشاہوں کے خون آشام کھیلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"ارمیلن نے اپنی فتح کی خوشی میں ۸۰۰ جوڑیں لڑائیں۔ ٹریجن نے جو تماشہ عرصے تک جاری رکھا۔ اس میں دس ہزار آدمیوں کو لڑنا پڑا۔ نیرو نے ایک شب کو اپنے باغ میں روشنی کرائی اور عیسائیوں کی قمیصوں پر تیل چھڑک کر ان میں آگ لگا دی۔ ڈومیش کے زمانے میں ملک بھر کے ضعیف الجثّہ لوگوں کے باہمی مقاتلے کی سیر دیکھی۔ اور ایک سے زائد بار عورتوں کو سپاہی کے اکھاڑے میں اُترنا پڑا۔ ایک مرتبہ ایک قیدی کو صلیب میں جکڑ کر اس پر ایک ریچھ چھوڑ دیا گیا۔ ایک اور قیدی کو یہ سزا دی گئی، کہ جلتے ہوئے شعلے میں اپنا ہاتھ داخل کر دے۔ غرضیکہ اہلِ روم

میں خون آشامی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہ بڑے سے بڑے خونین مناظر کے نظارے سے بھی یہ پیاس نہیں بجھتی تھی۔ اس کے لئے بادشاہوں کو نئے نئے طریقے سفاکیوں اور خون ریزیوں کے ایجاد کرنے پڑتے تھے۔" (۱)

پھر آگے چل کر یہی مورخ لکھتا ہے :-

"ایک مرتبہ فلالینیس کے یہاں کوئی مہمان آکر اُترا۔ اُس کی تفریح کے لئے میزبان سے جہاں اور سامان کئے وہاں ایک غلام کے ذبح کئے جانے کا تماشہ بھی اُسے دکھایا۔ ویڈلیس پولیو نے مچھلیاں پالیں اور اُن کا طعمہ اپنے غلاموں کا گوشت قرار دیا۔" (۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے اپنی مشہور عالم تصنیف "حجۃ البالغہ" میں ما قبل اسلام اس حالت کی پوری تصویر کھینچی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"تاریخ شاہد ہے کہ اہلِ روما اور اہلِ ایران میں حکومت ایک طویل مدت تک رہی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد کے حالات کے مطابق تمدن کے لوازم اور اسباب رفاہیت و تعیش میں معتدبہ ترقی کی۔ آخرت کی یاد کو پسِ پشت ڈال کر اپنی دنیاوی زندگی کو عیاشی کے ساتھ بسر کرنا انہوں نے اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور شیطان نے ان پر اپنا پورا تسلّط جمالیا۔ چار دانگ عالم سے موجد اور مخترع کھنچ کر وہاں چلے آئے۔ اور لذائذ حیات کے متعلق کئی ایک چیزیں اور نئے طریقے دریافت کئے۔ تمام امراء اور اہل ثروت عیش پرستی میں منہمک تھے۔ اور اس بارے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ یہاں تک مشہور ہے۔ کہ ان عیش پرست اور خود پسند امراء میں سے جس کا

---

(۱) تاریخ اخلاق یورپ جلد اوّل از لیکی مترجمہ از مولینا عبدالماجد دریاآبادی ص ۲۳۶

(۲) تاریخ اخلاق یورپ ص ۲۵۵

کمربند ایک ہزار دینار سے کم قیمت کا ہوتا تھا۔ اس کو بنظرِ استحقاق و استحقار دیکھا جاتا۔ ہر ایک امیر کبیر اور اہلِ ثروت کی یہ کوشش تھی کہ اس کے پاس ایک شاندار محل ہو۔ جس کے پیش صحن میں باغ ہو، حمام وغیرہ دیگر لوازم اس میں موجود ہوں۔ اس کے دسترخوان پر الوانِ نعمت چُنے جائیں اور اس کی زرق برق پوشاک سب لوگوں میں انگشت نما ہو۔ نیز اس کے پاس عمدہ نسل کے گھوڑوں اور راحت بخش گاڑیوں کی کمی نہ ہو۔ اور خدمت کے لئے لونڈیاں اور کمربستہ غلام حاضر باش رہا کریں۔ عصرِ حاضر کے ملوک و سلاطین اور والیانِ ریاست کے ٹھاٹھ کو دیکھ کر تم ان کی عیاشیوں اور مرافقِ حیات میں تو تمل، کرنے کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ یہ طریقِ تعیّش اُن کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے عام تمدّن اور معاشرت میں ایک لا علاج روگ پیدا ہو گیا۔ سب لوگ ان کی دیکھا دیکھی عیاشی پر مائل ہو گئے (اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ، ایک نہایت سچا حکیمانہ مقولہ ہے) اپنی حیثیت کے مطابق رعیت کے ہر ایک طبقہ میں یہ مرض پھیل گیا۔ اور اُس نے وبائے عام کی صورت اختیار کی، جس کے نباہنے سے وہ عاجز آ گئے۔

اس کے نتیجہ میں وہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ کیونکہ عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ اس کا حاصل ہونا دولتِ کثیر خرچ کرنے کے بغیر ناممکن تھا۔ اس لئے اِن ملوک و سلاطین نے اپنی رعیّت اور تجار پر اور امراء نے اپنی اسامیوں پر بھاری ٹیکس لگائے۔ اب ان غریبوں کے لئے دو راہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ علمِ بغاوت بلند کریں۔ اور تلوار اپنے ہاتھ میں لے لیں، ایسا کرنا اِن بے سر و سامان لوگوں کے امکان سے باہر تھا۔ دوسرا راستہ ان کے سامنے یہ تھا۔ کہ ان کی اطاعت اور انقیاد سے سرتابی نہ کریں۔ اور چوپایوں اور گدھوں کی سی ذلیل زندگی بسر کریں۔ جن سے کہ اُن کی مرضی کے بغیر ہل چلانے اور کنوئیں یا جھلار سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اور جن کی تھوڑی بہت

پرورش یا غور و پرداخت صرف اس لئے کی جاتی ہے۔ کہ مالکوں کی اپنی اغراض ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ بہر حال نچلے طبقہ کے لوگ اپنے اعمال اور اپنے آقاؤں کی خدمت میں اس قدر مشغول ہوتے تھے۔ کہ سعادت اخرویہ کی طرف متوجہ ہونے کی ان کو لمحہ بھر فرصت نہیں ملتی تھی۔ اگر تمہارے لئے یہ ممکن ہوتا۔ کہ تم ان کے کسی طویل و عریض صوبہ کا جائزہ لو۔ تو تمہیں صوبہ بھر میں کوئی ایسا آدمی دکھائی نہ دیتا۔ جس کے اندر دینی جذبہ موجود ہو۔

اس عیاشانہ نظام کو قائم رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا۔ کہ اس قسم کے لوگ موجود ہوں۔ جو ان کے لئے انواع واقسام کے کھانے تیار کریں۔ ان کے لئے مختلف فیشن کے کپڑے اور دیگر سامانِ زینت و آرائش بنائیں۔ اور ان کے لئے بڑے بڑے شاندار محلات اور مکانات تعمیر کریں۔ چونکہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد اِن لایعنی اشغال میں مصروف ہوگئی تھی۔ اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ بہت سے ایسے ضروری پیشے متروک ہو جائیں۔ جن کا وجود اصل تمدن کے لئے ناگریز تھا۔ مزید براں جیسے کہ پہلے بھی ضمناً مذکور ہوا۔ جن لوگوں کا تعلق طبقہ امراء اور اہلِ ثروت سے تھا۔ اُن کے دلوں میں یہ شوق موجزن تھا۔ کہ ہم بھی بڑے پیمانہ پر نہ سہی۔ کم از کم چھوٹے پیمانہ پر ان سے ملتی جلتی طرزِ معاشرت اختیار کریں۔ بصورت دیگر ہم ان کی نظروں میں نہیں جچیں گے۔ اور وہ ہمیں ذلیل و حقیر سمجھیں گے۔ (آج بھی تم اس حالت کو اپنے ملک میں بچشم خود دیکھ سکتے ہو) اس صورتِ حال کے پیدا ہونے پر سب کی خواہش یہ ہوتی تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح دامن حکومت سے وابستہ ہوں۔ اور جس طرح بھی ممکن ہو حکومت کے خزانہ سے کچھ پا کر اپنی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ ان کی ایک کثیر تعداد تو اس قسم کی تھی۔ جنہوں نے گورنمنٹ سروس کو اپنا مقصد قرار دے دیا تھا۔ فوجی خدمت اور دیگر اعمالِ حکومت کے فرائض انجام دے کر تحصیلِ معاش کرتے تھے۔ اور اسی کو کمال سمجھتے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ بات نہیں ہوتی تھی

کہ حکومت کی مشینری احسن طریقہ پر کام کرے۔ اور نظامِ تمدّن کو بہترین صورت پر قائم رکھا جائے۔ ان کا مقصد پیسے بٹورنا۔ اور اپنی جیبیں پُر کرنا ہوتا تھا۔ بعض ان میں سے شعر گوئی کو اپنا پیشہ بنا لیتے تھے۔ اور قصائدِ مدحیہ کہہ کر سرکاری خزانہ پر بوجھ ڈالنے کا باعث ہوتے۔ بعض لوگ زہد و پارسائی کے بہانہ سے حکومت و عمالِ حکومت اور عام لوگوں سے نذرانے اور شکرانے وصول کرنے کا دام بچھا لیتے۔ بالفاظِ دیگر یہ جماعت بھی حکومت اور سوسائٹی کی پیٹھ پر ایک بارِ گراں تھی۔ عام طور پر ملوک و سلاطین اور اربابِ اقتدار سے قرب حاصل کرنا، اور طرح طرح سے ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرنا ایک ہمہ گیر وبا تھی۔ اس کو ایک فن کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے متعلق نکتہ آفرینوں میں وہ اپنا وقت عزیز ضائع کرتے تھے۔ اس سے لوگوں کی ذہنیتیں بدل گئیں، ان کے دل و دماغ میں خسیس ہئیات اور ملکات راسخ ہو گئے۔ اور اخلاق فاضلہ کو وہ بھول گئے۔" (۱)

یہ تو تھا مہذّب ممالک کا حال اب صحرائے عرب کے غیر متمدّن اور غیر مہذّب بادیہ نشینوں کا حال سنیئے :۔

قرآن حکیم نے اہلِ عرب کے دَورِ جاہلیّت کو "ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ" (صریح گمراہی) سے تعبیر کیا ہے۔ عقائد و نظریات کی تمام خرابیاں، گفتار و کردار کی تمام پستیاں آپ کو اس زمانہ کی تاریخ میں بدرجۂ کمال ملیں گی۔ ان کی مذہبی زندگی کا ہر پہلو وحشیانہ و سفاکانہ تھا۔ قتل و خون ریزی، ڈاکہ و رہزنی، شراب نوشی، و قمار بازی، زناکاری و عصمت دری، اِن کے محبوب ترین مشاغل تھے۔ ایک دوسرے کے سامنے ننگا ہونا کوئی شرم کی بات نہ تھی۔ حتیٰ کہ عربوں کی عورتیں برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتی تھیں۔ عکاظ کے میلے پر "مینا بازار" لگتے تھے۔ مرد و زن

(۱) حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل مترجم اردو ص ۵۲۴ تا ص ۵۲۶

کا آزادانہ اختلاط ہوتا تھا۔ رؤسائے عرب اپنی زندہ لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کر دیتے تھے۔ تاکہ کوئی اُن کا داماد نہ بنے۔ دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے اپنے لڑکوں کو ذبح کر کے چڑھاوا چڑھا دیتے تھے۔ یہ سفاکانہ قابلِ نفرین رسومات نہ صرف عرب میں تھیں۔ بلکہ دوسری اقوام میں بھی رائج تھیں۔ رومتہ الکبریٰ کے متمدّن قانون میں بھی اولاد کے مار ڈالنے کا باپ کو بالکل اختیار تھا۔[1] باپ کے مرنے کے بعد بیٹیا سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا تھا۔ اخلاق اور شرافت کو سرزمینِ عرب سے دھکے دے کر باہر نکالا جا چکا تھا۔ حضرت جعفر طیّار رضؓ کی مندرجہ ذیل تقریر جو آپ نے شاہ نجاشی کے بھرے دربار میں کی تھی۔ عربوں کے دورِ جاہلیت کی مکمل تصویر ہے۔ آپ نے فرمایا :-

" اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو پُوجتے تھے۔ نجاست میں آلود تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بے ہودہ بکا کرتے تھے۔ ہم میں انسانیت اور سچّی مہمان داری کا نشان نہ تھا۔ ہمسایۂ کی رعایت نہ تھی۔ کوئی قاعدہ اور قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا، جس کے حسب و نسب، سچّائی، دیانت داری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اُس نے ہم کو توحید کی دعوت دی۔ اور سمجھایا کہ اُس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔ اُس نے ہم کو پتھروں کی پُوجا سے روکا۔ اُس نے فرمایا۔ کہ ہم سچ بولا کریں۔ وعدہ پورا کریں۔ صدقہ دیا کریں۔ اور روزے رکھا کریں۔ ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے۔ قوم نے جہاں تک ہوسکا۔ ہم کو ستایا۔ تاکہ ہم وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ کی عبادت کرنا چھوڑ دیں۔ اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے اُن کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اُٹھائی ہیں،

(۱) تاریخ اخلاق یورپ جلد اوّل ص ۲۲۵

اور جب مجبور ہو گئے۔ تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں۔[1]

جناب ماہر القادری نے اس تقریر کو یوں نظم کیا ہے ؎

سراپا مبتلائے جہل تھے ہم — نہ مرکز تھا نہ کوئی ربط باہم
بتوں کو پتھروں کو پوجتے تھے — خدائے جز و کل سے پھر گئے تھے
ہمارا شغل تھا، بے ہودہ گوئی — ہوا ہم سے نہ کارِ نیک کوئی

ہماری زندگی ظلم و شرارت
کہ تھے آلودۂ شرک و نجاست

ہمارا کام تھا مُردار خواری — کہ تھے ہم دشمنِ ایمان داری
ہماری قوم بالکل بے سری تھی — کہیں چوری کہیں غارت گری تھی
پریشاں مضطرب ہم سب کے سب تھے — کسی قانون کے پابند کب تھے

کیا مبعوث حق نے اک نبیؐ کو
ضرورت جس کی تھی زندگی کو

وہ ہم میں ہی سے اِک فردِ بشر ہے — مگر ہاں! صاحبِ فہم و نظر ہے
ہم اس کی زندگی کو جانتے ہیں — کہ بچپن سے اُسے پہچانتے ہیں
وہ ہے، اک پیکرِ صدق و امانت — بہت ہی نیک باطن، پاک طینت

ہے اُس کی زندگی بے داغ و سادہ
وہ سچّا ہے، زیادہ سے زیادہ

سبق توحید کا ہم کو سکھایا — کہ سیدھا راستہ اُس نے بتایا
کہا اُس نے کہ ذاتِ حق کو پوجو — بنو انسان بُری باتوں کو چھوڑ دو
نہیں حق کے سوا معبود کوئی — پرستش چھوڑ دو لات و ہُبل کی

(۱) رحمۃ اللعالمین جلد اوّل از قاضی محمد سلیمان منصور پوری بحوالہ سیرت ابن ہشام ص ۱۱۶

دِل آزاری کسی کی بھی نہ چاہو
کیا ہے، وعدہ تو اُس کو نبا ہو
سدا آپس میں رل مل کر رہو تم بُرائی سے بچو نیکی کرو تم،
رکھو روزے پڑھو دل سے نمازیں کرو پوری غریبوں کی مُرادیں
ہمیشہ سے تھی، جو غدار و خودسر بگڑ بیٹھی ہماری قوم اس پر
ہمیں کیا، خود نبیؐ کو بھی ستایا
جو ممکن ہو سکا وہ ظلم ڈھایا
مصائب پر مصائب سہہ چکے ہیں بہت مظلوم بن کر رہ چکے ہیں
پیغمبرؐ کو ستاتے ہیں یہ ظالم ہنسی اُن کی اُڑاتے ہیں یہ ظالم
مظالم سہتے سہتے چُور ہو کر ہم آئے ہیں یہاں مجبور ہو کر
یہاں کچھ امن کی صورت تو ہو گی
کسی انسان میں غیرت تو ہو گی'
کہا شہ نے ذرا نزدیک آؤ مجھے قرآن تو پڑھ کر سناؤ
پڑھیں جعفرؓ نے آیاتِ الٰہی نہ تھا اُن پر ذرا بھی رُعب شاہی
کلامِ حق تھا جعفرؓ کی زباں تھی محمدؐ کی ہدایت درمیاں تھی
خدا کی آیتیں تاثیر بن کر
ہوئیں پیوست دل میں تیر بن کر
کہا یہ شاہ نے باچشمِ گریاں محمدؐ ہیں وہی ختمِ رسولاں
خبر جن کی ہمیں عیسیٰؑ نے دی ہے مواعظ میں بہت تعریف کی ہے
میں جن کا ذکر سنتا تھا یہی ہیں محمدؐ ہی رسولِ آخری ہیں
اگرچہ ہے تعارف غائبانہ
زہے قسمت ملا اُن کا زمانہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عربوں کی بگڑی ہوئی حالت کا حسب ذیل خاکہ پیش کیا ہے :-

" اہلِ جاہلیّت کا دستور تھا۔ کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی کو قتل کر دیتا تو مقتول کے وارث اس بات کا لحاظ کبھی نہیں کرتے تھے۔ کہ اس کے بدلے میں صرف قاتل کو قتل کیا جائے۔ بلکہ اس قبیلہ یا خاندان کے جس فرد پر بھی اُن کا بس چل جاتا۔ اُس کے قتل کر دینے سے وہ دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس پر قاتل یا یوں کہیئے اس دوسرے مقتول کا قبیلہ پھر انتقام پر آمادہ ہوتا۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا۔ جس سے بعض اوقات قبیلے کے قبیلے فنا ہو جاتے (داحس کی لڑائی اس کی ایک مشہور مثال ہے۔ ایک اونٹنی کے کسی کی چراگاہ میں چھوڑ دینے سے اس کی ابتداء ہوئی۔ اور چالیس سال تک دونوں حریف قبائل میں جنگ برپا رہی۔ جس کے شعلوں نے ہر دو فریق کو بھسم کر ڈالا) جملہ قبائل میں غصب (ڈاکہ) اور سود خوری کا مرض عام تھا۔ اس سے ہر قسم کے جھگڑے پیدا ہوتے تھے۔ اور کئی پشتوں ان جھگڑوں کا کوئی دو ٹوک فیصلہ نہیں ہوتا تھا۔ سود خوری کی یہ کیفیت تھی کہ ایک شخص مثلاً قرض لے کر ایک مقررہ شرح سود ادا کرنے کا اقرار کرتا۔ کچھ مدت کے بعد اصل قرضہ مع سود اصل قرار دے کر اس پر از سر سود لگا دیا جاتا۔ اسی طرح سود کی رقم اصل قرضہ سے کئی گنا بڑھ جاتی۔ اسی قسم کی بہت سی دیگر رسوم اور معاملات تھے۔ جن کی وجہ سے سوسائٹی میں کئی قسم کی شدید خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں " (۱)

(۱) حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل مترجمہ اردو ص ۵۲۷، ۵۲۸

دوسرا باب

بعثتِ نبویؐ اور اُس کے بعد

تاریکی وجہالت کے اس ماحول میں فاران کی چوٹیوں سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ اور خدا کے آخری پیغمبر اور کامل واکمل رسول ؐ کا ظہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے . . . . . . اپنے فرستادہ جبرائیل علیہ السّلام کے ذریعہ اپنے محبوب نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے نام پیغام بھیجا:-

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۚ

"پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے — بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے سکھایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا"

نزولِ آیاتِ قرآن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں یکایک انقلاب پیدا ہوگیا۔ سینہ مبارک میں نورِ خداوندی کا بحرِ بیکراں موجیں مارنے لگا۔ حضورؐ نے اپنے تئیں ایک عظیم ترین ذمّہ داری کو سنبھالنے کا احساس فرمایا۔ حضورؐ غار سے نکل کر گھر تشریف لائے۔ اور اپنی غم گسار رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اس انقلابِ حال کا اظہار فرمایا۔ تو پندرہ سال کی رفاقت اور علاقہ زوجیّت کی بناء پر واقفیّتِ حال بیوی نے فرمایا: "اللہ کی قسم! اللہ تعالےٰ آپؐ کو کبھی ناکام نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ صلۂ رحمی کرنے والے، مہمان نوازی کرنے والے اور مصیبت زدوں کی اعانت کرنے والے ہیں"

اس کے بعد خدائے قدّوس کی طرف سے آپ کو حکم دیا گیا کہ :۔

يَاۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

(پارہ ۲۹ رکوع ۱۵)

اے لحاف میں لپٹنے والے۔ کھڑا ہو۔ پھر ڈر سنا دے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول۔ اور اپنے کپڑے، پاک رکھ اور گندگی سے دُور رہ،

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے :۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝

(پارہ ۱۹ رکوع ۱۵)

اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو۔

پھر یہ پُرجلال آواز آتی ہے :۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝

(پارہ ۱۴ رکوع ۶)

سو سُنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہُوا۔ اور پرواہ نہ کر مشرکوں کی،

آپؐ نے اِن احکاماتِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے، اپنے خاندان کے لوگوں کو پیغام دیا۔ قریش کے دوسرے قبیلوں کے پاس جاکر پیغامِ حق سُنایا۔

پیغامِ حق کا خلاصہ

حضور بابی و اُمیؐ نے لوگوں کو بار بار یہی بتایا کہ :۔

"جن بتوں کو تم اِلٰہ سمجھے ہو۔ اور اُن کے آگے جھکتے ہو۔ یہ سب بے حقیقت چیزیں ہیں۔ انہیں چھوڑ دو۔ ایک اللہ کے سوا اور کوئی اِلٰہ نہیں۔ اللہ ہی صرف اِلٰہ ہے۔ عبادت اور اطاعت صرف ایک اللہ ہی کی کرو۔ اس کے سوا اور کوئی بھی اس قابل نہیں کہ تم اس کے آگے سر جھکاؤ۔ رات اور دن۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہیں۔ نہ سورج کو

سجدہ کرو نہ چاند کو اور نہ کسی اور نمونۂ قدرت کو۔ سجدہ صرف اللہ کو کرو۔ جس نے اِن سب چیزوں کو بنایا ہے۔ وہی رزق دینے والا ہے وہی مارنے والا ہے اور جلانے والا ہے۔ سب کو چھوڑ کر اس کی بندگی کرو۔ سب کو چھوڑ کر اسی کا حکم مانو اور اُسی کے آگے سر جھکاؤ۔"

مولانا حالی نے اس اعلانِ توحید کا خوب ترجمہ کیا ہے ؎

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق　　زباں اور دِل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق　　اُسی کی ہے، سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لَو اپنی اُس سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ
اُسی پر بھروسہ ہمیشہ کرو تم،　　اُسی کے سدا عشق کا دَم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم　　اُسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرّا ہے، شرک سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

آپ نے فرمایا :-

"اللہ تعالیٰ نے تم سب کو ایک مرد (آدمؑ) اور ایک عورت (حوّا) سے پیدا کیا۔ اور تمہارے خاندان اور قبیلے اِس لئے بنائے ہیں کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (اور بس) یقیناً صاحبِ عزّت تو وہی ہے۔ جو زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے میرے پروردگار نے بُرائی کے سب کاموں (جو کھلے ہوں یا چھپے ہوں) اور ناحق زیادتی کو منع فرمایا ہے۔ زنا کے پاس بھی مت جاؤ۔ یہ بہت بے حیائی اور گندہ کام ہے۔ وعدہ خلافی نہ کرو۔ وعدہ کی بازپرس ہو گی۔ امانت میں عمداً بد دیانتی نہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کر دیا کرو۔ چغل خوری اور بہتان تراشی سے بچتے رہو۔ ایک دوسرے کے ٹٹول میں نہ رہا کرو۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ چوری، لُوٹ مار۔ قتل و خون ریزی اور ظلم و استبداد جو تم

کرتے ہو، یہ سب گناہ ہیں، انہیں چھوڑ دو۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ سیدھی ترازو تولو۔ بغض، کینہ اور غضب کو سینوں سے نکال دو۔ عفو، و درگزر اور محبّت و ہمدردی کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرو۔ سچ بولو اور ہر معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لو۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو۔ فخر و غرور سے بچے رہو۔ اللہ تعالےٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا نے جو دیا ہے، اُس پر اتراؤ نہیں۔ بدزبانی، فحش کلامی، طنز و تشنیع اور لعنت بھیجنا گناہ ہے۔ مرنے کے بعد تم سب کو اپنے خدا کے پاس حاضر ہونا ہے۔ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے اعمال کا اللہ کے دربار میں جوابدہ ہے۔ وہ خدا جو سب کو دیکھتا ہے۔ اور جانتا ہے تم کوئی چیز اس سے چھپا نہیں سکتے۔ خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔ تنگ و تاریک غاروں میں بھی اگر کوئی جرم کسی سے سرزد ہو جائے۔ تو اللہ تعالےٰ اسے بھی دیکھ رہا ہے۔ تمہاری زندگی کے سارے کارنامے اس کے سامنے بے کم و کاست پیش ہوں گے۔ اور اس لحاظ سے وہاں نیک و بدؔ کا انجام کا فیصلہ ہوگا۔ اس عادلِ حقیقی کے ہاں نہ کوئی سفارش کام آئے گی نہ رشوت چلے گی۔ نہ کسی کا نسب پوچھا جائے گا۔ وہاں صرف ایمان و عمل کی پوچھ ہوگی۔ جس کے پاس یہ سامان ہوگا۔ وہ جنت میں جائے گا۔ اور جس کے پاس ان میں کچھ بھی نہ ہوگا۔ وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ اور والدین میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں۔ تو اُن کے آگے ہُوں بھی نہ کرنا۔ اور نہ اُن کو جھڑکنا اور نہ اُن سے کچھ کہنا۔ اور محبّت سے خاکساری کا پہلو اُن کے آگے جھکاتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے۔ اور میرے اوپر رحم کیا ہے۔ اسی طرح تو بھی اُن پر رحم کیجیو۔ اور رشتہ دار۔ غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو۔ اور دولت کو بے جا مت اڑاؤ۔ کیونکہ بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے،

اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑو، کہ گویا گردن میں بندھا ہے۔ اور نہ بالکل اس کو پھیلا ہی دو۔ اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ اولاد کا جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ جو شخص ظلم سے مارا جائے۔ تو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا اختیار دیا ہے تو اس کو چاہیئے۔ کہ خون کا بدلہ لے۔ اسی میں اُس کی جیت ہے۔ اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچ لیں۔ اُن کے مال کے پاس بھی نہ جانا۔ جس بات کا تجھے علم نہیں اُس کے پیچھے نہ ہولیا کر۔"

اس پیغام کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے گذشتہ اُمتوں اور انبیاء کرام کے سچے واقعات دلنشین اور مؤثر انداز میں سنائے۔ کہ ازمنہ سابقہ میں متاع دنیا کے غرور میں آکر گزشتہ قوموں نے جب اللہ تعالیٰ کے پیغام سنانے والوں کی تکذیب کی۔ تو اُن کا دُنیا میں کیا انجام ہوا؟

ایذادہی منجانب کفّار

شرک و عصیان اور کفر و طغیان کی فضا میں یہ نعرۂ توحید قوم کو عجیب معلوم ہؤا۔ جاہل قوم دشمن ہو گئی۔ جس پاک و شریف اللسان کو اس سے پہلے چالیس سال تک "امین" اور "صادق" کہہ رہی تھی۔ اس کلمۂ حق کے زبان سے نکلتے ہی ان باتوں کو جھٹلانے لگی۔ اس کو گالی دے رہی تھی۔ پتھر مار رہی تھی۔ ہر طرح کے ظلم و ستم توڑ رہی تھی۔ قدم قدم پر رکاوٹیں ڈال رہی تھی۔ متواتر تیرہ برس تک اس پیغام کو پھیلانے سے روکتی رہی۔ لیکن حق کی آواز کسی ظالم کے دبانے سے نہیں دبتی۔ اس لئے یہ آواز باوجود انتہائی کوششوں کے نہ دب سکی۔

حضورؐ کا استقلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہر طرح کی تکالیف کو صبر و استقامت اور پیغمبرانہ عزیمت کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ لیکن تبلیغ اسلام میں کوئی کمی نہ آنے

دی۔ حق کی اس دعوت نے سعید روحوں کو اپنی مقناطیسی کشش سے کھینچا اور صدیقؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ، سعید بن زیدؓ، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور دوسرے "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" اسلام کے جانثار اور سچے عاشق بن گئے۔ تیرہ سال تبلیغ کی پاداش میں کفار قریش کے مظالم برداشت کرنے کے بعد بحکم خداوندی آپؐ نے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں سے آپؐ کی دعوت کی اشاعت ہوتی رہی۔ وہاں پناہ لینے اور اپنے آبائی وطن (مکہ) سے ہجرت کرنے کے بعد اپنی قوم نے انہیں دم لینے نہ دیا۔ وہاں بھی انہیں ہر طرح ستاتی رہی اور پورے عرب کو اُن کے خلاف ابھارتی رہی۔ اور پورے آٹھ برس تک اُن کے خلاف تلوار اُٹھا کر لڑتی رہی۔ مگر آپؐ نے اِن سب آزمائشوں کے باوجود اپنے نصب العین کو نہیں چھوڑا اور روزِ اوّل توحید کا جو نعرہ بلند کیا تھا۔ اخیر دم تک وہی نعرہ بلند کرتے رہے۔

دعوتِ اسلام کی کامیابی

حتیٰ کہ آپؐ کی دعوت کامیاب ہوگئی۔ اعدائے اسلام کو خائب و خاسر ہونا پڑا۔ صلحاء اور مومنین کاملین کی ایک بڑی جماعت مرتب ہوگئی۔ جو اس قابل تھی کہ اب وہ جزیرۃ العرب سے نکل کر تمام دنیا کو حق کا پیغام سُنا دے۔ اور اقوامِ عالم کی امامت کر سکے۔ آپؐ نے خداشناس افراد کو مجتمع اور منظم کرنے کے بعد خلافتِ الٰہیہ کی بنیاد رکھ دی۔ اور مدینہ کی چھوٹی سی ریاست کو فسق و فجور کی امامت سے نجات دلائی۔ آپؐ نے زندگی میں صحابہ کرامؓ کو آئین اسلامی کے کلیّات سمجھائے خداوندی نظامِ اطاعت کو تمام قانون سازیوں اور دوسری اطاعتوں پر غالب رکھنے کی تاکید فرمائی۔ اور آپؐ فریضۂ نبوّت کو کَمَا یَنْبَغِی سرانجام دے کر واصل بالحق ہوگئے۔ اور رفیقِ اعلیٰ سے جا کر ملے۔ اور ہماری جسمانی آنکھوں سے آپؐ کا جسمانی وجود اوجھل ہوگیا۔ اور آپؐ کی ضیا پاشیوں اور روحانی فیوضات و برکات

سے دنیا اب بھی مستفیض و مستنیر ہے اور قیامت تک رہے گی ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو، آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰؐ او را بہا ست یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰؐ ست

اسلامی انقلاب کے نتائج

غلطی سے تاریخ نگاروں نے غزوات کو اتنا نمایاں کر دیا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں، عرب کا یہ انقلاب لڑائیوں سے ہوا۔ حالانکہ آٹھ سال کی تمام لڑائیوں میں جن سے عرب جیسی جنگجو قوم مسخر ہوئی۔ طرفین کے جانی نقصان کی تعداد ہزار بارہ سو سے زیادہ نہیں ہے۔ انقلابات کی تاریخ اگر آپ کے پیشِ نظر ہے۔ تو آپ کو تسلیم کرنا ہوگا، کہ یہ انقلاب غیر خونی انقلاب BLOODLESS REVOLUTION) کہے جانے کا مستحق ہے۔ پھر اس انقلاب میں فقط ملک کا طریق انتظام ہی تبدیل نہیں ہوا، بلکہ ذہنیتیں بدل گئیں۔ نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔ اخلاق کی دنیا بدل گئی۔ عادات اور خصائل بدل گئے۔ غرض ایک پوری قوم کی کایا پلٹ کر رہ گئی۔ جو زانی تھے وہ عورتوں کی عصمت کے محافظ بن گئے۔ جو شرابی تھے وہ منع شراب کی تحریک کے علمبردار بن گئے۔ جو چور اور اُچکے تھے ان کا احساس دیانت اتنا نازک ہو گیا کہ دوستوں کے گھر کھانا کھانے میں بھی اُن کو اس بناء پر تامّل تھا کہ مبادا ناجائز طریقہ پر مال کھانے کا اطلاق اس فعل پر نہ ہو جائے۔ حتٰی کہ قرآن میں خود اللہ تعالےٰ کو انہیں اطمینان دلانا پڑا کہ اس طرح کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جو ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ وہ اتنے متدین بن گئے۔ کہ ان کے ایک سپاہی کو پایۂ تخت ایران کی فتح کے موقع پر کروڑوں کی قیمت کا شاہی تاج ہاتھ لگا اور وہ رات کی تاریکی میں اپنے پیوند لگے ہوئے کمبل میں اسے چھپا کر سالار کے حوالے کرنے کے لئے پہنچا تاکہ اس غیر معمولی واقعہ سے اس کی دیانت کی شہرت نہ ہو جائے۔ اور اس کے خلوص پر ریاکاری کا میل نہ آ جائے۔ وہ جن کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، جو

اپنی بیٹیوں کو آپ اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کرتے تھے۔ ان کے اندر جان کا اتنا احترام پیدا ہو گیا کہ کسی مرغ کو بھی بے رحمی سے قتل ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ وہ جن کو راست بازی اور انصاف کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ ان کے عدل اور راستی کا یہ حال ہو گیا کہ خیبر کی صلح کے بعد جب انکا تحصیلدار یہودیوں سے سرکاری معاملہ وصول کرنے گیا تو یہودیوں نے اسکو ایک بیش قرار رقم اس غرض کیلئے پیش کی کہ وہ سرکاری مطالبہ میں کچھ کمی کر دے مگر اس نے رشوت لینے سے انکار کر دیا اور حکومت اور یہودیوں کے درمیان پیداوار کا آدھا آدھا حصہ اس طرح تقسیم کیا کہ دو برابر کے ڈھیر آمنے سامنے لگا دیئے اور یہودیوں کو اختیار دیا، کہ دونوں میں سے جس ڈھیر کو چاہیں اٹھا لیں۔ اس نرالی قسم کے تحصیل دار کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر یہودی انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور بے اختیار ان کی زبانوں سے نکلا کہ اسی عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ اُن کے اندر وہ گورنر پیدا ہوئے جو گورنمنٹ ہاؤسوں میں نہیں، بلکہ رعایا کے درمیان انہی جیسے گھروں میں رہتے تھے۔ بازاروں میں پھرتے تھے۔ دروازوں پر دربان نہ رکھتے تھے۔ رات دن میں ہر وقت جو چاہتا تھا اُن سے انٹرویو کر سکتا تھا۔ اُن کے اندر وہ قاضی پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے ایک یہودی کے خلاف خود خلیفۂ وقت کا دعویٰ اس بناء پر خارج کر دیا، کہ خلیفہ اپنے غلام اور اپنے بیٹے کے سوا کوئی گواہ پیش نہ کر سکا۔ ان کے اندر وہ سپہ سالار پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے دورانِ جنگ میں ایک شہر خالی کرتے وقت پورا جزیہ یہ کہہ کر اہلِ شہر کو واپس دے دیا۔ کہ ہم اب تمہاری حفاظت کرنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا جو ٹیکس ہم نے حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا تھا اسے رکھنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اُن میں وہ سفیر پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے سپہ سالار ایران کے بھرے دربار میں اسلام کے اصولِ مساواتِ انسانی کا ایسا مظاہرہ کیا اور ایران کے طبقاتی امتیازات پر ایسی برمحل تنقید کی کہ خدا جانے کتنے ایرانی سپاہیوں کے دلوں میں اس مذہب انسانیت کی عزت و وقعت کا بیج اسی وقت پڑ گیا ہو گا۔ ان میں وہ شہری پیدا ہوئے۔ جن کے اندر اخلاقی ذمہ داری کا احساس اتنا زبردست تھا

کہ جن جرائم کی سزا ہاتھ کاٹنے اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کی صورت میں دی جاتی تھی۔ اُن کا اقبال خود آ کر کرتے تھے۔ اور تقاضا کرتے تھے۔ کہ سزا دے کر انہیں گناہ سے پاک کر دیا جائے۔ تاکہ چور یا زانی کی حیثیت سے خدا کی عدالت میں نہ پیش ہوں، اُن میں وہ سپاہی پیدا ہوئے جو تنخواہ لے کر نہیں لڑتے تھے۔ بلکہ اس مسلک کی خاطر جس پر وہ ایمان لائے تھے۔ اپنے خرچ سے میدانِ جنگ میں جاتے اور پھر جو مالِ غنیمت ہاتھ لگتا۔ وہ سارا کا سارا لا کر سپہ سالار کے سامنے رکھ دیتے۔ کیا اجتماعی اخلاق اور اجتماعی ذہنیّت کا اتنا زبردست تغیّر محض لڑائیوں کے زور سے ہو سکتا تھا؟ تاریخ آپ کے سامنے موجود ہے۔ کہیں آپ کو کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ تلوار نے انسانوں کو اس طرح مکمل طور پر بدل ڈالا ہو؟" (۱)

پیغمبرِ مساواتؐ

تہذیبِ جدید کی بدولت جو نئے الفاظ ہم تک پہنچے ہیں۔ اِن میں "حریت" "مساوات" اور "اخوّت" اپنے اندر خاص جذب اور کشش رکھتے ہیں۔ دنیا کا ہر فرد ان الفاظ کو روزانہ استعمال کرتا۔ اور انہیں اپنا وظیفۂ حیات تصوّر کرتا ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ الفاظ ابھی تک شرمندۂ معنی نہیں ہوئے۔ آج کی "روشن خیال"، "متمدّن" اور اور سیکولر حکومتیں ان الفاظ کی حقیقی تفسیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

مساوات آج دنیا کی سیاسی اور اقتصادی کشمکش کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ جس نے بڑے بڑے مفکّرین اور سیاسی قائدین کی توجہ اپنی طرف مبذول کر رکھی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ دنیا کی تمام مصیبتوں اور انسانیّت کی تمام بلاؤں کا حل اسی ایک لفظ میں مضمر ہے۔ مگر اس کے باوجود دنیا مساوات سے کوسوں دُور بھاگ رہی ہے۔ گو سیاسی پلیٹ فارموں پر کھڑے ہو کر تہذیبِ جدید کے علمبردار بنی نوعِ انسان کے حقیقی خیر خواہ

(۱) مسلمان اور سیاسی کشمکش از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ص ۲۳۸

اور امن و امان کے پرستار بن کر بیانگ دہل اس چیز کا اعلان کرتے ہیں، کہ ہماری ملک گیری کی غرض د غایت دنیا اور انسانیت کو دُکھوں سے نجات دلانا، کالے اور گورے کی تمیز مٹانا، اور تمام انسانوں کو معاشی حقوق مساوی طور پر دلانا ہے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ بلند بانگ دعاوی کہاں تک ہمکنار عمل ہوئے ہیں اور کیا ان نعرہ بازوں کے ہاتھوں دنیا میں مساوات پھیل سکتی ہے یا نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس میں ناکام ہیں اور ناکام رہیں گے البتہ دنیا میں سچی اور حقیقی مساوات کہیں ہے اور وہ عملی زندگی میں مدد دے سکتی ہے تو وہ تاجدارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات میں ہے اور اس کی پیروی سے دنیا نجات حاصل کر سکتی ہے۔
ذیل میں پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی تعلیم مساوات سے متعلق چند تاریخی حقائق پیش کئے جاتے ہیں۔

وہ یتیم جس نے اپنا بچپن یتیمی میں گزارا۔ جس نے اپنی جوانی غربت میں گزاری، لیکن ایک غریب انسان کی طرح زندگی بسر کر کے مساوات کا ایک عدیم المثال نمونہ پیش کیا۔ یہ محمد بن عبداللہ پیغمبر اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ گرامی ہے۔ جس نے انسان کو اس کی عظمت اور شرف کا بھولا ہوا سبق اُس وقت دیا۔ جب انسانیت گمراہ رہی تھی۔ حسب و نسب کا غرور، دولت کا گھمنڈ انسان کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے کسی کو شریف اور کسی کو رذیل کے خود ساختہ اصول بنا کر خدا کی مخلوق کو تذلیل و تحقیر کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ نے اِن طبقات کی تقسیم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس میں شریف و وضیع، امیر و غریب اور عالی نسب و ادنیٰ نسب کے مراتب تجویز کئے گئے اس نے یہ اعلان کیا:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

تم میں سے معزز و مکرم وہ شخص ہے جو اپنے کردار اور سیرت میں سب سے بلند ہے اُس نے ایمان صادق اور عملِ صالح کو فضیلت اور تقدم کا ذریعہ گردانا اور فرمایا:۔

من بطاء بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ (الحدیث)

جس کے عمل نے اس کو پچھلی صفوں میں دھکیل دیا۔ اس کا نسب اس کو اگلی صفوں میں نہیں لا سکتا۔ اور فتح مکہ کے دن جب کہ تمام سرداران قریش صف بستہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑے تھے فرمایا:۔

"اے قریش! خدا نے تمہارا جاہلانہ غرور اور نخوت اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کا گھمنڈ آج ختم کر دیا (اصل بات یہ ہے) کہ سب آدمؑ کی اولاد سے ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا"۔ (طبری)

اور جمعۃ الوداع میں آخری خطبہ ارشاد فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا کو مساوات کا سبق دے گئے:۔

دیکھو! تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ پس نہ تو کسی عربی کو کسی غیر عربی پر، اور نہ کسی غیر عربی کو عربی پر فضیلت ہے۔ اور نہ کسی گورے رنگ والے کو کالے رنگ والے پر اور نہ کالے رنگ کے آدمی کو کسی گورے رنگ والے پر فضیلت ہے، مگر صرف تقویٰ سے۔ (جمع الفوائد)

قانونِ مساوات

مساوات کا مقام انسانیت کے بنیادی حقوق میں جس قدر بدیہی اور نمایاں ہے۔ دنیا اسی قدر اسے فراموش کر چکی تھی۔ اہلِ عرب کا دستور تھا، کہ اگر کسی معمولی قبیلہ کا کوئی فرد کسی دوسرے معزز قبیلہ کے کسی فرد یا بڑے سردار کو قتل کر ڈالتا تھا۔ تو اس کے قصاص میں قاتل کے ساتھ ساتھ اس کے خاندان کے متعدد بے گناہ اشخاص بھی قتل کر دیئے جاتے تھے۔ یعنی ایک صاحب جاہ و حشمت انسان کا خون معمولی انسان کے خون سے دس بیس گنا زیادہ قیمت رکھتا تھا۔ غربت و امارت کا یہی جاہلی امتیاز یہود میں بھی سرایت کر چکا تھا۔ مثلاً اگر کوئی معزز شخص زنا کے جرم میں پکڑا جاتا۔ تو اُسے چند کوڑے مارنے کی سزا دی جاتی۔ اگر کوئی معمولی حیثیت کا انسان اس جرم میں گرفتار ہوتا،

تو اُس کو پتھروں سے سنگسار کیا جاتا۔

پیغمبرِ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے جب انسانیت کے مٹے ہوئے نقوش ابھارنے شروع کئے اور قانونِ مساوات کو از سرِ نو زندہ کیا، تو اُسے اپنے نظام سیاست کا سنگِ بنیاد قرار دے کر اعلان کر دیا۔ کہ قانونِ الٰہی کی نگاہ میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ سب کے حقوق یکساں ہیں۔ حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ کہ ایک بڑے خاندان کی عورت نے چوری کی۔ بارگاہِ رسالتؐ نے حکم دیا۔ کہ اس کے ہاتھ کاٹ لئے جائیں۔ خاندانی عظمت کا فراموش تصوّر دماغ میں پھر ایک بار تازہ ہوگیا۔ لوگوں نے حضرت زیدؓ سے سفارش کرائی کہ ایک عالی النسب عورت کی یہ توہین نہ کی جائے۔ چہرہ مبارک غصّہ سے متغیّر ہوگیا، اور آپؐ نے نہایت غضبناک لہجہ میں فرمایا:۔

"کیا تم مجھ سے حدود اللہ کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ اس چیز نے گذشتہ قوموں کو ہلاک کیا۔ جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا، تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے، اور اگر کوئی غریب نادار اسی جرم کا ارتکاب کرتا۔ تو اس پر حد جاری کرتے ۔۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرے، تو میں اُس کا بھی ہاتھ کٹوا دوں گا۔" (صحیح بخاری)

دنیا ظلم و تعدّی میں مبتلا تھی۔ طاقت ور کمزوروں کو کچل رہے تھے۔ نسل و حسب کے باطل غرور کے مدعی کمزور لوگوں کو اپنا غلام سمجھ کر زندگی کے راستے ان پر مسدود کر چکے تھے کہ پیغمبر اسلام نے اعلان کیا:۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حقدار کا حق ادا کرو۔ اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو، تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔"

حضرت ابو بکرؓ کا خطبۂ خلافت

اسی فیضانِ صحبت نبویؐ اور تعلیمات اسلام کا اثر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں خاص طور سے یہ فرمایا:۔

"تم میں جو کمزور ہے۔ جب تک میں اس کام کا حق اس کو نہ دلوا دوں، وہ قوی ہے۔ اور تم میں جو طاقت ور ہے۔ جب تک میں اُس سے کمزور کا حق نہ لے لوں وہ میرے نزدیک ضعیف ہے۔"

خلفائے راشدین کی زندگیاں عدل و مساوات کے اِن عدیم النظیر اور فقید المثال کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ جو پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ظہور پذیر ہوئے

عہدِ فاروقیؓ کے چند واقعات

اسلام کے عدل و انصاف اور مساوات کے چند واقعات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ جن سے اسلام کے اُس انقلابی نظریہ کی ایک ادنیٰ جھلک آپ کو نظر آئیگی، کہ اسلام طبقات کی تقسیم قبول کرنے سے انکاری ہے۔ اسلام نے امیر و غریب، عالی نسب اور ادنیٰ نسب کے امتیاز کو قبول نہیں کیا۔ اس نے اعلان کیا۔ کہ سب انسان مساوی الاصل ہیں۔ ان میں بجز تقویٰ اور اعلیٰ کردار کے کوئی معیارِ بزرگی و خوردی نہیں ہے۔

۱۔ حضرت قدامہؓ بن مظعون ایک جلیل القدر صحابی اور حضرت عمرؓ کے سالے تھے۔ انہوں نے شراب پی لی۔ اور خود فاروقِ اعظمؓ نے قرابت اور جلالتِ شان کا لحاظ کئے بغیر اُن پر حد جاری کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں میں پھر وہی نسلی امتیاز کا جذبہ عود کرنے لگا۔ اور حضرت عمرؓ کے فیصلے کی مخالفت ہونے لگی۔ لیکن فاروقِ اعظمؓ نے جو امرِ حق کے لئے تیغ برہنہ تھے۔ فوراً اس جاہلی وسوسہ کو دُور کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھے اِن کوڑوں کے نیچے مرجانا منظور ہے۔ مگر خدا کے حضور میں حدودِ الٰہی کو توڑنے کا بار لے کر جانا گوارا نہیں۔ جلد ایک کوڑا لے آؤ۔"

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جو صحبتِ نبویؐ سے مستفیض ہوئے۔ اور آپ کی تعلیمات سے انسانی شرف و مجد کا بلند مقام حاصل کیا۔

۲۔ ایک دن سردارانِ قریش میں سے ابوسفیان اور حارث بن ہشام وغیرہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر وہاں سب سے پہلے اہلِ بدر کو جن میں حضرت صہیب رومیؓ، حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت عمارؓ بھی تھے۔ شرفِ باریابی بخشا گیا۔۔۔ ابوسفیان جنہوں نے ابھی کل تک بڑے بڑے رؤسا مکّہ کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکے دیکھا تھا۔ اس صورت کو برداشت نہ کر سکے۔ ان سے اپنے رئیسانہ افتخار کی یہ پامالی دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے نہایت چیں بہ جبیں ہو کر فرمایا۔ کیا قیامت ہے کہ اِن ناچیز غلاموں کو ملاقات کا موقع دیا جاتا ہے اور ہم بیٹھے منہ تکتے رہ جاتے ہیں، حضرت ابوسفیان اس وقت بھول گئے۔ کہ یہ اسلام کا دربار ہے۔ یہاں عزّت و عظمت اور شرف و مجد کے نظریئے، دنیوی جاہ اور خاندانی بڑائی سے نہیں اخذ کئے جاتے۔ یہاں انسانی فضل و کمال رنگ و نسل کے پلڑوں میں نہیں بلکہ تقویٰ، اعلیٰ سیرت و بلند کردار کی میزان میں تولا جاتا ہے۔ آخر کار حضرت سہیل بن عمرو نے جو ساتھ باہر کھڑے تھے سمجھایا کہ موقع حسرت کا ہے غضب کا نہیں۔ اسلام نے سب کے ساتھ تمہیں بھی بلایا تھا۔ مگر تمہاری بدقسمتی نے تمہیں پیچھے ڈال دیا۔ اور یہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

۳۔ ایک نومسلم رئیس جبلہ بن الیم غسانی فاروق اعظمؓ کے زمانے میں حج کے لئے آیا۔ اثنائے طواف میں کسی معمولی انسان سے دھکا لگ گیا۔ اس کی رئیسانہ تمکنت اس گستاخی کو گوارا نہ کر سکی۔ اور اس نے فوراً طمانچہ رسید کر دیا۔ عدالتِ فاروقیؓ میں مقدمہ پہنچا۔ تو آپ نے فیصلہ دیا کہ مظلوم اپنے ظالم کے چہرے پر اتنی ہی شدّت کا طمانچہ مارے وہ رئیس حیرت سے منہ تکتا رہ گیا۔ اُس نے کہا، مجھے تو اس اندھیر کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جس مذہب کے قانون میں شریف و رذیل کا کوئی امتیاز نہیں۔ اس پر ایمان لانا عقل کی توہین ہے۔ آخر یہ تحیّر اس کے لئے ارتداد کا باعث ہوا۔

۴- اور یہ حریت و مساوات کا نشہ تھا۔ جس نے شہنشاہِ ایران کے دربار میں جہاں دنیوی جاہ و جلال کے پر ہیبت مناظر سامنے تھے، درباری دست بستہ متادّب کھڑے تھے۔ جو آتا کورنش بجالاتا۔ زمین بوس ہوکر سجدہ بجالاتا۔ اسلام کے فرستادہ قاصدوں نے اس صورتِ حال کو بڑی حیرت و استعجاب سے دیکھا اور ان میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لئے قاصدِ اسلام گھوڑے پر سوار شہنشاہِ ایران کے دربار میں بیش قیمت قالینوں اور زرین فرش و فروش کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرتے ہوئے، اس کے تخت کے پاس پہنچ کر اپنا نیزہ گاڑ دیتا ہے اور کہتا ہے:-

"ہمارے پیغمبرؐ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنی ہمسایہ قوموں کو عدل و مساوات کی طرف دعوت دیں۔ ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلاکر خدا کی عبادت کی دعوت دیں۔ کیونکہ انسان سب آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ اور سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں"

اللہ اللہ! حق و صداقت کا کتنا جلال ہے۔ کہ شہنشاہِ ایران کے دربار میں پیغمبرؐ مساوات کے خدام اس بے باکی اور ایمانی قوت کے ساتھ عدل و مساوات کا ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

معاشی حقوق اور قانونِ مساوات

پیغمبر اسلام علیہ الف الف تحیۃ و سلام نے جب قرآنی دعوت کا آغاز کیا۔ تو اس کے اردگرد معاشیات اور اقتصادیات کا ایک خالص ظالمانہ نظام قائم تھا جس کی پوری عمارت رہزنی اور سنگدلی پر قائم تھی۔ غریب پر گویا رزق کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اس کے برعکس عیش پرست اُمراء نے غصب، ظلم، دھوکہ، فریب جبر و استبداد اور تمام ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنے اور خزانے پُر کرنے کا دستور بنا رکھا تھا۔ اسلام اس درد انگیز منظر کی تاب کب لاسکتا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ دولت کا اکتناز اور احتکار ممنوع ہے:-

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (سورہ توبہ)	"جو لوگ سونا چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں۔ ان کے لئے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے۔ تو یہی کہ دردناک عذاب کی بشارت دو۔"

اُس نے سرمایہ داری کی کھلے لفظوں میں مذمت کی اور فرمایا :۔

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ ۝ نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗ ۝ کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ۔	"وائے نامرادی ہو اُس شخص کے لئے جو (دولت کے گھمنڈ میں) طعنہ زنی، اور عیب جوئی کرتا ہے۔ جس نے مال سمیٹ کر اور گن گن کر رکھا۔ وہ

یہ خیال کرتا ہے۔ کہ اس کی دولت اس کو ہمیشہ رکھے گی۔ ہرگز نہیں (ایک وقت آئے گا) کہ وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

قیامت کے روز اس کی یہ حالت ہو گی کہ اپنی نامرادی و بدبختی کا ماتم ان الفاظ میں کرے گا :۔

مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَہْ ۝ ھَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَہْ ۝ خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ ۝ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ ۝ اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝	"میری دولت کسی کام نہ آئی۔ میری سرداری اور حکومت جاتی رہی۔ (حکم ہوگا) کہ اس کو پکڑو، پھر طوق اُس کی گردن میں ڈالو۔ پھر جہنم میں اُس کو لے جاؤ پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستّر گز ہے۔ اس کو جکڑ دو۔ یہ وہ شخص ہے کہ اس کا خدا پر ایمان نہ تھا اور

غریب و نادار انسانوں کی ضروریات خوراک وغیرہ سے بے پرواہ تھا۔"

پیغمبرِ اسلام نے جہاں ایک طرف دولت کے اکتناز کی شدید ترین مذمت کی، اس کے ساتھ دولت کی تقسیم کی ہدایت کی۔ تاکہ دولت سب میں پھیلے۔ سب

میں بٹے۔ ایک گروہ کی ٹھیکیداری نہ ہو جائے۔ سورۂ حشر میں مال کی تقسیم کا حکم دیا اور اس کی علت یہ فرمائی کہ :-

کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ ؕ	تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ دولت صرف دولت مندوں کے گروہ میں محصور ہو کر رہ جائے۔

اور حضرت معاذؓ کو جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا:-

"سب سے پہلے وہاں کے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دو اس کے بعد فریضۂ نماز ادا کرنے کی تاکید کرو۔ اُس کے بعد اُن کو یہ بتاؤ کہ خداوند تعالیٰ نے دولت مندوں کی دولت میں غرباء اور نادار لوگوں کا حق رکھا ہے۔ اسی لئے تُؤۡخَذُ مِنۡ اَغۡنِیَآءِھِمۡ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَآئِھِمۡ (بخاری و مسلم) (یعنی اِن کے دولتمندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے)

حضرت معاذؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے بعد ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بدستور یمن کے حاکم رہے۔ اور اسی اصول پر عمل کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں یمن سے واپس آ گئے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں واپس بھیج دیا۔ تو اس سال حضرت معاذؓ نے یمن سے وصول شدہ صدقہ کا تیسرا حصّہ مدینہ منوّرہ میں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا حضرت عمرؓ نے انکو لکھا کہ میں نے تمہیں اسلئے بھیجا ہے۔ کہ تم دولتمندوں سے لے کر وہاں کے غرباء اور نادار لوگوں پر تقسیم کر دو۔ حضرت معاذؓ نے جواب میں لکھا۔ یہاں کے غرباء پر تقسیم کرنے کے بعد جو بچ گیا ہے وہ بیت المال میں جمع کرنے کے لئے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ دوسرے سال حضرت معاذؓ نے یمن کے صدقات کا نصف حصّہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے وہی لکھا جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور حضرت معاذؓ نے وہی جواب دیا۔ تیسرے سال حضرت معاذ نے یمن کا سارا صدقہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ تب حضرت عمرؓ نے وہی اعتراض کیا

حضرت معاذؓ نے جواب میں لکھا۔ کہ یمن کے لوگ (اسلام کے نظامِ معاشی کی بدولت) اِس قدر خوشحال اور آسودہ ہو گئے ہیں۔ کہ ایک شخص بھی اب یمن میں ایسا نہیں رہا جسے میں صدقہ دوں "

(کتاب الاموال صفحہ ۵۹۶ - امام ابو عبید متوفی ۲۲۴ھ)

فاروقِ اعظمؓ بسترِ مرگ پر لیٹے ہوئے ہیں۔ زخموں سے چُور ہیں۔ خون تھمتا نہیں اُس وقت بھی ملّت کے غریب افراد کا فکر دامن گیر ہے۔ اور دولت کے اکتناز کے خطرات ان کے پیشِ نظر ہیں۔ مبادا زمانہ جاہلیّت کی تاریخ پھر عود کر آئے۔ اس لئے وصیّت فرماتے ہیں کہ " میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیّت کرتا ہوں کہ اِنْ یاخذ مِنْ حَوَاشِیْ اَمْوَالِھِمْ فَیَرُدَّ فِی الْفُقَرَائِھِمْ کہ دولتمندوں سے ان کی ضرورت سے زائد مال لے کر غریب و نادار لوگوں میں تقسیم کیا کرے "

(کتاب الاموال صہ ۵۹۵)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ " اللہ عزوجل نے دولتمندوں کی دولت میں غربا کا حق اس قدر فرض کر دیا ہے۔ کہ اُن کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اگر دولتمند طبقہ یہ حق ادا نہیں کرتا۔ اور غرباء، خوراک، لباس، اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے میسّر نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ کے ذمّے ہے کہ ان دولتمندوں سے محاسبہ کرے اور ان کو عذاب دے "

(کتاب الاموال صہ ۵۹۵)

رسول اللہؐ کی احادیث

۱- صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" اے ابنِ آدم! اگر اپنی ضرورت سے زائد مال ہو تو خرچ کر دے۔ تو یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تو اس کو روک لے گا۔ تو یہ تیرے لئے بُرا ہے۔ البتہ بقدرِ کفایت اور ضرورت کے تو مضائقہ نہیں" (صحیح مسلم)

۲ - حضرت ابوسعید فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپؐ نے فرمایا:-

"جس کے پاس زائد سواری ہے۔ وہ اُس شخص کو دیدے۔ جس کے پاس سواری نہیں۔ جس کے پاس زائد خوراک ہے وہ اُس شخص کو دیدے جسکے پاس خوراک نہیں۔ آپؐ نے تمام مختلف اقسام مال کا اس قدر ذکر کیا۔ کہ ہم نے سمجھا کہ ہمارا زائد از ضرورت کسی چیز پر حق نہیں۔" (صحیح مسلم)

۳ - فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ - کہ مال زکوٰۃ کے سوا بھی حق العباد ہے۔ اور آپؐ نے یہ آیت پڑھی:-

لَیْسَ الْبِرَّ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ - الایۃ (جامع ترمذی - ابن ماجہ - دارمی)

یہ آیت کریمہ سورہ بقر پارہ دوم کی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ نیکی یہ نہیں، نماز کے لئے منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی اُس شخص کی ہے۔ جو اللہ پر ایمان لائے۔ قیامت کے دن پر ایمان لائے۔ فرشتوں۔ آسمانی کتابوں اور تمام پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور مال کی محبّت کے باوجود رشتہ داروں یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دے۔ اور گردنیں چھڑانے۔ (مقروض کے قرض ادا کرنے۔ غلام کے آزاد کرنے۔ اور قیدی کو رہا کرنے) میں مال خرچ کرے۔ اور نماز کو خوب درستی کے ساتھ پڑھے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور جو لوگ عہد دپیمان کے بعد عہد کو پورا کریں۔ اور سختی تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر کریں۔ یہی لوگ سچّے مسلمان ہیں۔ اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

ان آیات واحادیث و آثار صحابہؓ سے معلوم ہوا۔ کہ اسلام کی روح دولت کے اکتناز و احتکار کے خلاف ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی گروہ کی ٹھیکیداری میں آجائے۔ یا سوسائٹی میں ایسا طبقہ پیدا ہوجائے۔ جو دولت کو خزانہ بنا کر جمع کرے بلکہ وہ چاہتا ہے۔ کہ دولت ہمیشہ سیر و گردش کرتی رہے۔ اور زیادہ سے زیادہ

تمام افراد قوم میں پھیلے اور منقسم ہو۔ اور جن کے پاس مال و دولت ان کی ضرورت سے زائد ہو۔ وہ غریب اور نادار لوگوں کی خوراک، لباس، مکان اور دیگر ضروریاتِ زندگی پر خرچ کریں۔ اگر زکوٰۃ اس بارہ میں ناکافی ہو تو زکوٰۃ کے علاوہ بھی اُن کو خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر امراء فرض کو ادا نہ کریں۔ تو حکومت کا فرض ہے، کہ جبراً اُن سے وصول کرے اور غرباء کی ضروریاتِ زندگی مہیّا کرے (۱)

---

(۱) حضرت مولانا سیّد محمد داؤد صاحب غزنوی کے ایک محققانہ و عالمانہ مقالہ سے ماخوذ۔

تیسرا باب

سرکارِ دو عالمؐ کی شان از روئے قرآن

قرآنِ حکیم اور سیرت رسولِ کریمؐ

؎ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

سرکارِ دو جہان، باعثِ تخلیق انس وجہان، سرورِ کائنات۔ خلاصۂ موجودات، احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور خصائص ستودہ کا اظہار انسانی قوت سے باہر ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف نامی مداحوں تک سے نہ ہوسکی۔ اور وہ بھی یہ کہہ کر چُپ ہوگئے :۔

"خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست"

اگر بہت کہہ سکے تو صرف اتنا کہ :۔

"بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر"

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (پارہ ۱۶ رکوع ۲)

ترجمہ :۔ (اے پیغمبرؐ !) "اعلان کردے اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں، تو سمندر کا پانی ختم ہوجائیگا

مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی، اگر ان سمندروں کا ساتھ دینے کے لئے ویسے ہی سمندر اور بھی پیدا کر دیں تب بھی وہ کفایت نہ کریں۔"

یہودیوں نے فخریہ طور پر کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ توحید ورسالت کی جو باتیں ہمارے سامنے بیان کرتے ہیں۔ ہماری معلومات ان سے کہیں زیادہ ہیں، اس لئے کہ ہمارے پاس تورات ہے جس میں علوم و معلومات کا خزینہ موجود ہے، رب ذوالجلال والاکرام کی طرف سے ان کی لاف زنی کی تردید کی گئی۔ اور ارشاد فرمایا گیا۔ کہ اے میرے محبوبؐ! تم ان ہرزہ سرایوں سے فرمادو۔ کہ تمہیں تورات کے پیش کردہ علوم پر فخر ہے۔ میرے رب کے احسانات، انعامات، ارشادات اور کلمات تو اس قدر لامتناہی ہیں۔ کہ دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلم ہوجائیں۔ تمام مخلوق لکھنے میں منہمک ہو جائے۔ تو سمندر خشک ہوجائیں درخت ختم ہوجائیں۔ مخلوق کی عمریں لکھتے لکھتے تمام ہو جائیں۔ مگر خدائے رحیم و کریم کے اوصاف ختم نہ ہوں گے۔ پھر اسی طرح دوسرے سمندر سیاہی بنیں۔ دوسرے درخت اُگیں اور قلم بنائے جائیں۔ دوسرے جن وانس لکھنے والے پیدا ہوں اور متحدہ کوشش سے اوصاف الٰہی وقلمبند کرنا چاہیں تو بھی ناکام رہیں اور اوصافِ باری تعالےٰ بدستور باقی رہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ منجملہ کلماتِ الٰہی قرآن حکیم ہے۔ جس نے ببانگ دہل اعلان فرمایا:۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ٥ (پارہ۔ رکوع ۱۳)

ترجمہ:۔ "اور کوئی نہ ہری چیز اور نہ سوکھی چیز مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔"

توریت وزبور اور دیگر صحف انبیاء کرام علیہم السلام منسوخ ہوچکے۔ کتب قدیم میں جو کچھ ظاہری و باطنی علوم تھے، وہ سب کے سب قرآن حکیم میں آگئے۔ حضورؐ کی ذاتِ بابرکات، قرآن مجید کے تمام علوم و معلومات، تمام ارشادات و آیات اور تمام تلفظ و کلمات کا مجسمہ بنائی گئی۔ اور ارشاد باری تعالیٰ کے حسب فحواء حضورؐ کو تمام کلمات الٰہیہ کا علم عطا فرمایا گیا:۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ہ	"اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے"

(پارہ ۵ رکوع ۱۴)

الحاصل جس طرح خالقِ کائنات کی تعریف و توصیف، موجودات و مخلوقات کے عزائم و تخیلات سے وراء الوراء ہے۔ اسی طرح محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہٗ مدح و ثناء احاطہ ادراکِ انسانی سے بالاتر ہے۔ حضورؐ کے مناقب و محامد اور خصائل و فضائل ہمیشہ بیان کئے جاتے ہیں۔ بیان کیے جائیں گے۔ مگر کما ینبغی طور پر نہ بیان ہو سکتے ہیں نہ بیان میں آسکتے ہیں۔ کیونکہ جس ذاتِ گرامی کی ثناو صفت خود خالقِ کائنات بیان فرمائے اس کی توصیف میں انسان کی زبان گنگ کیوں نہ ہو جائے۔

زبانِ قدرت نے جو خصائص اپنے حبیب لبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیان فرمائے۔ عاشقانِ رسول انہیں بار بار قندِ مکرر سمجھ کر بیان کرتے ہیں۔ خود مستفیض ہوتے ہیں۔ اور اپنی زبان سے گوناگوں حلاوتوں کے ساتھ بیان کر کے مومنین کے کے ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں سیرت النبیؐ کا کتنا ذخیرہ موجود ہے۔ اس کا جواب مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان سے سنیئے :۔

لوگوں نے حیات و سیرتِ طیبۂ حضرت ختم المرسلین (صلعم) پر اس حیثیت سے بہت کم نظر ڈالی ہے۔ کہ اگر روایات و دفاتر تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف قرآن حکیم ہی کو سامنے رکھا جائے، تو آپؐ کی سیرت و حیات پر کیسی روشنی پڑتی ہے؟ اور جس طرح قرآن اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں۔ اسی طرح، اپنے حامل و مبلّغ کے وجود و حیات کے بیان میں بھی خارج کا محتاج ہے یا نہیں؟ اصحابِ سیر و محدّثین کرام نے فضائل و مدائح منصوصۂ قرآنیہ کے تو باب باندھے ہیں۔ مثلاً قاضی عیاض نے شفاء کے متعدد ابواب میں قرآن حکیم کی آیات کے متعلق فضائل

و مدائح جمع کی ہیں۔ حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس کے لئے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں۔ اور پھر نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت بلکہ صحابۂ کرامؓ کے حالات و خصائص کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے۔ صحابہؓ کی جماعت، درس گاہ، تزکیہ و تعلیم نبوۃ سے نکلی ہوئی "مومنون الاولون" کی اوّلین جماعت تھی۔ "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ" اس لئے اُن کے سوانح و ایّام بھی سیرتِ نبویّہ ہی کے مختلف اجزا ہیں۔ بلکہ ہدایات قرآنی و حکمتِ نبویؐ کے عملی و مجسم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل و آیاتِ نبوّت کے حکم میں داخل۔ پس یقیناً آپؐ کی سیرت مکمل نہ ہوتی اگر ان کے حالات بھی قرآن میں پوری شرح و تفصیل سے نہ ملتے۔

اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہورِ دعوت کی نسبت سُنا ہے۔ وہ سب کچھ بھُلا دے۔ اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے۔ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ مقدّسہ اور آپؐ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔ صرف ایک ہی قرآن اس کے لئے بس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون ہے؟ کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و بیگانہ کیسے تھے؟ قوم و مرز بوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا؟ اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی؟ اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے؟ اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اُس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے؟ اور پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا۔ تو دنیا اور دنیا داروں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظر وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرضیکہ ایک وجود و مقاصد وجود اور اعلامِ صداقت و عظمت کے لئے اُس کے

وقائعٌ "وَمَا يتعلق بها وَ ما نيا سب ذالِك" میں سے جن جن باتوں کی ضرورت ہوسکتی ہے وہ سب کچھ صرف قرآن کی زبانی دنیا معلوم کرسکتی ہے۔ اور اس بارے میں بھی قرآن اپنے سے باہر کا ابداً محتاج نہیں اور پھر یہ سب کچھ از قبیل اشارات و مرموزات نہیں ہے۔ جیسا کہ ارباب نکات و دقائق کا طریق استنباط ہے، بلکہ صاف صاف اور کھلا کھلا بیان جو فقہا کے طریق استنباط اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح و ظاہر ہے اور اگر رموز و اشارات و تلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت؟ پورے قرآن میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر نہیں ہے۔

وَ كُلٌّ اِلٰى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ!

اگر غور کیا جائے تو فی الحقیقت یہ معاملہ بھی منجملہ مہمات خصائص و اعجاز قرآن کے ہے۔ کسی پیغام کی صداقت جانچی نہیں جاسکتی۔ جب تک پیغام لانے والے کی صداقت و امانت نہ جانچی جاسکے۔ اور وہ ممکن نہیں جب تک اس کی پوری زندگی کے وقائع و اعمال دنیا کے سامنے نہ ہوں۔ پس اس اعتبار سے آج تمام عالم میں اگر کوئی صحیفۂ آسمانی ایسا ہے جو اپنے لانے والے کی زندگی کے وقائع و سوانح ہر زمانے اور ہر عہد میں خود اپنی زبانی سنا دے سکتا ہے۔ تو وہ بحکم "هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ" بجز قرآن حکیم محفوظ کے اور کوئی نہیں، اس کے علاوہ جس قدر کتب سماویہ (فِي اعْتِقَادِنَا اَوْ فِي زَعْمِهِمْ) موجود ہیں وہ یا تو اپنی صداقت کی اور ساری باتوں کی طرح اس بارے میں بھی بالکل خاموش و مظلم ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے لانے والوں کے لئے وجود کے اثبات سے بھی عاجز، اور اگر اس کی شخصیت کا ذکر کرتے بھی ہیں، تو ایسے مجہول و سراپا شکوک و ارتیابات کی شکل میں جس سے اثبات کی جگہ اور زیادہ سلب و نفی کا ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ آج دنیا میں شہرت و تواتر، نقل و حفظ و روایت و توارث اسناد و قرأت تعامل کروڑ ہا نفوس عالم نسلاً بعد نسلٍ حینًا بعد حینٍ و تلاوت

اوقات خمسہ لیل و نہار (فضلاً عَنْ تلاوتِہٖ وتدبیرہٖ فی کُلِّ حِیْنٍ وّ اٰنٍ) کے اعتبار سے صرف یہی ایک کتاب قطعی و یقینی اور محفوظ و غیر مبدّل ہے۔

اور اس لئے علی وجہ الارض اسم و علم "الکتاب" کا مستحق اور کوئی نہیں۔ تو پھر ظاہر ہے کہ جس وجود و شخصیت اور اس کی حیات و سیرت کا اثبات و اعلام اس کتاب کے اندر ہو گا، اس کے وجود و سیرت سے بڑھ کر سماء دنیا کے نیچے اور کونسی انسانی ہستی قیامت تک کے لئے اثبت و اقوم ہو سکتی ہے؟ اور دنیا اپنی ہدایت کے لئے اگر کسی انسان کے آگے جھک سکتی ہے۔ تو اس انسانیتِ کبریٰ و عبدیتِ اعلیٰ و بشریتِ واحدہ کے سوا اور کون انسان ہے۔ جس پر آنکھوں سے دیکھنے والوں کی طرح ہمیشہ یقین کیا جا سکتا ہے؟ اور جس پر ایمان لانے کے لئے پچھلی اُمتیں اور نسلیں بھی پہلوں کی طرح قطعی و یقینی روشنی رکھتی ہیں؟ اور پھر جس وجود کی سیرت و حیات قیامت تک کے لئے اس طرح محفوظ و ثبت کر دی گئی ہو۔ علاوہ ازیں اُن نقوش غیر فانی کے کے جو صفحۂ عالم پر ثبت ہیں اور جس کی زندگی کے وقائع طیّبہ کو اس طرح سورج کی دائمی روشنی اور ستاروں کی یکساں سیر و حرکت کے دامن سے باندھ دیا ہو۔ کیوں نہ اس خاکدانِ جسم و زمان میں اس کی موت و حیات یکساں ہو؟ اور کیوں اس کی دائمی حیات و قیام کے عقیدہ سے انسان کے تاریک دلوں کو انکار اور غافل روحوں کو گریز ہو؟

فی الحقیقت یہ معنے ہیں۔ دیگر صدہا معانی و حقائق ثابتہ کے ساتھ اس رفع ذکر کے۔ کہ "ورفعنا لک ذکرک" اور یہی وہ مقام ہے کہ جب اصحابِ کشف و مشاہدات کے سامنے کھلا۔ تو انہوں نے "حقیقتِ محمدیہ کے احاطۂ حیات اور عدمِ زوال و بقاء استمرار کو تمام انبیاء کرام کے حقائق و تعیّنات سے مافوق؛ اور بوجہ دائرۃ الدوائر اور مرکز ادوار تعیّنات ما بعد اور نقطۃ الحیات فی الاصل

والحقیقت ہونے کے تمام انوار تعینات و وجود کو اس کی نورانیّت کے سامنے بے فروغ و ماندہ پایا۔ اور اسی لئے شیخ اکبر نے اس کو یقین اوّل اور مورد صحیح اصطلاح "عقلِ اوّل" کا قرار دیا۔ اور پھر "انسان کامل" اور "روحِ اعظم" اور "نفسِ واحدہ" اور "قلم الاعلیٰ" اور "انوار الانوار" اور "نفس الکائنہ" سے بھی اسی کو تعبیر کیا گیا۔ کہ بلحاظ بقاء ذکر و دوام، فیضان و حیات، وہی ایک انسان کامل، روح اعظم اور النفس الواحدت والکائنہ ہے اور حیاتِ معنویہ مستمرۂ نوع وارض کی مرکزیت صرف اسی کو پہنچتی ہے اور اسی لئے قرآن حکیم نے صرف اسی وجود کو "العبد" سے تعبیر کیا ہے۔ کہ ساری عبودیتیں آنی و وقتی ہیں، مگر صرف یہی وہ عبودیتِ کاملہ وواحدہ ہے جو ہمیشہ عباد و معبود میں واسطۂ ہدایت اور ہمیشہ عبد کو معبود سے واصل کر دینے کے لئے حی و قائم ہے۔

وقال العارف البوصیریؒ:۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

اور چونکہ نوع انسانی کی سعادت و تنویر کا مرکز و منبع وجود انبیائے کرامؑ ہے اور حقیقت محمدیہ بحکم "جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا" ان سب سے مافوق اور شمس و کواکب اور صباح و مصباح کے معاملہ کا حکم رکھتی ہے۔ اس لئے حیاتِ قائمہ و دائمہ کا نور الانوار اور مصباح المصابیح صرف وہی دائرہ ٹھہرا۔ اسی لئے شیخ اکبر و جیلی نے اس کو حقیقت الاسمائیہ اور لوحِ محفوظ سے بھی تعبیر کیا۔ سبحان اللہ! یہ آخری تسمیۂ تعبیر کس درجہ ترجمانِ حقیقت وا وفق بالشرع والعقل ہے۔ دنیا میں جس قدر بھی ہدایت و تعلیم کی لوحیں تھیں، سب کے لئے تغیر و تبدّل ہوا۔ حتیٰ کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں۔ لیکن اللہ اکبر! مقام محمدی کی محفوظیّت و مصئونیت کہ اس کی سیرتِ طیّبہ اور حیاتِ حیہ و قائمہ کی لوح محفوظ کا ایک نقطہ بھی محو نہ ہو سکا۔ اور قرآن محفوظ و کتاب مسطور فی رق منشور اور "فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" میں اس کا ایک ایک حرف ایک ایک لفظ اُسی طرح نقش و ثبت ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ جس طرح قلمِ

ازل نے اوّل صبح تعیّن کی کرنوں سے لکھ دیا تھا۔ پس قرآن کے بعد اگر کوئی اور ہستی لوحِ محفوظ ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی روحِ اعظم وخالد ہے جس کے ذکر کو خود قرآن نے اپنی آغوشِ حفظ وصیانت میں ہمیشہ کے لئے لیا ہے حضرت سیّد العارفین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱)

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْبَقَا لَا تَغْرُبُ

قرآن حکیم میں حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے خصائص کے بے انتہا ذخائر موجود ہیں۔ اگر پوری وسعت کے ساتھ ان کو جمع کیا جائے۔ تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے۔ لہٰذا بخوفِ طوالت جمالِ سیرت النبیؐ کی چند جھلکیاں قرآن کے آئینے میں پیش کی جاتی ہیں:۔

تحقیق مصداق نور

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے ایک روشنی جو کفر کے اندھیرے کو دُور کرتی ہے اور اس کتاب کو جو احکامِ شریعت کو ظاہر کرنے والی ہے اور نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب قرآن مجید ہے۔

(تفسیر موضح القرآن ص ۱۰۲)

(۲) اور یہ جُملہ مستانفہ ہے اس لئے بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ جس مضمون کو اہل کتاب مخفی رکھتے ہیں،

(۱) تذکرہ از مولانا ابوالکلام آزاد۔

آپ اس کو واضح فرمادیں۔ بلکہ آپؐ کی ذاتِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام، میں بے شمار منافع ہیں اور آپؐ نُور ہیں۔

(فتوحات الٰہیہ شرح جلال الدین از علامہ سلیمان جمل جلد اوّل ص ۵۷۵)

(۳) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل کتاب کو خطاب فرمایا کہ اے اہلِ تورات اور انجیل! تمہاری طرف اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آچکے ہیں۔ جس سے اللہ نے حق کو روشن کیا اور اسلام کو ظاہر کیا اور شرک کو مٹایا۔ پس اس شخص کے لئے آپؐ نور ہیں۔ جس نے آپؐ کے نُور کی روشنی سے نفع اٹھایا۔

(تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن از محمد ابن جریر جلد ششم ص ۱۰۴)

(۴) اور اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا نام نُور رکھا۔ اس لئے کہ آپؐ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ جس طرح کہ نُور سے اندھیرے میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر خازن جلد دوم ص ۲۳)

(۵) اور اللہ تعالیٰ کا وہ نُور ہیں جن سے انبیاء اور اولیاء کے وجود جلوہ گر ہوئے،

(عرائس البیان جلد اوّل ص ۱۰۷)

(۶) اور "من جاء" کا تعلق جاء سے ہے اور من مجازاً ابتدا غایت کے لئے ہے یا محذوف کے ساتھ مل کر نُور سے حال ہے پس اس میں صراحت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئے ہیں۔ اور جار مجرور کو فاعل پر اس لئے مقدم کیا گیا۔ کہ آنے والے کی طرف شوق دلانا مقصود ہے اور نُور میں تنوین عظمتِ شان پر دلالت کرتی ہے۔

(تفسیر ابو المسعود جلد دوم ص ۱۴)

(۷) اور نُور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک مراد ہے۔ اور اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ اور زجاج نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ صرف ابو علی جبائی اور زمخشری نے نُور سے قرآن مراد لیا ہے۔

(روح المعانی از علامہ آلوسی بغدادی جلد ششم ص ۸۷)

(۸) نور اور کتاب دونوں سے قرآن مراد لینا ضعیف ہے۔ کیونکہ عطف سے معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت کا ہونا ضروری ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور ہے۔ اس لئے کہ نور ظاہر سے نظر کو ظاہری اشیاء کے ادراک میں قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور نور باطن سے حقائق و معقولات کے ادراک میں بصیرت قلبی کو تقویت ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر از علامہ فخر الدین رازی جلد سوم ص ۵۶۶)

(۹) اور نور سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ (بیضاوی جلد دوم ص ۹۲)

" " " " " " " " (جلالین ص ۹۲)

" " " " " " " " (جامع البیان ص ۹۲)

" " " " " " " " (معالم التنزیل جلد دوم ص ۲۳)

" " " " " " " " (جواہر الحسان جلد اول ص ۴۵۳)

" " " " " " " " (تنویر المقیاس از حضرت ابن عباسؓ جلد اول ص ۲۲۷)

" " " " " " " (السراج المنیر از خطیب شربینی جلد اول ص ۳۶۲)

" " " " " " " (الجامع الاحکام القرآن از محمد بن احمد قرطبی جلد ششم ص ۱۱۸)

" " " " " " " (فتح البیان فی مقاصد القرآن از صدیق حسن خاں جلد سوم ص ۲۵)

" " " " " " " " (مدارک التنزیل از علامہ نسفی جلد اول ص ۲۰۶)

" " " " " " " " (قاموس المحیط از محمد بن یعقوب فیروز آبادی شیرازی جلد دوم ص ۱۴۹)

اور نور سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں۔ (منتہی الارب جلد چہارم صـ۲۷۰)
" " " " " " " (تفسیر مظہری جلد سوم صـ۶۷)
" " " " " " " (تفسیر خازن جلد دوم صـ۲۳)
" " " " " " " (صاوی شرح جلالین جلد اوّل صـ۲۳۹)
" " " " " " " (حاشیہ شہاب خفاجی جلد سوم صـ۲۲۶)
" " " " " " " (غرائب القرآن ورغائب الفرقان
از محمد بن محمد نیشاپوری جلد ششم صـ۹۸)
" " " " " " " (تفسیر حسینی جلد اوّل صـ۱۱۸)

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدم کی ظلمت سے جس ذات کو ظاہر فرمایا۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ (روح البیان جلد اوّل صـ۵۱۸)

(۱۱) حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قصیدہ بانت سعاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر سنایا جس سے آپؐ خوش ہوئے اور چادر مبارک انعام میں عطا فرمائی۔ اس قصیدہ میں "اِنَّ الرَّسُوْلَ نُوْرٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ" (بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں جن کی ذات بابرکات سے روشنی حاصل ہوتی ہے، واضح ہو کہ اصل قصیدہ میں سیف کا لفظ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی، اور سیف (تلوار) کو نور سے بدل دیا۔

(۱۲) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا پر غور کرو اور دیکھو کہ روزانہ نماز کو جاتے وقت کس چیز کا سوال کرتے تھے، کیا دربارِ الٰہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے قبول ہونے میں کوئی شک ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ تمہارا رب حیادار اور سخی ہے۔ جب اس کا بندہ اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ اس کے دونوں ہاتھوں کو

خالی واپس کر دے اور اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ المصابیح صـ ۱۹۵) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو جاتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے :-

"الٰہی میرے قلب میں نور ہو اور میرے داہنے میں نور ہو اور میرے بائیں میں نور ہو، اور میرے پیچھے نور ہو اور نور کو میرا بنا دے۔ اور میرے پٹھوں میں نور ہو، اور میرے گوشت میں نور ہو۔ اور میرے جسم کے پردے میں نور ہو۔ اور میری زبان میں نور ہو، اور میرے لئے مجھے نور بنا۔ اور نور کو زیادہ کر اور مجھے نور بنا۔ اے میرے خدا! میرے دل میں نور بنا۔ اور میری زبان میں نور بنا۔ اور میرے کانوں میں نور بنا۔ اور میری آنکھوں میں نور بنا۔ اور میرے پیچھے نور بنا، اور میرے آگے نور بنا۔ اور میرے اوپر نور بنا اور میرے نیچے نور بنا۔ اے میرے مولا! تو مجھے نور عطا کر۔"

(حصین حصن صـ ۹۲ بحوالہ بخاری مسلم۔ مستدرک۔ حاکم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

معجزہ کتاب روشن

اور نور کے ساتھ کتاب روشن کی خبر اس لئے دی گئی کہ دوسرے انبیاء (سلام ہو اُن پر) کے معجزات محدود تھے۔ اور اُن کی محبت بھی خاص قوم سے ہوتی تھی۔ اور اُن کی اُمت کے لوگ بھی گنتی کے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کتاب روشن (قرآن مجید) ہے جس کا زمانہ حجیت تاقیام قیامت ہے اور تمام عرب و عجم، اور اسود و احمر سے اس کا خطاب ہے۔ اس سے قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ آپ کی اُمت کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تمام نبیوں میں سے ہر نبی کو اس قدر محدود معجزات عطا کئے گئے، جن کے برابر محدود لوگ ایمان لائے۔ اور مجھے قرآنی وحی کا معجزہ ملا۔ جو اللہ تعالےٰ نے مجھ پر نازل فرمایا۔

(مشکوٰۃ المصابیح صـ ۵۱۱)

نورانی صورتِ اقدس

(۱) وَقَدْ حَکَی الْقُرْطُبِیُّ فِی کِتَابِ الصَّلٰوۃِ عَنْ بَعْضِھِمْ اِنَّہٗ قَالَ لَمْ یَظْھَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَنَّہٗ لَوْ ظَھَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِہٖ لَمَا اَطَاقَتْ اَعْیُنُنَا رُؤْیَتَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "

(مواہب لدنیہ جلد اوّل ص۲۴۹)

ترجمہ:۔ "کتاب الصلوٰۃ میں امام قرطبی نے بعض صحابہ کرامؓ سے حکایت کی ہے کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن وجمال ہمارے لئے ظاہر ہوتا تو ہماری آنکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھ سکتیں"

(۲) امام اجل بوصیری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

اَعْیَ الْوَرٰی فَھْمُ مَعْنَاہُ فَلَیْسَ یُرٰی
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِیْہِ غَیْرَ مُنْفَحِمٖ ،
کَالشَّمْسِ تَظْھَرُ لِلْعَیْنَیْنِ مِنْ بُعُدٍ ،
صَغِیْرَۃً وَ تُکِلُّ الطَّرْفَ مِنْ اُمَمٖ

ترجمہ:۔ آپؐ کے ظاہری و باطنی کمالات کی دریافت نے تمام خلق کو عاجز کر دیا۔ اور آپؐ کے کمالات کی حد اور پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ آپؐ کا حال مثل آفتاب کے ہے، کہ وہ دُور سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ اور دیکھنے والا بسبب بُعد کے اس کی اصلی کیفیت معلوم نہیں کر سکتا اور اگر اس کو نزدیک جا کر دیکھے، تو بوجہ نورانیت کے دیکھنے والی آنکھ عاجز ہو جاتی ہے۔"

عارفِ ربانی عین القضاۃ ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "ظاہر بین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محض صورت بشری دیکھ سکتے ہیں مگر پھر بھی آپ کی حقیقت کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔" (صادقیہ شرح قصیدہ بردہ ص۴۲)

ے ازپرتوِ یقیں تو اوّل کہ ذاتِ تست عالم منوّر ست کہ ندانم کہ چیستی،
ادراکِ ذاتِ پاک توائے سرورِ رُسل از فہم برتر ست ندانم کہ چیستی،

(۳) علامہ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے ابن سبع سے نقل کیا ہے:-
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تابانی سے خانۂ تاریک روشن ہو جاتا تھا۔" (مطالع المسرات)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہؓ عنہا نے فرمایا۔ کہ "میں نے حفصہ بنت رواحہ سے سوئی مانگی تھی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سی لیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ وہ سوئی میرے ہاتھ سے گرگئی۔ اور میں نے تلاش کی مگر وہ سوئی، دستیاب نہ ہوئی۔ اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسی مکان میں تشریف لائے تو آپؐ کے چہرۂ نور کی شعاع مبارک سے وہ سوئی ظاہر ہوئی۔
(تہذیب ابن عساکر جلد اوّل صـ ۳۲۴)

(۵) حضرت ابی عبید بن محمد عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ میں نے ربیع بن مسعود بن عفرا سے کہا۔ کہ آپ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حُلیہ بتائیں؛ تو انہوں نے فرمایا۔ اے میرے فرزند! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم دیکھتے تو یوں نظر آتا کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(۶) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہؓ عنہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت نظر آئے۔ (مشکوٰۃ)

نور کی تحقیق

نُور ایک پھیلنے والی چیز ہے جو نگاہوں کی امداد کرے، اور یہ دو قسم ہے۔ ایک دنیاوی ہے اور ایک اخروی۔ پھر دنیاوی دو ... قسم ہے، جو دل کی آنکھ سے معلوم ہو اور وہ روشنی ہے جو امور خداوندی سے پھیلتی ہے جیسا کہ عقل اور قرآن کا نور اور دوسری وہ قسم ہے، جو آنکھ

کی بینائی سے محسوس ہو۔ اور وہ روشنی جو کہ چمکنے والے اجسام سے پھیلتی ہے جیسا کہ چاند، سورج اور چمکنے والے ستارے۔ پس نورِ الٰہی کی مثال قرآن مجید میں ہے، کہ تمہارے پاس خداوند تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے نُور اور کتاب روشن (۱)
اور نورِ محسوس کی مثال جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ خدا تعالیٰ جس نے سورج کی روشنی اور چاند کو نُور بنایا (۲) —— اور نورِ آخروی کی مثال جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن مومنوں کے سامنے اُن کا نُورِ ایمان دوڑتا ہو گا۔ (۳)

(۱) المفردات فی غریب القرآن از حسین بن محمد بن فضل راغب اصفہانی صـ ۵۲۸
(۲) تاج العروس شرح قاموس از سیّد مرتضیٰ حسینیؒ واسطی زبیدی جلد ۳ صـ ۵۸۷

(۲) "نُور وہ ہے جو خود بخود بالکل ظاہر ہو۔ پس جو چیز خود بخود ظاہر ہو اور غیر کو بھی ظاہر کر دے۔ اُس کا نام نُور ہو گا"

(۱) لسان العرب از محمد بن مکرم افریقی جلد ۷ صـ ۹۹
(۲) کشاف اصطلاحات الفنون از محمد بن علی تھانوی جلد ۴ صـ ۱۳۹۴
(۳) نہایۃ فی غریب الحدیث والاثر از مبارک بن محمد بن جزری

(۳) "نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کو آنکھ اوّلاً بالذات ادراک کرتی ہے، اور اس کے ذریعہ سے بالواسطہ اور تمام قابلِ دید چیزوں کا ادراک کرے"

(۱) اقرب الموارد جلد ۲ صـ ۱۳۵۷
(۲) دستور العلماء از قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری جلد ۳ صـ ۴۱۶

(۴) "نور آنست کہ اشیاء باو روشن گردند و آسمان ہا و زمین باو تعالیٰ روشن گشتہ ست چہ سبحانہٗ انبیاء را از ظلمات عدم بر آوردہ است و بہ ظلال وجود و توابع وجود

---

(۱) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ (پارہ ۶، رکوع ۷)
(۲) هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّجَعَلَ الْقَمَرَ نُوْرًا۔ (پارہ ۱۱، رکوع ۶)
(۳) يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ۔ (پارہ ۲۷، رکوع ۱۷)

متصف گردانیدہ منور ساختہ ست "

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر دوم مکتوب ۱۱)

ترجمہ:۔ "نور وہ ہے کہ اس سے چیزیں روشن ہوں ۔ اور سب آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ سے روشن ہوئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نیستوں کو عدم کے اندھیرے سے ظاہر فرمایا۔ اور پھر وجود اور وجود کے توابع سے متصف فرمایا۔"

اِشارۂ نفیٔ سایہ

بے شک اس مہر سپہر اصطفا ماہِ منیر اجتبا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا اور یہ امر احادیث و اقوال علماء کرام سے ثابت ہے اور مدعا پر دلیل یہ ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں ۔ اور نور کے لئے سایہ نہیں ۔ کیونکہ سایہ اُس کا پڑے گا، جو کثیف ہو اور انوار کو ماسوی سے اگر سایہ پڑے تو روشنی کون کرے گا ۔ یہی وجہ ہے، کہ آفتاب کا سایہ نہیں ہے ۔ (۱) یہی وجہ ہے کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

(ا) "اوراصلی اللہ علیہ وسلم سایہ نبود در عالم شہادت کہ سایہ ہر شخص از شخص لطیف تراست ۔ چوں لطیف تراز وے صلی اللہ علیہ وسلم در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد ۔" (مکتوبات جلد سوم)

(ب) "واجب تعالیٰ راچرا ظل نہ بود ۔ کہ ظل موہم تولید مثل است و نبی از شائبہ عدم کمال لطافت ۔ اصل ہر گاہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم را از لطافت ظل نبود ۔ خدائے محمد را چگونہ ظل باشد ۔" (مکتوب ۱۲۲)

ترجمہ (ا) "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عالم شہادت میں سایہ نہ تھا ۔ اس لئے کہ ہر شخص کا سایہ اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جہاں میں کوئی چیز زیادہ لطیف نہ تھی ۔ اس لئے آپؐ کا سایہ کس طرح ہوتا ۔"

ترجمہ (ب) " اللہ تعالیٰ کا سایہ اسلئے نہیں کہ سایہ ہم مثل کا وہم ڈالتا ہے۔ اور نبی کا سایہ ہو تو کمال لطافت کے عدم کا شائبہ ہوگا۔ اور جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا کا کس طرح سایہ ہوگا۔"

(۲) حکیم ترمذی نے سند کے ساتھ اس بات کو درج فرمایا ہے کہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ نظر نہ آتا تھا ۔۔۔ دھوپ میں اور نہ چاندنی میں، اور ابن سبع نے کہا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص کریم سے ہے کہ آپؐ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور آپؐ نور محض تھے تو جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے۔ آپؐ کا سایہ نظر نہ آتا۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے، اس کی شاہد وہ حدیث ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعا میں التجا کی تھی، کہ " مجھے نور بنا دے " (خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص۶۸)

(۳) روایت کی گئی ہے کہ تحقیق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ " میں لکھنا نہیں چاہتا تھا۔ تاکہ قلم کا سایہ اللہ تعالیٰ کے نام پر نہ پڑے (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے) تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ شان عطا فرمائی۔ کہ آپؐ کا سایہ زمین سے اُٹھا لیا۔ تاکہ کوئی شخص آپؐ کے سایہ اقدس پر پاؤں نہ رکھ سکے۔ دھوپ، چاند، اور روشنی جن میں شفافت اور لطافت ہے تو یہ اپنے علاوہ دوسری روشنیوں کے لئے حجاب نہیں بن سکتے۔ لہٰذا ان کا سایہ نہیں پڑتا۔ جیسا کہ حقیقی انوار میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور صاحب الوفا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا۔ اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ اُن کا نورِ عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آگیا۔ اور نہ قیام فرمایا، چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابش نور نے اس کو دبا لیا۔ اور علامہ شہاب الدین خفاجی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اس بارہ میں ہماری ایک رباعی ہے، جس کا حاصل یہ ہے " جیسا کہ مشائخ نے کہا۔ کہ سایہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بسبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرامت اور فضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا۔ اور

تعجب ہے اور بہت کافی تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی اُن کے سائے میں آرام کرتے ہیں، اور پھر آپؐ کا سایہ نہ ہو" اور پھر فرمایا۔ اور تحقیق قرآن مجید ناطق ہے کہ آپ نور روشن ہیں، اور آپؐ کا بشر ہونا اس کے منافی نہیں۔ جیسا کہ وہم کیا گیا ہے اگر تو سمجھے تو وہ "نورٌ علیٰ نورٌ" ہیں۔ اس لئے کہ نور وہ ہے۔ جو خود بھی ظاہر کرے، اور اس مسئلہ کی تفصیل امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے "مشکوٰۃ الانوار" میں کی ہے۔

(نسیم الریاض جلد سوم صـ ۳۱۹)

(۴) "آپؐ کے جسم اطہر کا سایہ نہ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں اس لئے کہ آپؐ نور تھے"

(الشفاء بتعریف المصطفےٰ جلد اوّل صـ ۲۴۲)

(۵) "امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی بے شک اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا، تاکہ اس سایہ پر کوئی شخص پاؤں نہ رکھ دے"

(تفسیر مدارک جلد ۳ صـ ۱۰۰)

اس کی وجہ بعض کتابوں میں درج ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک یہودی کو دیکھا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرداگرد اپنے پاؤں سے عجیب حرکات کرتا جاتا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا تو بولا۔ یہ بات ہے، کہ ہم آپ پر اور تو کچھ قابو نہیں پاتے۔ مگر راستہ پر جہاں جہاں آپؐ کا سایہ پڑتا ہے، اُسے پاؤں سے روندتا چلتا ہوں۔ تو ایسی خباثتوں اور شرارتوں سے اللہ جل شانہٗ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ فرمایا۔ (۱)

خُدا اور محبوبِ خدا میں قُربِ وصل

ربّ العزت نے اپنے کلام پاک میں تقریباً سَو مقامات پر اپنے اسم اعظم کے ساتھ اپنے رسولؐ کا اسم گرامی وابستہ فرما کر اپنی ذات کے ساتھ اپنے رسولؐ کی ذات کو لازم فرما

(۱) سرور العباد فی بیان المیلاد۔ از علامہ فیض محمد صاحب قادری گجوی۔

لیا ہے اس حقیقت کے انکشاف سے شاید آپ کو تعجب ہو کہ بعض سورتوں میں تو نہایت تکرار کے ساتھ رب العزت نے اپنے محبوب کریم کو اپنے اسم کریم کے ساتھ وابستہ فرمالیا ہے مثلاً سورۃ توبہ میں ۲۲ دفعہ سورۃ احزاب میں ۱۲ دفعہ اور سورۃ انفال و سورۃ نور میں ۸۰۰۸ مقامات پر اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے ساتھ حضورؐ کا ذکر پاک آیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔(۱)

حوالہ	ارشاد ربانی	نمبر شمار	موضوع
پارہ ۴ آل عمران رکوع ۱۸۔ پارہ ۶ سورۃ نساء رکوع ۲۳	فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ	۱ــ۲	ایمان
پارہ ۵ نساء رکوع ۲۰، پارہ ۲۶ حجرات رکوع ۲ پارہ ۲۷ سورۃ حدید رکوع ۱	اٰمنوا باللہ ورسولہ	۳-۴-۵	”
پارہ ۶ سورۃ مائدہ رکوع ۱۱۔	یومنون باللہ والنبی	۶	”
پارہ ۹ اعراف رکوع ۲۰، پارہ ۲۸ تغابن رکوع ۱۔	فاٰمنوا باللہ ورسولہ	۷-۸	”
پارہ ۲۶ حجرات رکوع ۲، پارہ ۲۷ حدید رکوع ۲۔	اٰمنوا باللہ ورسولہ	۹-۱۰	”
پارہ ۲۸ صف رکوع ۲۔	تؤمنون باللہ ورسولہ	۱۱	”
پارہ ۲۶ فتح رکوع ۱، پارہ ۲۸ مجادلہ رکوع ۱۔	لتومنوا باللہ ورسولہ	۱۲-۱۳-۱۴	”
پارہ ۲۷ حدید رکوع ۱۔	لا تؤمنون باللہ ورسولہ		
پارہ ۲۶ فتح۔ رکوع ۲۔	ومن لم یؤمن باللہ ورسولہ	۱۵	”
پارہ ۴ آل عمران رکوع ۴، پارہ ۳ آل عمران رکوع ۱۴	اطیعوا اللہ والرسول	۱۶-۱۷	اطاعت
پارہ ۴ نساء رکوع ۲، پارہ ۲۶ فتح رکوع ۲۔	من یطع اللہ ورسولہ	۱۸-۱۹	”
پارہ ۵ نساء رکوع ۸، پارہ ۲۸ تغابن رکوع ۲،		۲۰-۲۱-۲۲-۲۳	”
پارہ ۲۶ محمدؐ رکوع ۴، پارہ ۷ مائدہ رکوع ۱۲،	اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول	۲۴	”
پارہ ۵ نساء رکوع ۹۔	من یطع اللہ والرسول	۲۵	”
پارہ ۵ نساء رکوع ۱۱۔	من یطع الرسول فقد اطاع اللہ		

(۱) الاصحاب فی الکتاب از مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری۔

موضوع	نمبر شمار	ارشاد ربانی	حوالہ
اطاعت	۲۶	اطیعوا اللہ ورسولہٗ	پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ رکوع ۲ -
کفر و معصیت مجادلہ و مخالفت	۲۷	یکفرون باللہ ورسلہٖ	پارہ ۶ نساء رکوع ۲۱ -
	۲۸-۲۹	من یعص اللہ ورسولہٖ	پارہ ۴ نساء رکوع ۲، پارہ ۲۹ جن رکوع ۲ -
	۳۰	بحرب من اللہ ورسولہٖ	پارہ ۳ بقرہ رکوع ۳۸ -
	۳۱	یحاربون اللہ ورسولہٖ	پارہ ۶ مائدہ رکوع ۵ -
	۳۲-۳۳	یحادون اللہ ورسولہٖ	پارہ ۲۸ مجادلہ رکوع ۱، پارہ ۲۸ مجادلہ رکوع ۳
	۳۴	من حاد اللہ ورسولہٖ	پارہ ۲۸ مجادلہ رکوع ۳ -
	۳۵	شاقوا اللہ ورسولہٗ	پارہ ۲۸ حشر رکوع ۱ -
متفرق موضوع	۳۶	ینصرون اللہ ورسولہٗ	پارہ ۲۸ حشر رکوع ۱ -
	۳۷	بین یدی اللہ ورسولہٖ	پارہ ۲۶ حجرات رکوع ۱ -
	۳۸	لاغلبن انا ورسلی	پارہ ۲۸ مجادلہ رکوع ۳ -
	۳۹	عن امر ربہا ورسلہٖ	پارہ ۲۸ طلاق رکوع ۲ -
	۴۰	استجابوا للہ والرسول	پارہ ۴ آل عمران رکوع ۱۸ -
	۴۱	فردوہ الی اللہ والرسول	پارہ ۵ نساء رکوع ۸ -
	۴۲	مہاجراً الی اللہ ورسولہٖ	پارہ ۵ نساء رکوع ۱۴ -

میزان = ۴۲

علاوہ ازیں سورہ توبہ میں = ۲۲

سورہ احزاب میں = ۱۲

سورہ انفال میں = ۸

سورہ نور میں = ۸

میزان کل = ۹۲ بار اسم باری تعالیٰ کے ساتھ رسل اور سید الرسل کا ذکر آیا ہے

قربِ وصل کی چند ایمان افروز جھلکیاں

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے متعلق ارشاد فرماتا ہے:۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ط — اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے۔

(پارہ ۲۲ رکوع ۳)

اور دوسری جگہ اپنے حبیب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(پارہ ۱۱ رکوع ۵)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔ مہربان۔

(۲) اللہ تعالیٰ سورۃ الفاتحہ میں اپنے متعلق فرماتا ہے:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ط — ہم کو سیدھا راستہ چلا۔

الشوریٰ میں حضور علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط (پارہ ۲۵ رکوع ۶)

اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔

(۳) سورۃ الفاتحہ میں ہے:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ اُن کا جن پر تو نے احسان کیا۔

سورۃ الاحزاب میں حضورؐ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ

اور اے محبوبؐ! یاد کرو جب تم فرماتے تھے اُس سے

اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ط (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اُسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر،

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے :۔

هُوَ الَّذِىۡ يُصَلِّىۡ عَلَيۡكُمۡ وَ مَلٰٓـئِكَتُهٗ لِيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۝ (پارہ ۲۲ رکوع ۳)

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیرے سے اُجالے کی طرف نکالے۔

سورۃ ابراہیم میں اپنے محبوبؐ کے متعلق فرماتا ہے :۔

الٓرٰ - كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۝ (پارہ ۱۳ رکوع ۱۳)

ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اُتاری - کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے اُجالے میں لاؤ ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف جو عزت والا سب خوبیوں والا ہے

(۵) اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے :۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ - (پارہ ۵ رکوع ۴)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے۔

سورۃ الجمعہ میں حضورؐ کے متعلق فرماتا ہے :۔

هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ -

وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا، کہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں،

اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔
(پارہ ۲۸ رکوع ۱۱)

(۶) اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتے ہیں :-

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ٥ — اور تمہارے کام اللہ کے سامنے ہیں،
(پارہ ۴ رکوع ۱)

دوسرے مقام پر حضورؐ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :-

(ا) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ٥ — تو کیسی ہو گی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوبؐ! تمہیں اُن سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔
(پارہ ۵ رکوع ۳)

(ب) وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (پارہ ۲ رکوع ۱) — اور یہ رسولؐ تمہارے نگہبان و گواہ۔

(۷) اللہ تعالیٰ اپنے متعلق ارشاد فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ٥ — اے آدمی! تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے۔
(پارہ ۳۰ رکوع ۷)

دوسری جگہ حضورؐ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے :-

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ٥ — بے شک! یہ عزت والے رسولؐ کا پڑھنا ہے۔
(پارہ ۳۰ رکوع ۶)

(۸) رب العزت کا اپنے متعلق ارشاد ہے :-

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج — تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا بادشاہ۔
(پارہ ۱۸ رکوع ۶)

اپنے حبیب کے متعلق ارشاد ہے :-

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ ـ — اور گواہی دے چکے تھے۔ کہ

(پارہ ۳ رکوع ۱۷) رسولؐ سچا ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے۔

(پارہ ۱۷ رکوع ۱۵)

دوسرے مقام پر حضورؐ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○

اور تم ہمیشہ اُن کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے، سوا تھوڑوں کے تو انہیں معاف کرو۔ اور در گذر کرو۔ بے شک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں،

(پارہ ۶ رکوع ۷)

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے "فضل" میں اپنے حبیب مکرم کو شامل فرمایا :۔

(ا) وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

اور انہیں کیا بُرا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسولؐ نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

(پارہ ۱۰ رکوع ۱۶)

(ب) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ ○

اور کیا اچھا ہوتا کہ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسولؐ نے ان کو دیا۔ اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسولؐ، ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

(پارہ ۱۰ رکوع ۱۳)

(ج) اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ۔

جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اُسے نعمت دی۔

(پارہ ۲۲ رکوع ۲)

نوٹ:- آیت اوّل (ا) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے دولت مند کر دیا۔ آیت دوم (ب) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے رسولؐ کو بھی دینے والا فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی۔ کہ اللہ اور رسولؐ سے اپنی اُمیدیں وابستہ رکھو۔ کہ وہ ہمیں اپنے فضل سے دیں گے۔ آیت سوم۔ (ج) میں اللہ تعالیٰ نے نعمت دینے میں اپنے ساتھ اپنے حبیبؐ کو شامل بتایا ہے۔

اِن آیات کی مزید وضاحت حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

(۱) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابن جمیل نے زکوٰۃ دینے میں کمی کی تو حضور مغنی عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"مَا يَنْقِمُ اِبْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"۔ "ابن جمیل کو کیا بُرا لگا، یہی نا کہ وہ محتاج تھا۔ اللہ اور رسول نے اُسے غنی کر دیا۔

(صحیح بخاری)

(۲) جب جعرانہ کے اموال غنیمت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قریش و دیگر اقوامِ عرب کو عطا فرمائے اور انصارِ کرام نے اس میں سے کوئی شے نہ پائی (اس خیال سے کہ شاید حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر وہ نظرِ توجہ و کرم نہ رہی) شاید اب اپنی قوم قریش کی طرف زیادہ التفات فرمائیں گے۔ انہیں بمقتضائے سنّتِ عشاق (کہ دوسروں پر لطفِ محبوب زائد دیکھ کر رنجیدہ و کبیدہ ہوتے ہیں) ملال گذرا۔ یہاں تک کہ بعض کی زبانوں پر بعض کلمات شکایت آمیز آئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ خاطرِ انور پر ناگوار گزرا۔ انہیں جمع کر کے ارشاد فرمایا "اَلَمْ اَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ اَلَمْ اَجِدْكُمْ عَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ" کیا میں نے تمہیں نہ پایا گمراہ۔ پس اللہ عزوجل نے تمہیں راہ دکھائی۔ کیا میں نے تمہیں نہ پایا محتاج۔ پس اللہ عزوجل نے تمہیں تونگری دی"۔ (صحیح بخاری)

مسلم اور مسند امام احمد میں یوں ہے۔" يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَكُنْتُمْ عَالَةً

فَاَغْنَاکُمُ اللّٰہُ بِیْ "اے گروہِ انصار! کیا میں نے تمہیں نہ پایا، گمراہ۔ پس اللہ عزوجل نے تمہیں میرے ذریعے سے ہدایت کی اور تمہاری آپس میں پھوٹ تھی اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلے سے تم میں موافقت کردی اور تم محتاج تھے اللہ عزوجل نے میرے واسطے سے تمہیں تونگری بخشی انصار کرام ہر کلمے پر اعتراض کرتے جاتے تھے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَمِنْ غَضَبِ رَسُوْلِہٖ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب اور رسول اللہ کے غضب سے" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَلَا تُجِیْبُوْنَ" جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمَنُّ وَ اَفْضَلُ" اللہ اور رسول کا احسان زائد ہے۔ اللہ اور رسول کا بڑا فضل ہے۔ حضور نے فرمایا۔ تم جواب چاہو جواب دے سکتے ہو۔ انصار کرام روئے اور بار بار عرض کرنے لگے۔ "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمَنُّ وَ اَفْضَلُ"۔ اللہ اور رسول کا احسان زائد ہے اللہ اور رسول کا فضل بڑا ہے۔ (۱)

(۱۱) رب العزت فرماتا ہے کہ مسلمانوں کے اعمال کو اللہ اور رسول دونوں دیکھتے ہیں۔ یعنی دونوں حاضر ناظر ہیں:۔

(ا) وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَ رَسُوْلُہٗ۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۱) — اور اب اللہ و رسول تمہارے کام دیکھیں گے۔

(ب) وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۲) — اور تم فرماؤ کام کرو۔ اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے حضور کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ بتایا ہے:۔

(ا) فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ج — تو تم نے انہیں قتل نہ کیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی۔ تم نے نہ پھینکی

---

(۱) الامن والعلی از مولانا احمد رضا خاں بریلوی صہ ۵۱-۵۲

(پارہ ۹ رکوع ۱۶)

تھی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔

(ب) اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

رسولِ عربی کا سراپا

چہرۂ انور کا ذکر:۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ج (پارہ ۲ رکوع ۱)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔

چشمانِ مبارک کا ذکر:۔

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ (پارہ ۱۴ رکوع ۶)

اپنی آنکھ اُٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو، جو ہم نے ان کے کچھ جوڑوں کو برتنے کو دی۔

نظرِ مبارک کا ذکر:۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ٥ (پارہ ۲۷ رکوع ۵)

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

زبانِ مقدس کا ذکر:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ (پارہ ۲۹۔ رکوع ۱۷)

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔

آوازِ مبارک کا ذکر:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۳)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانیوالے (نبیؐ) کی آواز سے۔

گردن مبارک کا ذکر

سینۂ اطہر:-

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ۔ — اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ، (پارہ ۱۵ رکوع ۳)

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ — کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔

(پارہ ۳۰ سورۃ الم نشراح)

قلب مبارک کا ذکر :-

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ — تم فرماؤ جو کوئی جبرائیلؑ کا دشمن ہو تو اُس (جبرائیلؑ) نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتارا۔

(پارہ ۱ رکوع ۱۲)

پُشت مبارک :-

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ۔ — اور تم پر سے تمہارا بوجھ اُتار لیا۔ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی۔

(پارہ ۳۰ سورۃ الم نشرح)

نفس مبارک :-

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ (پارہ ۲۲ رکوع ۲) — اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے

دست مبارک :-

وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ (پارہ ۲۱ رکوع ۱) — اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے

بازو مبارک :-

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ — اور مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پر دل میں لے لو۔

(پارہ ۱۴ رکوع ۶)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ :-

حضور علیہ التحیۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضورؐ کا نام لیکر نہیں پکارا، بلکہ صفت کا ذکر کیا ہے ۔ جیسے یَاَیُّهَا النَّبِیُّ ، یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ، یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ، یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ، لیکن باقی انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے نام لے کر ندا فرمائی ہے [۱] ملاحظہ ہو :-

(۱) یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۔ (پارہ ۱، رکوع ۴)
اے آدمؑ! تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو ۔

(۲) یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (پارہ ۱۲، رکوع ۴)
اے نوحؑ! کشتی سے اُتر ، ہماری طرف سے سلام ۔

(۳) یٰاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (پارہ ۱۲، رکوع ۷)
اے ابراہیمؑ! اس خیال میں نہ پڑ ۔

(۴) وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى (پارہ ۱۶، رکوع ۱۰)
اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے ، اے موسیٰؑ !

(۵) یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ۔ (پارہ ۲۳، رکوع ۱۱)
اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا ۔

(۶) یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰى ۔ (پارہ ۱۶، رکوع ۴)
اے زکریاؑ! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی ، جن کا نام یحییٰ ہے

(۷) یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ (پارہ ۱۶، رکوع ۴)
اے یحییٰؑ! کتاب مضبوط تھام !

(۸) اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰى اِنِّیْ
اور یاد کرو جب اللہ نے فرمایا ۔ اے

---

(۱) خصائص الکبریٰ جلد دوم ص ۱۹۰

مُتَوَفِّیۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا
(پارہ ۳ رکوع ۱۴)

عیسیٰ! میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤنگا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور تجھے کافروں سے پاک کروں گا۔

حضور اکرمؐ سے خطاب خداوندی

(۱) یٰاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ۔
(پارہ ۶ رکوع ۱۴)

اے رسولؐ! پہنچادو جو کچھ اتارا تمہیں۔ تمہارے رب کی طرف سے۔

(۲) یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ۙ
(پارہ ۲۲ رکوع ۳)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)، بے شک ہم نے تمہیں بھیجا۔ حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

(۳) یٰسٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِیۡمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ
(پارہ ۲۲ رکوع ۱۸)

حکمت والے قرآن کی قسم۔ بے شک تم بھیجے ہوؤں میں سے ہو۔

(۴) یٰاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ
(پارہ ۲۹ رکوع ۱۳)

اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما۔ سوا کچھ رات کے۔

نوٹ:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسم گرامی کی تصریح فرمائی۔ وہاں ساتھ ہی رسالت یا کسی اور وصف کا ذکر فرمایا

(۱) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ۔
(پارہ ۴ رکوع ۶)

اور محمدؐ! تو ایک رسول ہیں۔ اُن سے پہلے اور رسول ہوچکے۔

(۲) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ٥

(پارہ ۲۲ رکوع ۲)

محمدؐ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

(۳) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۵)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اُس پر ایمان لائے جو محمدؐ پر اُتارا گیا۔

(۴) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۲)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل ہیں۔

حضورِ اکرمؐ کے اوصاف

حضورؐ کو علمِ غیب دیا گیا:۔

(۱) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ (پارہ ۲۹ رکوع ۱۲)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۲) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص

(پارہ ۴ رکوع ۹)

اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے، ہاں اللہ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

(۳) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ

اور تمہیں سکھا دیا۔ جو کچھ تم نہ جانتے

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ٥ (پارہ ۵ رکوع ۱۴)
تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

(۴) مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ - (پارہ ۷، رکوع ۱۰)
ہم نے اس کتاب میں نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز۔

(۵) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ - (پارہ ۱۴، رکوع ۱۸)
اور ہم نے تم پر یہ قرآن اُتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

(۶) وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (پارہ ۱۱ رکوع ۹)
سب کی تفصیل ہے اس قرآن میں کچھ شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔

(۷) اَلرَّحْمٰنُ ٥ لا عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ٥ (پارہ ۲۷ رکوع ۱۱)
رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

(۸) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ج (پارہ ۳۰ رکوع ۶)
اور یہ نبیؐ غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(۹) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ٥ (پارہ ۷، رکوع ۱۳)
اور نہ کوئی تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا ہو۔

حضورؐ کا ادب رکن ایمان ہے

(۱) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)
بے شک ہم نے تمہیں بھیجا۔ حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔ تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعظیم و توقیر کرو۔

(۲) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا
اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی

اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۳)

نہ کرو۔ اس غیب بتانے والے (نبیؐ) کی آواز سے۔ اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو، کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

(۳) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط (پارہ ۲۶ رکوع ۱۳)

اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔

(۴) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

اے ایمان والو! نبیؐ کے گھروں میں حاضر نہ ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ، نہ یوں کہ خود اسکے پکنے کی راہ تکو۔

(۵) اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ (پارہ ۲۶ رکوع ۳)

بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ اِن میں اکثر بے عقل ہیں۔

(۶) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط (پارہ ۱۸ رکوع ۱۵)

رسولؐ کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو۔ جیسا کہ تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(۷) فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ۔ (پارہ ۹ رکوع ۴)

تو وہ جو اُن پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اُسے مدد دیں۔

(۸) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ

اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسولؐ کے بلانے پر حاضر ہو۔

لِمَا يُحْيِيكُمْ ۔
(پارہ ۹ رکوع ۱۷)

جب رسولؐ تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی ۔

حضورؐ کی گستاخی کفر ہے

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝
(پارہ ۱ رکوع ۱۳)

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو، اور یوں عرض کرو، کہ حضورؐ ہم پر نظر رکھیں ۔ اور پہلے ہی سے بغور سنو، اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے،

(۲) وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۴)

اور جو رسولؐ اللہ کو ایذا دیتے ہیں، اُن کیلئے دردناک عذاب ہے ۔

(۳) إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝
(پارہ ۲۲ رکوع ۴)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کو اُن پر اللہ کی لعنت ہے، دنیا اور آخرت میں ۔ اور اللہ نے اُن کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے،

(۴) قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ
(پارہ ۲۳ رکوع ۱۴)

فرمایا ۔ تو جنت سے نکل جا کہ تو راندھا گیا ہے ۔

(۵) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۴)

بہانے نہ بناؤ ۔ تم کافر ہوچکے مسلمان ہوکر ۔ اگر ہم تم میں کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے، اس لئے کہ وہ مجرم تھے ۔

(۶) وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا

اور جو رسولؐ کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا جدا چلے

تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ٥

(پارہ ۵ رکوع ۱۴)

ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینگے اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔

(۷) وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ٥ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ٥

(پارہ ۹ رکوع ۱۶)

جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے مخالفت کرے۔ تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے۔

(۸) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥

(پارہ ۱۸ رکوع ۱۵)

تو ڈریں وہ جو رسولؐ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔ کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے، یا اُن پر دردناک عذاب پڑے۔

(۹) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ٥ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ٥

(پارہ ۲۸ رکوع ۱)

بے شک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی۔ ذلیل کئے گئے۔ جیسے اُن سے اگلوں کو ذلت دی گئی۔ اور بے شک ہم نے روشن آیتیں اتاریں، اور کافروں کے لئے خواری کا عذاب ہے۔ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا۔ پھر انہیں ان کے کوتک جتادے گا۔ اللہ نے انہیں گن رکھا ہے اور وہ بھول گئے۔ اور ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

(۱۰) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یہ اس لئے کہ وہ اللہ سے اور اس

وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (پارہ ۲۸ رکوع ۴)

کے رسول سے بٹے رہے جو اللہ اور اس کے رسول سے پھٹا رہے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

حضورؐ حاضر و ناظر ہیں:-

(۱) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

بے شک ہم نے تمہیں بھیجا۔ حاضر و ناظر اور خوشی و ڈر سناتا۔

(۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (پارہ ۵ رکوع ۶)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوبؐ! تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسولؐ اُن کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

(۳) وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (پارہ ۵ رکوع ۳)

اے محبوبؐ! تمہیں اُن سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

(۴) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (پارہ ۹ رکوع ۱۸)

اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوبؐ، تم ان میں تشریف فرما ہو۔

(۵) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ (پارہ ۲۹ رکوع ۱۳)

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسولؐ بھیجے کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسولؐ بھیجے۔

حضورؐ نور ہیں :-

(۱) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ٥ (پارہ ۶ رکوع ۷)

بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب ۔

(۲) مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۱)

اُس کے نور کی مثال ایسی ۔ جیسے ایک طاق کہ اُس میں چراغ ہے ۔

(۳) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ٥ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۱)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مُنہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا ۔ مگر اپنے نور کا پورا کرنا پڑے بُرا مانیں کافر ٥

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

(۴) يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ٥ (پارہ ۲۸ رکوع ۹)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے ۔ پڑے بُرا مانیں کافر ۔

(۵) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ٥ (پارہ ۲۲ رکوع ۳)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا ۔ اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب ۔

حضورؐ ساری خدائی کے نبی ہیں :-

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ط

(پارہ ۲۲ رکوع ۹)

اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رسالت سے ایسی جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

(۲) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہ (پارہ ۱۷ رکوع ۷)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا۔ مگر سارے جہان کے لئے۔

(۳) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ہ

(پارہ ۹ رکوع ۱۰)

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔

(۴) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ہ

(پارہ ۳۰ رکوع ۳۳)

اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

(۵) وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ہ

(پارہ ۵ رکوع ۸)

اور اے محبوب! ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ۔

(۶) تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ہ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۶)

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

حضورؐ آخری نبیؐ ہیں:۔

(۱) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسولؐ ہیں سب نبیوں میں پچھلے۔

(۲) اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

(پارہ ۶ رکوع ۵)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

(۳) وَلَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ لا

(پارہ ۱ رکوع ۱۱)

اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ (آخری کتاب (قرآن) آئی۔ جو اُن کے ساتھ والی کتاب (تورات) کی تصدیق فرماتی ہے۔

(۴) وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَ یَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا لا

(پارہ ۲۶ رکوع ۹)

اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے، اور تمہیں سیدھی راہ دکھاوے۔

حضورؐ معلم کتاب و حکمت ہیں:۔

(۱) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ؁ (پارہ ۱ رکوع ۱۶)

اے ہمارے رب اور بھیج اِن میں ایک رسولؐ انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے، اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے۔ بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

(۲) کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ؁

(پارہ ۲ رکوع ۲)

جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسولؐ تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے

جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

(۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ج وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ہ

(پارہ ۴ رکوع ۸)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہے، مسلمانوں پر کہ اُن میں اُنہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اُنہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

(۴) ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ہ لا

(پارہ ۲۸ رکوع ۱۱)

وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا، کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں۔ اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

حضورؐ اُمت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی ہیں:۔

(۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ ط

(پارہ ۵ رکوع ۱۳)

اے محبوبؐ! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اُتاری، کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔

(٢) وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ (پارہ ۲۵ رکوع ۳)

اور کہو۔ مَیں ایمان لایا اور اس پر جو کوئی کتاب اللہ نے اُتاری، اور مجھے حکم ہے کہ میں تم میں انصاف کروں،

(٣) اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۭ

(پارہ ۱۸ رکوع ۱۳)

مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بُلائے جائیں کہ رسولؐ اُن میں فیصلہ فرمائے تو عرض کریں ہم نے سنا، اور حکم مانا۔

(٤) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ (پارہ ۵ رکوع ۶)

اور جب اُن سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسولؐ کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم میں سے مُنہ موڑ کر پھر جاتے ہیں

(٥) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور رسولؐ کچھ فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

(٦) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

(پارہ ۵ رکوع ۶)

تو اے محبوبؐ! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

حضورؐ بحیثیت حاکم و فرمانروا:-

(۱) وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (پارہ ۵ رکوع ۶)
اور ہم نے کوئی رسولؐ نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(۲) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (پارہ ۵ رکوع ۸)
جس نے رسولؐ کا حکم مانا، بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

(۳) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (پارہ ۵ رکوع ۵)
اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسولؐ کا اور اُن کا جو تم میں حکومت والے ہوں۔ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اُسے اللہ اور رسولؐ کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

(۴) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝ (پارہ ۲۶ رکوع ۸)
اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو، اور رسولؐ کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔

(۵) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)
وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے،

حضورؐ کی محبّت اتباع سب پر فرض ہے:-

(۱) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ بے پڑھے غیب بتانے والے پر،

كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ -
(پارہ ۹ رکوع ۱۰)

کہ اللہ اور اُس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں، اُن کی غلامی کرو۔

(۲) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
(پارہ ۳ رکوع ۱۲)

اے محبوبؐ! تم فرما دو لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دیگا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۳) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ - (پارہ ۵ رکوع ۵)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسولؐ کا۔

(۴) وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝
(پارہ ۹ رکوع ۱۰)

اور ان کی غلامی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔

(۵) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
(پارہ ۹ رکوع ۹)

تو وہ جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اُس کے ساتھ اُترا۔ وہی بامراد ہوئے۔

(۶) اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ - (پارہ ۹ رکوع ۹)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسولؐ بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔

(۷) وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ط
(پارہ ۱۸ رکوع ۱۳)

اور اگر رسولؐ کی فرمانبرداری کروگے راہ پاؤ گے۔

(۸) وَمَاۤ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج
(پارہ ۲۸ رکوع ۴)

اور جو کچھ تمہیں رسولؐ عطا فرما دیں وہ لو۔ اور جس سے منع فرما دیں، باز رہو۔

گلہائے رنگ رنگ

(۱) حضورؐ مبلغ ہیں :-

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (پارہ ۶ رکوع ۱۴)

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اُتارا تمہیں، تمہارے رب کی طرف سے۔

حضورؐ مرادِ الٰہی کے مُبیّن (بیان کرنے والے) ہیں :-

(۲) وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ (پارہ ۱۴ رکوع ۱۲)

اور اے محبوبؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اُتاری کہ تم لوگوں سے بیان کرو جو اُن کی طرف اُترا۔

(۳) تحلیل و تحریم (اشیاء کو حلال و حرام کرنا) حضورؐ کے منصب میں داخل تھا :-

(ا) وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ (پارہ ۹ رکوع ۹)

اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں انہیں حرام کرے گا۔

(ب) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۰)

لڑو اُن سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر۔ اور حرام نہیں مانتے اُس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسولؐ نے۔

(۴) حضورؐ کی ذات قدسی صفات میں ہر مومن کیلئے اُسوہ حسنہ ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ

بے شک تمہیں رسولؐ کی پیروی بہتر ہے۔ اس لئے کہ اللہ اور پچھلے

وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ؕ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۹)

دن کی اُمید رکھتا ہو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

(۵) حضورؐ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا:۔

(ا) اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ (پارہ ۱۱ رکوع ۵)

کیا لوگوں کو اس کا اچنبھا ہوا کہ ہم نے اُن میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈر سناؤ۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

(ب) اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۙ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۶)

بے شک میں تمہارے لئے اسکی طرف سے ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں

(ج) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۳)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سناتا۔

(د) اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۝ (پارہ ۱ رکوع ۱۴)

بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا۔ خوشخبری اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا

(۶) دُعائے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ:۔

(ا) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ

اے رب ہمارے اور بھیج اُن میں ایک رسولؐ اُنہیں میں سے کہ اُن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور

(پارہ ۱ رکوع ۱۶) انہیں خوب ستھرا فرمائے۔

(ب) وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ (پارہ ۲۸ رکوع ۹)

اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوں، جو میرے بعد تشریف لائیں گے، اُن کا نام احمدؐ ہے۔

(۷) حضورؐ کے لئے مقامِ محمود:-

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (پارہ ۱۵ رکوع ۹)

قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

(۸) اہلِ کتاب کو حضورؐ پر ایمان لانے کا حکم:-

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ۔ (پارہ ۶ رکوع ۷)

اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسولؐ تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں،

(۹) جب تک آپؐ اُن میں ہیں اُن پر عذاب نہیں کر سکتا:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (پارہ ۹ رکوع ۸)

اور اللہ کا کام نہیں کہ اُن پر عذاب کرے جب تک اے محبوبؐ تم اُن میں تشریف فرما ہو۔

(۱۰) حضورؐ دینِ حق دے کر بھیجے گئے کہ کُل دینوں پر غالب رہے:-

هُوَ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت

بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۱)

اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ کہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے۔ پڑے بُرا مانیں مشرک۔

(۱۱) حضورؐ جانوں سے بھی عزیز ہیں :-

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۷)

نبیؐ مسلمانوں کا اُن کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

(۱۲) مسلمانوں کی تکلیف حضورؐ پر شاق گزرتی ہے :-

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۵)

جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

(۱۳) حضورؐ کی نبوّت کا ثبوت و استدلال :-

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ

(پارہ ۲۶ رکوع ۱)

کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے اسے جی سے بنایا تم فرماؤ اگر میں نے اسے جی سے بنالیا ہوگا۔ تو تم اللہ کے سامنے میرا کچھ اختیار نہیں رکھتے وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو اور وہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔

(۱۴) حضورؐ نہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں :-

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ (پارہ ۲۷ رکوع ۵)

تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے،

(۱۵) حضورؐ خواہشِ نفس سے بات نہیں کرتے :۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (پارہ ۲۷ رکوع ۵)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

(۱۶) حضورؐ قرآن کے جانشین ہیں :۔

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ (پارہ ۷ رکوع ۷)

توانہیں ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ان کے بعد اور سنگت اٹھائی۔

(۱۷) حضورؐ اگلے ڈرسنانے والوں میں سے ایک ڈرسنانیوالے ہیں :۔

(ا) هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (پارہ ۲۷ رکوع ۷)

یہ ایک ڈرسنانے والے ہیں اگلے ڈرسنانے والوں کی طرح

(ب) اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا پارہ ۳۰ رکوع ۴)

تم توفقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے۔

(۱۸) حضورؐ پر کتاب اور حکمت نازل کی گئی :۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (پارہ ۵ رکوع ۱۴)

اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اُتاری۔

(۱۹) حضورؐ کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف اور بے انتہا اجر :۔

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تمہاری خو بڑی

(پارہ ۲۹ رکوع ۳۶) شان کی ہے۔

(۲۰) اللہ نے حضورؐ کا ذکر دنیا میں بلند کر دیا:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا
(پارہ ۳۰ رکوع ۱۹)

(۲۱) اللہ نے حضورؐ کا سینہ کھول دیا اور بوجھ ہلکا کر دیا:۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا؟
(پارہ ۳۰ رکوع ۱۹)

(۲۲) حضورؐ کے لئے فتح و مدد خدا:۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ جب اللہ کی مدد اور فتح آئے۔
(پارہ ۳۰ رکوع ۳۵)

(۲۳) حضورؐ کی ذاتی صداقت بعثت سے پہلے:۔

(ا) فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۷) تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گذار چکا ہوں۔

(ب) اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ط بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ یا انہوں نے اپنے رسولؐ کو نہ پہچانا تو وہ اُسے بیگانہ سمجھ رہے ہیں یا کہتے ہیں اُسے سوداہے بلکہ وہ تو اُن کے پاس حق لائے۔ اور ان میں اکثر کو حق بُرا لگتا ہے۔
(پارہ ۱۸ رکوع ۴)

(۲۴) حضورؐ کی دُعا لوگوں کے لئے قربِ خدا ہے :-

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
(پارہ ۱۱ رکوع ۱)

اور جو خرچ کریں اُسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسولؐ سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔ ہاں ہاں، وہ ان کے لئے باعثِ قرب ہے، اللہ جلد انہیں رحمت میں داخل کریگا

(۲۵) حضورؐ حق پر ہیں جو صریح ہے :-

اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝ (پارہ ۲۰ رکوع ۲)

بے شک تم روشن حق پر ہو۔

(۲۶) حضورؐ پر خدا اور فرشتے درود بھیجتے ہیں مسلمانوں کو بھی حکم :-

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبیؐ پر۔ اے ایمان والو! اُن پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(۲۷) حضورؐ پر ایمان نہ لانے والوں کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں :-

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝
(پارہ ۲۶ رکوع ۵)

یہ اس لئے نہیں کہ انہیں ناگوار ہوا جو اللہ نے اُتارا تو اللہ نے ان کا کیا دھرا اکارت کیا۔

حضورؐ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے :-

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ط (پارہ ۵ رکوع ۱۴)

اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے

(۲۹) حضورؐ خدا کی حفاظت میں

(ا) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ (پارہ ۲۷ رکوع ۴)

اور اے محبوبؐ! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

(ب) وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (پارہ ۶ رکوع ۱۴)

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا۔ لوگوں سے۔

(ج) اِنَّ وَلِيَّ اللّٰهُ (پارہ ۹ رکوع ۱۴)

بے شک میرا ولی اللہ ہے۔

(د) قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

تم فرماؤ۔ اللہ مجھے بس ہے۔

(ہ) اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی ہے،

(و) اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ۔ (پارہ ۱۴ رکوع ۶)

بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔

(۳۰) حضورؐ کی ازواجؓ مسلمانوں کی مائیں ہیں:۔

وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۷)

اور اُس کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں۔

(۳۱) حضورؐ کے بعد ازواج مطہراتؓ سے کوئی نکاح نہیں کرسکتا:۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ

اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو۔ اور نہ یہ کہ اُن کے بعد

مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط (پارہ ۲۲ رکوع ۴) کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو۔

(۳۲) حضورؐ کو سبع مثانی عطا ہونے کا انعام

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ پارہ ۱۴ رکوع ۶)

اور بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

(۳۳) حضورؐ نے فتح مکہ کی پیشین گوئی فرمائی :۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ۔

(پارہ ۲۶ رکوع ۱۲)

بے شک اللہ نے سچ کر دیا اپنے رسولؐ کا سچا خواب۔ بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے، اگر اللہ چاہے امن وامان سے اپنے سروں کے منڈاتے۔

(۳۴) حضورؐ پر ایمان لانے والوں کے درجات اور اُن کا صلہ :۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ۔

(پارہ ۲۶ رکوع ۵)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمدؐ پر اُتارا گیا۔ اور وہی ان کے رب کے پاس سے حق ہے اللہ نے ان کی بُرائیاں اتار دیں اور اُن کی حالتیں سنوار دیں۔

(۳۵) حضورؐ کے مزاج اور نرم دلی کی تعریف :۔

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۔

(پارہ ۴ رکوع ۸)

توکیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوبؐ! تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔

(۳۶) اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمام پیغمبروں سے حضورؐ پر ایمان لانے کا عہد لیا:۔

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰى ذٰلِكُمۡ اِصۡرِىۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝ (پارہ ۳ رکوع ۱۷)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسولؐ کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرنا۔ فرمایا۔ کیوں تم نے اقرار کیا اور اُس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا۔ تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

(۳۷) حضورؐ کو معجزہ شق القمر دیا گیا:۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝

(پارہ ۲۷ رکوع ۸)

پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔

(۳۸) ازواج مطہراتؓ کا مقام بلند:۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۱) — اے نبیؐ کی بیبیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں۔

(۳۹) حضورؐ کے وطن کی عظمت :۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ (پارہ ۳۰ رکوع ۲۵) — مجھے اس شہر کی قسم، کہ اے محبوبؐ! تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمہارے باپ ابراہیمؑ کی قسم اور اس کی اولاد کی کہ تم ہو

(۴۰) اللہ تعالیٰ حضورؐ پر اپنی نوازشاتِ بے غایات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۠ (پارہ ۳۰ رکوع ۸) — اور تجھے طالب (راہِ حق) پایا تو اپنی طرف راہ دکھا دی۔

نوٹ :۔ بعض نام نہاد موحدین نے مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ کیا ہے :۔ "اے نبیؐ! ہم نے تجھے بھٹکا ہوا پایا پھر ہدایت دی"۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ایک طرف اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوبؐ کے متعلق یہ فرمان کہ :۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ (پارہ ۲۷ رکوع ۵) — تمہارے رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ گمراہ ہوئے نہ نفس پرست بنے۔

اور پھر اُن کے متعلق یہ فرمائے کہ "ہم نے تجھے بھٹکا ہوا پایا" کیا تضاد نہیں ہے؟ اور کیا کلامِ خدا میں تضاد ممکن ہو سکتا ہے؟ کوتاہ نظر و کم سواد مترجمین نے یہ نہ سوچا کہ اس قسم کے ترجمے کرنے میں اپنے معصوم نبیؐ پر کس قسم کی زد پڑے گی۔ ہر جگہ ایک ہی لفظ کے ایک ہی معنی نہیں ہوا کرتے۔

ضال کے معنی یہاں طالب ہیں اور یہی معنی بلحاظ ترتیب اس مقام کے لئے درست ہیں۔ کیونکہ ترتیب کے لحاظ سے اس آیت کے بعد یہ آیت ہے کہ :۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ہ یعنی تم بھی کسی وقت سائل تھے ۔ اس لئے سائل، کو مت ڈانٹو ۔ اور یہ لفظ ایک معنی میں محب بھی ہے ۔ اور یا وہ ایسا طالب ہے کہ اپنے وجود کو طلب میں محو کر دیتا ہے حضرتِ یعقوب علیہ السّلام کے متعلق جو ضال کا لفظ آتا ہے اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ہ (پارہ ۱۳ رکوع ۵) تو اس سے مراد ان کی حضرتِ یوسف علیہ السلام سے بہت محبّت ہے ۔

اب دیکھ لیجئے وہی آیت ہے جس کے بھٹکنے کے معنی نکالے گئے ہیں ۔ اور عبارت کے سیاق و سباق سے اسی لفظ ضال کے معنی بجائے بھٹکنے کے محب اور طالب کے نکل آئے اور اس میں کسی قسم کا تضاد بھی نہیں ۔

چوتھا باب

فضائل مصطفویّہ از احادیث نبویّہ،

احادیثِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) میں فضائل النبیؐ کے بے انتہا ذخائر موجود ہیں۔ اگر پوری وسعت کے ساتھ ان کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر بن جائے۔ لہٰذا بخوفِ طوالت چند فضائل کے درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

فضائل کا استنباط زیادہ تر احادیث صحیحہ سے کیا گیا ہے۔

اوّل و آخر

۱۔ حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتہ "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "میں پیدائش کے لحاظ سے سب نبیوں سے پہلے پیدا کیا گیا تھا اور دعوت و بعثت کے لحاظ سے سب سے آخر میں آیا۔ اس لئے میثاق کی ابتداء مجھ سے کی گئی۔

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل صـ۱۳)

۲۔ میسرہ الفجر سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ کہ آپ کس وقت سے نبی ہیں؟ تو فرمایا۔ "میں اُس وقت سے نبی ہوں۔ جب آدمؑ روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی ابھی تک قالب انسانی کی تکمیل نہیں ہوئی تھی) (خصائص الکبریٰ جلد اوّل صـ۳)

نوٹ:۔ حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ لمعاتِ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے

ہیں کہ :-

"جس طرح حکماء کے قریب آدمؑ کے کواکب سیّارہ کا نور یا ثوابت کا نور بھی علی اختلاف القولین شمش کے نور سے مستفاد ہے اسی طرح جملہ انبیاء کی نبوّت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے مستفاد ہے۔ نبوّت کے حامل اوّلاً اور بالذّات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ثانیاً اور بالعرض دوسرے انبیاء علیہ السلام۔ اس لئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ الخ (الحدیث) اور اس پر دال ہے آیتہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیتہ۔"

مولانا برکت اللہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ" اس حدیث کا مطلب یہ ہے، کہ آنحضور صلعم کی روحِ اطہر تمام موجودات سے پہلے پیدا کی گئی اور تمام ارواح مکلفین کی طرف مبعوث کی گئی۔ جو ارواح حضور صلعم کی روحِ پُرفتوح کے بعد مخلوق کئے گئے تھے۔ پس آنحضور صلعم کی روحِ مکرم نے ان ارواح کی طرف حقیقتہ احدیتہ کی تبلیغ کی۔ پس جو اس کا اہل تھا وہ ایمان لایا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ باقی انبیاء کرام ابدان عنصریہ کی تخلیق سے پہلے نبی نہیں ہوئے۔ مرزا جان جاناںؒ نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ" اگر نبی کے معنی حقیقی مراد ہیں تو نبی وہ انسان ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ تبلیغ احکام کے لئے مخلوق کی طرف بھیجے۔ لہٰذا کنت نبیاء کے یہ معنی تو نہیں ہیں۔ اگر مجازی معنی مراد ہوں یعنی ارادۃ اللہ میں۔ میں نبی تھا تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ اللہ کے ارادے میں تقدیم و تغییر نہیں۔ ذکَیْفَ یَسْتَقِیْمُ۔" شیخ عمرؒ نے جواب دیا ہے۔ کہ" ہم دوسرے معنی مراد لیتے ہیں۔ یعنی میں مشتہر بالنبوۃ تھا اور آدمؑ روح اور جسد کے درمیان تھا۔" اور صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آدمؑ کے وجود سے چالیس ہزار سال پہلے آدمؑ کی پیدائش کی خبر دی تھی۔

آدمؑ کے لئے وسیلہ :-

عمرؓ ابن خطاب سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا "جب آدم علیہ السلام نے خداوند قدوس کے سامنے اپنی خطا کا اعتراف کیا اور کہا کہ الٰہی مجھے محمدؐ عربی کے صدقہ میں بخش دیجیو۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے آدمؑ! تو نے (میرے) محمدؐ کو کس طرح پہچانا؟ تو آدم علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہ الٰہی! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور میرے جسم میں (اپنی رحمت سے) روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش مجید کے پایوں پر" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ "لکھا ہوا پایا تو میں نے معلوم کر لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اپنی سب مخلوق سے زیادہ محبوب کا نام ہی اضافہ کیا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدمؑ! تو نے سچ کہا ہے۔ اگر (میرا) محمدؐ نہ ہوتا۔ تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص۶)

نبوّت کب عطا ہوئی؟

روایت میں آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا" لہٰذا کُنْتُ نَبِیًّا سے اشارہ ہے۔ آپؐ کی روح مبارکہ کی طرف یا حقیقت کی طرف، اور حقائق کو ہماری ناقص عقلیں نہیں سمجھ سکتیں۔ ان کو ان کا خالق جان سکتا ہے یا جسے اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے۔ پھر ان حقائق میں سے جس حقیقت کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے دیتا ہے۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے تھی۔ اللہ نے اسے یہ وصف عطا کیا۔ چونکہ اس کی تخلیق اس وصف کے لئے تیار تھی۔ اس لئے اسی وقت اس پر یہ فیضان ہوا۔ اور آپ نبیؐ بنائے گئے اور آپؐ کا نام مبارک عرش پر لکھا گیا"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص۴،۵)

نسب مبارک:-

۱- ابنِ عبّاسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ "میرا نسب شریف آدمؑ سے لے کر آج تک نکاح کی صورت میں تبدیل ہوتا چلا آیا ہے۔ اس میں زنا کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوا" (یعنی میرے آباؤ اجداد میں سے کوئی زانی نہیں ہوا) (خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص۳۴)

۲- علیؑ ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں [redacted]، آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کہ میرے والد ماجد اور میری والدہ مکرمہ نے مجھے جنا اور زمانۂ جاہلیت کے زنا و حرام کی میرے نسب میں ایک شئے بھی داخل نہیں" (خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص۳۷)

شبِ ولادت کا ذکر

شرائطبی نے ہوالف میں اور ابن عساکر نے عروہ سے نقل کیا ہے کہ "قریش مکہ کے چند معتبر افراد جن میں ورقہ بن نوفل، زید بن عمر بن نفیل، عبید اللہ بن جحش اور عثمان بن ہومیر ایک بت کے پاس اکثر جمع ہوا کرتے تھے۔ ایک رات اس پر داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ بت منہ کے بل اوندھا گرا ہوا ہے۔ انہوں نے اس بات کو مکروہ سمجھتے ہوئے اسے اپنی اصلی حالت پر قائم کیا۔ لیکن پھر وہ اسی طرح زبردستی منہ کے بل گر گیا۔ بعد میں عثمان بن ہومیر نے کہا کہ وہ امر پیدا ہو گیا ہے (یعنی نبی آخر زماں) اور یہ وہ رات تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پردۂ اخفا سے صفحۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے تھے"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص۵۲)

مختون پیدا ہوئے

۱- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "میرے رب کی عنائتوں سے جو اس نے مجھ پر کی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ مادر زاد مختون پیدا ہوا۔ کسی شخص نے میرا ستر نہیں دیکھا" (خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص۵۳)

۲۔ عطاء نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم مختون اور ہنستے ہوئے پیدا ہوئے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ اس بارے میں احادیث نبویؐ حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ آنحضرت صلعم مختون پیدا ہوئے۔"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص ۵۳)

ولادت باسعادت کے وقت روشنی

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہوں اور خاتم النبیین تھا۔ جب حضرت آدمؑ اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ میں تم کو اس قول کی تاکید کی مندرجہ ذیل امور کی خبر دیتا ہوں:۔

اوّل۔ میرے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا جو اس نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت کی تھی۔ دوم۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت جو انہوں نے اپنی اُمت کو دی تھی۔ سوم۔ وہ خواب جو میری والدہ ماجدہ نے میرے متعلق دیکھے، اور تمام نبیوں کی مائیں اسی طرح انبیاء کی پیدائش سے قبل مبشرات دیکھتی رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے حضورؐ کی ولادت کے وقت ایک نور دیکھا جس کی روشنی میں انہوں نے ملک شام کے محل دیکھے۔ (خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص ۴۵، ۴۶)

فرشتوں کی خدمت

حافظ ابوالفضل ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے ولادت میں کلام فرمایا۔ اور ابن سبع نے خصائص میں ذکر کیا، کہ آنحضرت کے گہوارہ مبارک کو فرشتے ہلایا کرتے تھے اور سب سے پہلا کلام جو آنحضرت صلعم نے فرمایا وہ یہ تھا کہ "اے خداوند تو سب سے بڑا ہے اور تیری حمد بے شمار ہے۔"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص ۵۳)

گہوارہ میں چاند

حضرت عباس رضؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ" میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضورؐ! آپؐ کے دین میں داخل کرنے والی آپؐ کی نبوت کی ایک علامت ہے جو میں نے دیکھی وہ یہ ہے کہ میں نے آپ کو گہوارہ شریف میں دیکھا کہ آپؐ چاند سے باتیں کر رہے تھے اور چاند کی طرف انگلی سے اشارہ بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب آپؐ اس کی طرف اشارہ فرماتے تو وہ آپؐ کی طرف جھک جاتا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے۔ اور چاند مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور اس وقت میں اس کی آواز سنتا تھا، جبکہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا"

(خصائص الکبریٰ جلد اول ص ۵۵)

بادلوں کا سایہ

عطاء ابن ریاح، حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضؓ رضی اللہ عنہا (حضورؐ کی رضاعی والدہ) آنحضرت صلعم کو آنکھوں سے نہیں جانے دیا کرتی تھیں۔ ایک دن اتفاقاً وہ غافل ہو گئیں۔ اور حضورؐ اپنی رضاعی بہن شیماؔ کے ساتھ دوپہر کے وقت ریوڑ کی طرف چلے گئے۔ ادھر حلیمہ سعدیہ رضؓ بھی پیچھے تلاش میں چل پڑیں حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بہن کے ساتھ پالیا۔ تو مائی حلیمہ رضؓ کہنے لگیں ایسی شدت کی گرمی میں کہاں نکل آئے۔ شیماؔ نے کہا، امّی جان! میرے پیارے بھائی نے تو گرمی نہیں دیکھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آنحضرت صلعم پر بادل سایہ کئے ہوتے۔ اگر آپؐ کہیں ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا۔ اگر آپؐ چل پڑتے تو بادل بھی چل پڑتا حتیٰ کہ یہاں پہنچ گئے۔ مائی حلیمہ رضؓ نے متعجب ہو کر دریافت کیا کہ بیٹی! کیا یہ واقعہ سچا ہے؟ تو شیماؔ نے جواب دیا۔" امّی جان! خدا کی قسم ایسا ہی ہوا ہے"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل ص ۵۸)

نظر مبارک

۱- ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ" کیا تم میرے قبلہ کو دیکھ رہے ہو؟ (یعنی میرے درمیان ہونے کی وجہ سے تمہیں میرا قبلہ نظر نہیں آتا) اور اللہ کی قسم! کہ مجھ پر تمہارا رکوع اور سجود کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔" (خصائص الکبریٰ جلد اوّل صلا۶)

۲- حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" اے لوگو! میں تمہارے آگے ہوتا ہوں۔ تم مجھ سے پہلے رکوع اور سجدے میں نہ چلے جاؤ (اور یہ نہ سمجھو مجھے اس بات کا علم نہیں ہوتا بلکہ میں تمہیں اپنے آگے اور پیچھے ہر طرح دیکھتا ہوں۔"

۳- حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں اس طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل صلا۶)

لُعابِ دہن مُبارک

۱- وائل بن حجر سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ایک ڈول لایا گیا اور آپؐ نے اس ڈول سے پانی پی کر باقی پانی کو کنوئیں میں ڈال دیا تو کنوئیں سے کستوری کی خوشبو آنے لگی۔" (خصائص الکبریٰ جلد اوّل صہ۶۱)

۲- حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ میری حویلی کے کنوئیں میں تھوکا تھا۔ زاں بعد مدینہ طیبہ میں کوئی کنواں میرے کنوئیں سے میٹھے پانی والا نہ تھا۔"

۳- زرینہ (حضورؐ کی لونڈی) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم عاشورہ کے روز اپنے شیر خوار بچوں اور مائی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بچوں کو بلاتے تھے اور اُن کی ماؤں کو فرما دیتے تھے کہ رات تک ان کو دودھ مت پلاؤ۔ اتنے وقت تک آنحضرت صلعم کا لعاب دہن ہی بچوں کو کافی ہوتا تھا۔"

(خصائص الکبریٰ جلد اوّل صلا)

حضورؐ دوزخ سے بچاتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں تمہاری کمریں پکڑے تمہیں آگ سے بچا رہا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے نکلنا چاہتے ہو۔"
(احمد وطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعودؓ)

حضورؐ کے ذریعہ سے ہر نعمت حاصل ہوتی ہے

۱۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے شعیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی کہ بے شک میں ایک نبیؐ اُمّیؐ کو بھیجنے والا ہوں۔ جس کے ذریعے سے بہرے کان، غلاف چڑھے دِل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا۔ اور اس کے سبب سے گمراہی کے بعد ہدایت دوں گا۔ اس کے ذریعہ سے ناشناسی کے بعد شناخت دوں گا۔ اس کے سبب سے محتاجی کے بعد غنی کر دوں گا۔ اس کے واسطے سے کمی کے بعد کثرت دوں گا۔ اس کے وسیلہ سے پھوٹ کے بعد یک دلی دوں گا۔ اس کے وسیلہ سے پریشان دلوں، متفرق اُمتوں میں میل کرا دوں گا۔" (۱)

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ نے عرش بنایا۔ اس پر نور کے قلم سے (جس کا طول مشرق سے مغرب تک تھا) لکھا اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں انہیں کے واسطے سے لوں گا، اور انہیں کے وسیلے سے دوں گا۔ ان کی اُمت سب اُمتوں سے افضل ہے اور ان کی اُمت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں۔" (۲)

---

(۱) الامن والعلا از مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ صـ۲۶ (۲) ایضاً

حضورؐ کو اختیار و تصرّف کی کنجیاں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا رعب سے میری مدد فرمائی گئی۔ کہ مہینہ کی مسافت سے میرا دشمن میرا نام سن کر کانپے اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔"

امام جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کی تصدیق کی ہے۔ (۱)

حضورؐ کے اوصاف فرشتوں کی زبان سے

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب استراحت فرما رہے تھے تو آپؐ کی خدمت میں چند فرشتے حاضر ہوئے۔ تو بعض فرشتوں نے کہا یہ سوتے ہیں اور بعض نے کہا ان کی آنکھ سوتی ہے مگر قلب جاگتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ تمہارے آنحضرت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مثال ہے۔ وہ مثال بیان کرو۔ تو بعض فرشتوں نے کہا وہ سوتے ہیں اور بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے۔ مگر قلب جاگتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگے ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے مکان بنایا۔ اور لوگوں کی دعوت کے واسطے کھانا پکایا۔ پھر ایک بلانے والے کو لوگوں کے پاس بھیجا۔ پس جس شخص نے اس بلانے والے کے کہنے کو قبول کیا وہ مکان میں داخل ہوگا اور کھانا بھی کھائے گا۔ اور جو بلانے والے کے کہنے کو قبول نہیں کرے گا۔ وہ نہ مکان میں داخل ہوگا اور نہ ہی کھانا کھائے گا۔ پھر انہوں نے کہا۔ اس کی توضیح کر دو تاکہ وہ اسے سمجھ لیں۔ تو بعض کہنے لگے یہ سوتے ہیں بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا ہے۔ پھر کہنے لگے وہ مکان جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی،

(۱) الامن والعلا

اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، اس نے خدا کی نافرمانی کی۔" (صحیح بخاری۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

محبّت مصطفےٰ کی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے

۱۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ تم میں سے کوئی (کامل) ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔" (صحیح بخاری)

۲۔ حضرت انسؓ سے بھی بعینہٖ یہ حدیث مروی ہے مگر اس کے آخر میں یہ الفاظ زائد ہیں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔" (صحیح بخاری)

قبر میں حضورؐ کی نسبت سوال

اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے کہ "میں ایک روز حضرت عائشہؓ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ . . . . . لوگوں کا کیا حال ہے؟ (یعنی کیوں اس قدر گھبرائے ہوئے ہیں) انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، کہ دیکھو سورج میں گرہن ہے۔ پھر اتنے میں سب لوگ نماز کسوف کے لئے کھڑے ہوگئے، تو عائشہؓ نے کہا۔ سبحان اللہ! میں نے پوچھا کیا گرہن کوئی علامت عذاب ہے؟ انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ کہ ہاں۔ پھر میں بھی نماز کے لئے کھڑی ہوگئی حتیٰ کہ مجھ پر غشی طاری ہوگئی۔ تو میں اپنے سر پہ پانی ڈالنے لگی۔ جب نماز ہوچکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی حمد وثنا بیان کرکے فرمایا۔ جو چیز مجھے اب تک نہ دکھائی گئی تھی اُسے میں نے اسی وقت اپنی اسی جگہ میں کھڑے کھڑے دیکھ لیا، یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی۔ اور میری طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ قبروں میں تمہاری آزمائش ہوگی۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ تجھے اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

سے کیا واقفیت ہے تو مومن کہے گا - یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس معجزات اور ہدایات لے کر آئے تھے سو ہم نے ان کی بات مان لی اور ان کی پیروی کی - یہ محمدؐ ہیں - یہ محمدؐ ہیں - چنانچہ اس سے کہہ دیا جائے گا کہ تو آرام سے رہ - بے شک ہم نے جان لیا کہ تو محمد صلعم پر ایمان رکھتا ہے - لیکن منافق یا شک کرنے والا کہے گا - کہ میں (اصل حقیقت تو) نہیں جانتا - ہاں لوگوں کو ان کی نسبت جو کچھ کہتے ہوئے سنا وہی میں نے بھی کہہ دیا ۔" (صحیح بخاری)

خصائص النبیؐ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا - کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں اور رسولوں پر چھ چیزوں میں فضیلت دی ہے :-

۱ - مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں ۔
۲ - میری فتح و کامرانی کے لئے مجھے دشمنوں کے مقابلہ میں خاص رُعب بخشا ہے
۳ - میری اُمت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال کیا ۔
۴ - تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک قرار دی ۔
۵ - مجھے تمام مخلوق کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ۔
۶ - انبیاء و رسل کی نبوّت مجھ پر ختم کر دی ۔ (مسلم)

اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چند وہ فضائل درج ہیں - جن کو آپؐ کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے - اس لئے مناسب ہے کہ اختصار کے ساتھ ان فضائل اور خصوصیات کو بیان کر دیا جائے ۔

جوامع الکلم

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ   اور جس کو سمجھ ملی ، اس کو بڑی

خَيْرًا كَثِيْرًا ط (پارہ ۳ رکوع ۵) خوبی ملی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ" مجھے خدا نے جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں۔ جوامع الکلم دانائی کی وہ بات ہے، جو ایک مختصر سے جملہ میں اسی طرح ادا کر دی جائے کہ اگر عقلاء زمانہ اور حکماء دہر بھی اس بات کی حقیقت کو ادا کرنا چاہیں تو کئی صفحات کی تحریر اور کئی گھنٹوں کی تقریر میں بمشکل اس سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ احادیث صحیحہ میں سے اُن چند جوامع الکلم کو بھی نقل کر دیا جائے جو ان مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حقائق کو بیان کرتے ہیں۔ جن کو بڑے بڑے حکماء نے مستقل تصانیف میں ادا کیا ہے۔

تعلیم و تربیت

۱۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ اَنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ حَتّٰى الْحِيْتَانُ فِي الْبَحْرِ۔
(معجم طبرانی عن انس)

ہر مسلمان کے لئے علم کا سیکھنا ضروری ہے۔ اور طالب علم کے لئے ہر شئے استغفار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ دریا میں مچھلیاں بھی۔

۲۔ اَلْعِلْمُ خَلِيْلُ الْمُؤْمِنِ وَ الْعَقْلُ دَلِيْلُهٗ، وَالْعَمَلُ قِيْمَتُهٗ۔
(شعب الایمان بیہقی عن الحسن مرسلا)

علم مؤمن کا دوست ہے اور عقل اس کی دلیل راہ۔ اور عمل اس کی قیمت ہے۔

۳۔ اَلْعِلْمُ حَيَاةُ الْاِسْلَامِ وَ عِمَادُ الدِّيْنِ۔ (ابو الشیخ عن ابن عباس)

علم اسلام کی حیات ہے اور دین کا ستون۔

۴۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ ط
کامل بن عدی عن انس)

علم کو حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو

۵۔ مَنْ یُرِدَ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا تَفَقِیْہَ فِی الدِّیْنِ وَ یُلْہِمْہُ رُشْدَہٗ۔ (ترمذی و حلیہ ابی نعیم عن ابن مسعود)

خدا جسے بھلائی دینے کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ اور اس کی طرف صحیح رہنمائی عطا فرماتا ہے۔

۶۔ کَلِمَۃُ الْحِکْمَۃِ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا۔

حکمت مومن کی متاع گمشدہ ہے مومن اسے جس جگہ پائے وہ اس کا حق ہے۔

۷۔ لَیْسَ مِنِّیْ اِلَّا عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ (ابن عساکر عن ابن عمرؓ)

عالم اور طالب علم کے علاوہ کوئی میرے طریق پر نہیں۔

۸۔ فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔ (ترمذی عن ابن عباس)

ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔

میانہ روی

۱۔ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ (شیخین عن انس)

آسانی کا معاملہ کرو۔ تنگی نہ پیدا کرو۔ بشارت دو۔ نفرت نہ پیدا کرو۔

۲۔ خُذُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَوَاللّٰہِ لَا یَسْأَمُ اللّٰہُ حَتّٰی تَسْأَمُوْا (مسلم عن عائشہ)

عمل بقدر طاقت پیدا کرو۔ خدا کی قسم، خدا ملول نہیں ہوتا۔ تم ہی ملول ہو جاؤ گے۔

۳۔ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا (بخاری عن ابی ہریرۃ)

درست کاری کرو اور میانہ روی برتو۔

۴۔ اِنَّ الْھَدْیَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعَۃٍ وَّعِشْرِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّۃِ۔۔ (ابو داؤد عن ابن عباس)

نیک خصلت، خوشروئی اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔

۵۔ اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ۔ (کنز العمال عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

اخراجات میں میانہ روی نصف خوش عیشی ہے۔

سعی و عمل

۱۔ اَلتَّدْبِيْرُ نِصْفُ الْعَيْشِ (کنز العمال عن انس)

تدبیر کار نصف زندگی ہے۔

۲۔ مَنْ اَبْطَأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔ (ایضاً)

جو عمل میں پیچھے رہا اس کو نسب کارآمد نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰی۔ (شیخین عن ابی ہریرۃ)

سخی کا ہاتھ سائل کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

۴۔ عُلُوُّ الْهِمَّةِ مِنَ الْاِيْمَانِ

بلند ہمتی ایمان کا حصہ ہے۔

۵۔ اِعْمَلِ الدُّنْيَاكَ كَاَنَّكَ تَعِيْشُ اَبَدًا وَاعْمَلْ لِاٰخِرَتِكَ كَاَنَّكَ تَمُوْتُ غَدًا۔

کارہائے زندگی کو ناپائیدار سمجھ کر اور کارہائے آخرت کے وقت یہ خیال کر کہ کل ہی موت کا سامنا ہے۔

امانت و عہد

۱۔ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔ (شعب الایمان بیہقی عن انس)

امانت کے بغیر ایمان نہیں اور عہد کے بغیر دین نہیں۔

۲۔ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (شیخین عن ابی ہریرۃ)

منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو خلاف کرے۔ اور امانت میں خیانت کرے۔

۳۔ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔
خائن ہم میں سے نہیں۔
(کنز العمال عن ابن مسعود)

۴۔ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ۔
مجالس سپردیہ امانت ہیں۔
(ابوداؤد عن جابر)

۵۔ حُسْنُ الْعَهْدِ مِنَ الْاِيْمَانِ،
حُسنِ عہد ایمان کی نشانی ہے۔

۶۔ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ۔
اداء دین میں مالدار کی جانب سے تاخیر ظلم ہے۔
(صحاح ستہ عن ابی ہریرہ)

احسان

۱۔ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ۔
ہر ایک بھلائی صدقہ ہے۔
(حاکم عن جابر)

۲۔ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَ لٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِيْ اِذَا قَطَعَتْ رَحِمُتَهٗ وَصَلَهَا۔
صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے، جو بدلہ میں صلہ رحمی کرے، بلکہ جو قطع رحمی کے مقابلہ میں صلہ رحمی کرے وہ صلہ رحمی کرنے والا ہے۔
(بخاری عن ابن عمرؓ)

۳۔ اَلْاٰمِرُ بِالْمَعْرُوْفِ كَفَاعِلِهٖ۔
نیکی کا بتلانے والا نیکی کرنے کی مثل ہے۔
(دیلمی عن عبد اللہ بن خراد)

۴۔ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ۔
تم میں بہترین وہ شخص ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ثابت ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سے بہتر ہوں۔
(ترمذی عن عائشہؓ)

۵۔ بِرُّوْا اٰبَاءَكُمْ تَبَرَّكُمْ اَبْنَاءُكُمْ۔
اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ بھلائی کرے گی،
(طبرانی اوسط عن ابن عمرؓ)

شفقت و رحمت

۱۔ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ۔

(ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ)

مسلمانوں میں بہترین وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ حُسنِ سلوک برتا جاتا ہو، اور بدترین وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے۔

۲۔ اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ۔

(ترمذی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص)

رحم کرنے والوں پر ہی خدا کا رحم ہوتا ہے تم اہلِ زمین پر رحم کرو خدا تم پہ رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

۳۔ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا فَقَالَ فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرًا۔

(بخاری عن ابی موسیٰ)

صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! جانوروں کے رحم کرنے میں بھی ہم کو ثواب ملتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک جاندار پر رحم کرنے میں اجر و ثواب ہے،

۴۔ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ۔

(شیخین عن ابی ہریرۃ)

بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ مریض کی عیادت کرو۔ مظلوم قیدی کی رہائی کے لئے کوشش کرو۔

۵۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔

(ترمذی عن انس)

جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہمارے طریق سے جُدا ہے۔

دفع ایذا

۱۔ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَرِدُ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (شرح السنہ عن ابی الدرداء)

جو اپنے مسلمان بھائی کو بے آبروئی سے بچائے گا۔ خدائے تعالیٰ اس کو قیامت کے دن نارِ جہنم سے بچائے گا۔

۲۔ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ (بخاری عن عبداللہ بن عمرؓ)

مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

۳۔ لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ۔ (موطا مالک عن ابی شریح العدوی)

نہ نقصان اُٹھانا چاہیئے اور نہ نقصان پہنچانا چاہیئے۔

۴۔ لَايُؤْمِنُ الَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ (شیخین عن انسؓ)

وہ مومن نہیں ہے جس کے خطرات سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں

۵۔ اِنَّ فِي الْعُزْلَةِ الرَّاحَةَ مِنْ خِلَاطِ السُّوْءِ۔ (عن ابی الدینار عن عمرؓ)

بُرے ہم جلیس سے تنہائی میں راحت ہے۔

عدل وشوریٰ

۱۔ اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (شیخین عن عبداللہ بن عمرؓ)

ہر شخص ذمّہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا (متعلقہ افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

۲۔ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَدْنَاهُمْ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللهِ

خدا کے نزدیک محبوب ترین اور اس کی رحمت سے قریب ترین، امام عادل ہے۔ اور مبغوض ترین اور اس

وَاَبْعَدُهُمْ اِمَامٌ جَائِرٌ۔
(ترمذی عن ابی سعید)

کی رحمت سے بعید امام ظالم ہے۔

۳۔ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ۔
(کامل ابن عدی عن ابی ہریرۃ)

جس سے مشورہ لیا جائے، اسے صحیح مشورہ دینا چاہیئے۔

۴۔ رَأْسُ الْعَقْلِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ اَلتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ وَمَا اسْتَغْنٰى مُسْتَبِدٌّ بِرَأْيِهٖ وَمَا هَلَكَ اَحَدٌ مُشْوَرَةٍ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ هُلْكَتَهٗ كَانَ اَوَّلَ مَا يُهْلِكُهٗ رَأْيُهٗ۔

ایمان کے بعد اعلیٰ عقل مندی لوگوں کے ساتھ محبّت کا برتاؤ ہے اور خود رائے انسان کبھی کاربراری نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شخص مشورہ کی بدولت ہلاک نہیں ہوا۔ اگر خدا کو کسی کی ہلاکت منظور ہوتی ہے تو سب سے پہلے خود رائے کی خود رائی اسے برباد کرتی ہے

ظلم واستبداد

۱۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
(صحیحین عن ابن عمرؓ)

ظلم قیامت میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔

۲۔ اِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّمَا يَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى حَقَّهٗ وَاِنَّهٗ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهٗ۔
(شعب الایمان عن علی)

مظلوم کی فریاد سے بچو کہ وہ خدا سے اپنا حق مانگتا ہے۔ خدا کسی صاحب حق کے حق کو نہیں روکتا۔

۳۔ اِنَّ الظَّالِمَ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ
(شعب الایمان عن علی)

ظالم اپنے ظلم سے صرف اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے۔

۴۔ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُعِيْنَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔ (طبرانی کبیر عن انس)

جو شخص جان بوجھ کر ظالم کے ظلم کی اعانت کرے۔ وہ مسلمان نہیں۔

اخوت و مساوات

۱۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔
(صحیحین عن انس)

کوئی شخص اس وقت تک مومن کہلانے کے قابل نہیں جب تک کہ اس میں یہ جذبہ پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے بھائی کیلئے اسی چیز کو پسندیدہ سمجھے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۲۔ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ۔
(شعب الایمان عن انس)

مخلوق خدا کا کنبہ ہے اس لئے خدا کے نزدیک محبوب ترین وہ شخص ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

۳۔ اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔
(ترمذی عن ابی ھریرۃ)

تمام انسان بنی آدمؑ ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے ہیں۔

۴۔ مَنْ اٰذٰی ذِمِّیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ۔

جس نے ذمی کو تکلیف دی اس نے گویا مجھے تکلیف دی۔

۵۔ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ۔
(ترمذی عن ابن عمرؓ)

جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔

۶۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔
(صحیحین عن ابی ھریرۃ)

تجسس نہ کیا کرو۔ نہ تنافس کرو اور آپس میں حسد اور بغض بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے سے روگردانی کر کے چلو، بلکہ سب خدا کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔

اعلانِ حق

۱- قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا -

حق بات کہو اگرچہ تلخ اور ناگوار گزرے

۲- اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً -

صاحبِ حق کو حق طلبی کا حق ہے -

(صحیحین عن ابی ہریرۃ)

۳- اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ -

افضل ترین جہاد بادشاہ ظالم کے سامنے حق بات کا ظاہر کرنا ہے -

(ترمذی عن ابی سعید)

۴- يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلٰى كُلِّ خَلَّةٍ غَيْرَ الْخِيَانَةِ وَالْكِذْبِ -

مومن میں سوائے نامردی اور جھوٹ کے ہر ایک بری صفت کا امکان ہے -

(ترمذی عن سعد بن معاذ)

حزم و احتیاط

۱- دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ

خطرے کا راستہ چھوڑ کر قابلِ اطمینان راستہ حاصل کرو -

۲- اَلْحَزْمُ اَنْ تُشَاوِرَ ذَا رَاْيٍ ثُمَّ تُطِيْعَهٗ -

نیک اندیشی یہ ہے کہ اول ذی رائے شخص سے مشورہ کرے پھر اس کے مشورہ پر عمل کرے -

۳- اَلْجَارُ قَبْلَ الدَّارِ -

سکونت مکان سے قبل پڑوسی کو دیکھ لو -

(خطیب فی الجامع عن علی)

۴- اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ -

جنگ حیلہ ہے -

(ترمذی عن جابر)

۵- اَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا

دوست کی دوستی اور دشمن کی

مَا عَسٰى اَنْ يَكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَا وَالبغض بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَا عَسٰى اَنْ يَكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَا - (ترمذی عن ابوہریرۃ)

دشمنی میں حد سے زیادہ نہ بڑھو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی روز دوست دشمن اور دشمن دوست بن جائے، اور پچھتانا پڑے۔

حفظانِ صحت

۱- نَحْنُ قَوْمٌ لَا نَاْكُلُ حَتّٰى نَجُوْعَ وَاِذَا اَكَلْنَا فَلَا نَشْبَعُ -

ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے۔ اور جب کھاتے ہیں پیٹ بھر کر نہیں کھاتے

۲- اَلْمَعِدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَاْسُ كُلِّ دَوَاءٍ وَاَصْلُ كُلِّ دَاءٍ اَلْبَرُوْدَةُ -

معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز تمام دواؤں کی اصل ہے اور ہر مرض کی جڑ غذا پر غذا استعمال کرنا ہے

مکارمِ اخلاق

۱- بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ
(کنز العمال عن ابی ہریرۃ)

میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

۲- اِيَّاكَ قَرِيْنَ السُّوْءِ فَاِنَّكَ بِهٖ تُعْرَفُ - (ابن عساکر عن انسؓ)

بُرے کی صحبت سے بچو، اس لئے کہ صحبت ہی سے آدمی کی پرکھ ہوتی ہے

۳- اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ -

حیاء ایمان کی شاخ ہے۔

۴- خَيْرُ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا
(کنز العمال ابن عمرؓ)

بہترین انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔

۵- زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا
(بزار عن ابی ہریرۃ)

غائب ہو کر ملاقات کیا کرو از دیاد محبت ہے۔

۶۔ اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ (مسلم عن نعمان بن بشیر) — جنّت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

۷۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃ) — مسلمان کے اسلام کی خوبیوں میں سے بڑی خوبی لایعنی باتوں کا ترک کرنا ہے۔

۸۔ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی۔ (للشیخین عن انسؓ) — حقیقی صبر، مصیبت کو اوّلاً ہی برداشت کرلیتا ہے۔

۹۔ اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (بخاری عن ابن مسعود) — جب تم کو شرم نہ رہے تو جو چاہے کر۔

حقیقتِ مذہب

۱۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مسلم عن سفیان بن عبداللہ الثقفی) — اللہ پر ایمان لا۔ پھر استقامت دکھا۔

۲۔ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ ھٰذَا الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا۔ — دین آسان ہے اور جو شخص اپنے اوپر دین کو سخت بناتا ہے مغلوب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا درست کاری کرو اور میانہ روی برتو۔

۳۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ۔ (مسلم عن تمیم الداری) — دین خیر خواہی کا نام ہے۔

۴۔ اَلدِّیْنُ الْمُعَامَلَۃُ۔ — دین درستئ معاملہ کا نام ہے۔

رُعب

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا — مَیں دل میں ڈال دوں گا کافروں کے

الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (پارہ ۹ رکوع ۱۶)

دہشت سو مارو گردنوں پر اور کاٹو ان کی پور پور۔

رُعب ایسی صفت کا نام ہے جس کا اثر صاحب رعب کی شجاعت، دیانت، وتقویٰ، ثبات واستقلال کی وجہ سے دوسروں پر پڑتا ہے۔ اور دوسرے اس کی صفت سے متاثر ہو کر مغلوب ہوتے ہیں۔ حدیث میں آپؐ کی اس صفت کا مظہر دشمنانِ خدا کو قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ دوسری جگہ ارشاد مبارک ہے :۔ "نصرتُ بالرعب مسیرۃ شھر" یعنی دشمنانِ اسلام پر میرے ذاتی رعب کا اثر ایک ماہ کی مسافت تک پڑتا ہے۔

حِلّتِ غنیمت

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۠ (پارہ ۱۰ رکوع ۵)

کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا۔ ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا :۔

لَمْ تَحِلِّ الْغَنَائِمَ لِاَحَدٍ مِّنْ قَبْلِنَا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاٰى ضُعْفَاءَ وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا۔

ہم سے پہلے کسی نبی کے زمانہ میں مالِ غنیمت حلال نہیں ہوا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمارے ضعف وعجز پر نظر کر کے ہمارے لئے اس کو پاک کر دیا۔

اور بعض دوسری روایات(۱) میں ہے کہ پہلے انبیاء کے زمانہ میں غنیمت کا مال، یکجا جمع کر دیا جاتا تھا۔ اور آگ آکر اس کو جلا دیتی تھی۔ یہی اس کی قبولیت کی

(۱) مجمع الفوائد

علامت سمجھی جاتی تھی ۔توراۃ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔یہ خدا کا فضل اسی اُمت کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کے لئے مال غنیمت کے استعمال کو پاک قرار دیدیا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاءُ الله ذو الفضل العظيم ۔

طہارتِ زمین

فتیمّمُوا صَعِیدًا طَیِّبًا (پارہ ۵ رکوع ۴) ارادہ کرو پاک زمین کا۔

دوسری احادیث اور کتب قدیمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔کہ انبیاء سابقین اور اُن کی اُمت کے لئے یہ حکم تھا کہ خواہ وہ کسی جگہ بھی ،نماز عبادت خانوں میں ہی ادا کریں ۔معبد گاہوں کے علاوہ دوسری جگہ ان کو عبادت کرنا درست تھی ۔یہ بھی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ خدا کی رحمتِ کاملہ نے ان کو یہ اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ زمین کے جس حصہ پر نماز ادا کرنا چاہیں کر سکتے ہیں ۔اور تمام زمین اُمّتِ مرحومہ کیلئے مسجد ہے ۔اسی طہارت کا ایک جزو تیمم بھی ہے ۔ لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ اس حکم کے بعد مساجد میں ادائے نماز وجماعت کی کوئی فضیلت ہی نہ رہی ۔ اس لئے کہ سطور بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ خصوصیت کا حاصل صرف یہ ہے ۔کہ اور انبیاء علیہ السلام اور ان اُمتوں کیلئے معبد گاہوں کے علاوہ کسی جگہ نماز کا ادا کرنا درست ہی نہ تھا ۔ اور خاتم الانبیاء کے طفیل میں اس اُمّتِ مرحومہ کے لئے یہ آسانی کر دی گئی کہ وہ سفر اور صحراہیں اور بوقت حاجت گھر میں نماز ادا کر سکتے ہیں ۔باقی صحیح احادیث سے مسجد میں ادائے نماز کی تاکید کی ۔ اور اس کے فضائل کا جو ثبوت ملتا ہے ۔وہ اپنی جگہ پر ہے ۔اور اس کی تعمیل بہر صورت ضروری ہے ۔

بعثت عامہ

وَمَا أَرسَلنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاس ۔ اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کیلئے

(پارہ ۲۲ رکوع ۹) پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بمصداق آیت "وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ" (ہر گروہ میں خدا کے ڈرانے والے بھیجے گئے ہیں) ہر قوم میں الگ الگ نبی اور . . آئے اور پیغامِ الٰہی سناتے رہے۔ مگر جس طرح ہر شئے کا ایک آغاز اور ایک دورِ کمال ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اس نورِ الٰہی (نبوت) کے اتمام و کمال کا وقت بھی آپہنچا۔ اور خدا کا پیغام کسی ایک قوم یا ایک گروہ یا کسی ایک قرن و زمانے کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔ بلکہ خدا کی رحمت عام ہوئی۔ اور اس نے ایک ایسا نبی اور رسول بھیجا جس کی بعثت و رسالت اور جس کی رُشد و ہدایت مشرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک چار دانگ عالم پر حاوی اور شامل ہے اور اس آفتابِ نبوت کے فیضِ عام سے ہر صغیر و کبیر اور فقیر و امیر یکساں فیض یاب ہیں۔

"یا یوں سمجھو کہ جب کہ دنیا ابتداء کار میں اپنے تمدنی اسباب و ذرائع میں محدود تھی، اور تمدن کی ترقی و فراوانی کی عدم موجودگی نے ابھی دنیا کے ہر گوشہ سے جدا کر رکھا تھا۔ اور کائناتِ ہستی کا ہر ایک خطہ جدا جدا ایک مستقل حیثیت رکھتا تھا۔ جو خدا کی رحمت کی وہ بارش جس کا نام نبوت و رسالت ہے۔ حسب حال و اقتضائے عالم مختلف خطوں اور مختلف گوشوں میں جدا جدا برستی رہی اور ہر محدود و مخصوص مقام پر نبی و رسول کے ذریعہ اس کا فیضان ہوتا رہا۔ اور جوں جوں عالمِ ہست و بود نے اپنی ارتقائی زندگی میں وسعت پیدا کرنی شروع کی۔ رحمتِ الٰہی کا یہ فیضِ روحانی بھی اپنی حدود کو وسیع کرتا گیا۔ اور جب مادی، تمدنی ارتقائے عالم میں وہ ہلچل ڈالدی کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کے تمام گوشہ ہائے عالم ایک دوسرے سے مل گئے اور پچھم کی آواز پورب تک اور اُتر کی صدا دکن تک پہنچنے لگی۔ تو اب یہ رحمت (نبوت) بھی فیضِ عام ہو کر برسی۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام سے اس کا فیض بیک وقت تمام عالم پر "بعثتِ عام" بن کر پہنچا اور درگاہ الٰہی سے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ

النبیین کا عدیم النظیر خطاب پایا“ (۱)

روضۂ اقدس

روضۂ اقدس کی زمین بقول محدّث جلیل قاضی عیاض مالکی کے بلا نزاع و اختلاف سارے روئے زمین سے بڑھ کر ہے۔

وَلَاخِلَافَ فِیْ اَنَّ مَوْضِعَ قَبْرِہٖ عَلَیْہِ اَفْضَلُ بِقَاعِ الْاَرْضِ۔ — اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ روئے زمین کے سارے مقامات سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا مقام ہے۔

اور بقول ہمارے فقہاء کے :۔

فَمَا ضَمَّ اَعْضَاءَہُ الشَّرِیْفَۃُ فَھُوَ اَفْضَلُ بِقَاعِ الْاَرْضِ بِالْاِجْمَاعِ حَتّٰی مِنَ الْکَعْبَۃِ وَمِنَ الْعَرْشِ فَاِنَّہٗ اَفْضَلُ مُطْلَقًا حَتّٰی مِنَ الْکَعْبَۃِ وَالْعَرْشِ وَالْکُرْسِیِّ۔ (باب المناسک القاری) — جس جگہ حضورؐ کا جسد مبارک زمین سے مَس ہو رہا ہے وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ اور عرش سے بھی بڑھ کر، وہ مقام علی الاطلاق سارے ہی مقامات سے افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ اور عرش و کُرسی سے بھی بڑھ کر۔

”جس حصّۂ زمین کے بابت محدّثین اور خشک فقہا یہاں تک فرما جائیں اس کے لئے جذبات کی زبان، الفاظ کہاں سے ڈھونڈھ کر لائے۔“ (۲)

---

(۱) نور البصر فی سیرۃ خیر البشر از علامہ حفظ الرحمن سیوہاروی۔

(۲) سفر حجاز از مولانا عبد الماجد دریا آبادی ص ۱۰۳

پانچواں باب

بشاراتِ ظہورِ نبویؐ

(از صحف انبیائے کرام)

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ موجودہ تورات، زبور اور انجیل وہ اصل کتابیں نہیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر نازل فرمائی تھیں۔ کیونکہ ان کتابوں میں بیشمار ردو بدل ہو چکے ہیں۔ اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے باوجود ان کتابوں میں سرکارِ دوجہاں، باعثِ تخلیق انس و جان، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں متعدد بشارتیں اور پیشین گوئیاں پائی جاتی ہیں، ذیل میں چند بشارات درج کی جاتی ہیں :۔

بشارت نمبر ۱ :۔

" اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰؑ۔۔ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔ اور اُس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پہ طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے تھی "

(بائبل کتاب استثنا باب ۳۳ فقرہ ۔ ۱-۲)

تشریح :۔ سینا سے آنے ۔۔ سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور شعیر سے خداوند کے آنے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ باقی بشارت حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے متعلق ہیں۔ جو دس ہزار صحابہؓ کرام

کے ساتھ فاران کے پہاڑ سے فاران والوں پر جلوہ گر ہوئے۔ آتشی شریعت سے مراد نورانی اور آسمانی شریعت ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے آگ میں سے خدا کا کلام سُنا۔

بشارت نمبر ۲

"چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ خداوند تعالیٰ تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اُس کی سننا اور یہ ہو گا۔ کہ جو شخص اس نبی کی نہ سُنے گا۔ وہ اُمّت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔"
(انجیل کتاب اعمال باب ۳ فقرہ ۲۲-۲۳)

تشریح :- اس بشارت کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے لیکن عیسائی اسے حضرت مسیح کے حق میں بتاتے ہیں اور . . نہیں دیکھتے کہ جو شرائط اس میں بیان ہوئی ہیں وہ حضرت مسیح پر عائد نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں نقشہ ذیل سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ حضرت موسیٰؑ کی مانند نہیں تھے بلکہ مماثلت موسیٰؑ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مسیحؑ	حضرت موسیٰؑ	نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بغیر باپ پیدا ہوئے	بغیر باپ پیدا نہیں ہوئے	بغیر باپ پیدا نہیں ہوئے۔ لہٰذا موسیٰؑ کی مانند تھے
شادی نہیں کی۔	شادی کی۔	شادی کی - " " " "
موسیٰؑ کی شریعت کے تابع تھے	خود صاحب شریعت تھے	خود صاحب شریعت تھے " " "
جہاد نہیں کیا۔	جہاد کیا۔	جہاد کیا۔ " " "
ہجرت نہیں کی۔	مصر سے ہجرت کی۔	مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے " " "
بقول نصاریٰ خود ہی خدا	خدا کے بندے اور رسول تھے	خدا کے بندے اور رسول ہیں " " "

اور خود ہی خدا کے بیٹے تھے بقول نصاریٰ قتل کئے گئے	خدا کے سچے نبی قتل نہیں ہوتے	خدا کے سچے نبی قتل نہیں ہوا کرتے۔ (استثنا ۱۸ : ۲۰)

بشارت نمبر ۳

"عرب کی الہامی کلام عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے۔ اے ددانیوں کے قافلو! پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیمہ کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والوں کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے لوگ گھٹ جائیں گے۔ کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا" (بائبل کتاب یسعیاہ باب ۲۱ فقرہ ۱۳ تا ۱۷)

تشریح:۔ مندرجہ بالا آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کے رفیقانِ سفر (مہاجرین) کی طرف اشارہ ہے۔ جب کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ حتیٰ کہ جان کے بھی درپے آزار ہوئے، تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفار مکہ نے حضورؐ کی تلاش میں دوڑ دھوپ شروع کر رکھی تھی۔ اور حضورؐ اپنے رفقاء کی معیت میں بعافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مندرجہ بالا بشارت کی آیت ۱۵ میں انہی مہاجرین کا ذکر ہے۔ اور فقرہ ۱۳ میں ددانیوں اور آیت ۱۴ میں تیمہ والوں کو حکم ہے کہ ان کا استقبال کریں اور ان کی روٹی پانی سے تواضع کریں۔

واضح ہو کہ ددان نام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے (یقسان) کے بیٹے (سبا) کے بھائی کا۔ اور ددان کی اولاد ملک یمن میں آباد ہوئی تھی۔ سیل ارم کے باعث یہ

قبائل منتشر ہوئے، اوس اور خزرج کے قبائل جو انصار کہلاتے ہیں۔ مشہور مورخ علامہ ابن خلدون نے ان کا قصہ صراحت سے بیان کیا ہے۔

تیمہ نام ہے حضرت اسمٰعیلؑ کے آٹھویں فرزند کا۔ جن کی اولاد مدینہ کے عقب میں آباد ہوئی۔ اہلِ مدینہ و حوالی مدینہ کو نصرت و تائید کا حکم دینے کے بعد فقرہ ۱۶۔ ۱۷ میں اُن ظالموں کا انجام بتلایا ہے۔

قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کے دوسرے فرزند کا نام ہے۔ قریش ان کی نسل میں سے ہیں، بتلایا گیا ہے کہ اس واقعۂ ہجرت کے ایک سال بعد قیدار کے بہادر کمان انداز گھٹ جائیں گے اور اُن کی شان و شوکت کم ہو جائے گی۔ چنانچہ ہجرت سے ایک سال بعد ہی جنگِ بدر کا وقوع ہوا۔ جس میں قریش کے نامی سردار اور مشہور بہادر مارے گئے۔ اور ان کے رُعب و رہب، عزت و حشمت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ مندرجہ بالا آیات میں تمام واقعات کی صاف صاف بشارت دی گئی ہے۔

بشارت نمبر ۴:۔

"بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اُکسائے گا۔ وہ چلائے گا۔ ہاں وہ جنگ کے لئے بُلائے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا۔"

(یسعیاہ باب ۴۲ فقرہ ۱۱ تا ۱۳)

تشریح:۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمانوں نے جنگِ خندق میں خندق کھود دی تھی۔ وہاں ایک پہاڑ کا ایک ٹیلہ تھا۔ جس کو اہل مدینہ سلع کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اور اہلِ مدینہ اپنے دوستوں کو یہاں تک رخصت کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہوا۔ متذکرہ بالا بشارت میں بتایا گیا ہے۔

کہ سلع کے باشندے گیت گائیں گے ۔ پہاڑ کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ۔ تو انصار جو مدینہ میں آباد تھے ان کی لڑکیوں نے حسب ذیل شعر گائے تھے ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ — چاند نکل آیا کوہِ وداع کی پہاڑیوں سے
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعیٰ لِلّٰہِ دَاعٍ — ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں ۔

پھر لکھا ہے وہ چلائے گا ۔ ہاں وہ جنگ کے لئے بُلائے گا ۔ وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ ہجرت کے ایک سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا حکم دیا ۔ کفار سے جنگِ بدر، جنگِ اُحد، جنگِ خیبر ۔ جنگِ موتہ ، جنگِ حنین ۔ جنگِ تبوک وہ ہوئیں ۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی ۔ اسی طرح یہ بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے ۔

بشارت نمبر ۵ :-

اور یُوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تُو کون ہے ؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اُس سے پوچھا پھر کون ہے ؟ کیا تو ایلیاہ ہے ؟ اُس نے کہا مَیں نہیں ہوں ۔ کیا تو وہ نبی نہیں ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں پس اُس سے کہا پھر تو کون ہے ؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں ۔ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے ؟ اُس نے کہا ۔ میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے ۔ بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں ۔ کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو ۔ انہوں نے اس سے سوال کیا ۔ کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ ۔ نہ وہ نبی ۔ تو پھر بپتمہ کیوں دیتا ہے ؟ یُوحنا نے جواب میں اُن سے کہا ۔ کہ میں پانی سے بپتمہ دیتا ہوں ۔ تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے ۔ جسے تم نہیں جانتے ۔ یعنی میرے بعد کا آنے والا جس کی جوتی کا تسمہ میں کھولنے کے لائق نہیں ۔“ (انجیل یوحنا باب ۱ فقرہ ۱۹ تا ۲۷)

تشریح:- انجیل کی آیت مندرجہ بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یا بقول یوحنا (انجیل نویس) بپتمہ دینے والے یوحنا نے یہودیوں کے بھیجے ہوئے کاہن اور لیوی سرداران کے استفسار کرنے پر کہا۔ کہ میں نہ ایلیا (الیاس) ہوں نہ مسیح ہوں اور نہ ہی وہ نبی ہوں۔ پس ظاہر ہوا۔ کہ مسیح اور الیاس کے علاوہ یہودیوں کو کسی اور نبی کا بھی انتظار تھا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ "وہ نبی" سے مراد ان کے خداوند مسیح ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں کہ ان کا یہ خودساختہ عقیدہ انجیل کے فقرات مندرجہ بالا کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ جب کہ یوحنا یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام نے "وہ نبی" کا ذکر حضرت مسیح کے ذکر کے علاوہ کیا ہے کہ میں مسیح بھی نہیں ہوں۔ الیاس بھی نہیں ہوں اور وہ نبی بھی نہیں ہوں۔

"وہ نبی" سے مراد بقول تورات اور انجیل نبی آخر زماں رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خود یوحنا نے ہی اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ "وہ نبی" کہ میں جس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں میرے بعد کا آنے والا ہے۔ حضرت مسیح اور یوحنا دونوں ایک ہی وقت میں ہوئے ہیں۔ لہٰذا یوحنا کا اشارہ مسیح کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یوحنا اپنے بعد کے آنے والے کے حق میں بشارت دیتے ہیں۔ مزید وضاحت اس طرح کی ہے کہ "میں جیسا کہ یسعیاہ نبی نے کہا بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں۔" ظاہر ہے کہ بیابان میں پکارنے والے مسیح نہیں تھے۔ کیونکہ وہ تو بیت الحم یہوداہ کے علاقہ میں صرف بنی اسرائیل کے واسطے بطور ایک نبی اور سردار کے پیدا ہوئے۔ (متی ۲: ۶) برعکس اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش فاران کے بیابان میں ہوئی۔ اور اسی بیابان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" پکارا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یسعیاہ نبی نے کیا کہا۔ چنانچہ سفر یسعیاہ باب ۴۰ فقرہ ۳ میں لکھا ہے:-

"بیابان میں ایک منادی کرنے والے کی آواز تم خداوند کی راہ درست کرو۔

صحرا میں ہمارے خدا کے لئے ایک سیدھی شاہراہ تیار کرو"۔ اس فقرہ میں سب سے پہلی بات ایک کا ہندسہ غور طلب ہے۔ بنی اسحٰق میں بے شمار منادی کرنے والے ہوئے ہیں۔ لیکن بنی اسمٰعیل میں صرف ایک ہی منادی کرنے والا ہوا ہے۔ اور اسی ایک نے فاران کے بیابان میں منادی کی اور وہ ایک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسری بات تم خداوند کی راہ درست کرو۔ تم سے مراد جیسا کہ واضح ہے اس وقت کی اُمتیں ہیں اور خداوند کا لفظ نبی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ نبی آخر زمان کے استقبال کی تیاری کرو۔ جیسا کہ خود یوحنا مذکور یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے وقت میں اس امر کی منادی بدیں الفاظ کیا کرتے تھے کہ :۔

"توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"۔ (متی ۳ : ۲)

یہاں عیسائی کہتے ہیں کہ یوحنا کی یہ منادی دراصل مسیح کے استقبال کا پیغام تھا، لیکن ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ اوّل تو مسیح اور یوحنا کا وقت ایک ہی تھا، پس مسیح کی موجودگی میں مسیح کے استقبال کے کیا معنی ؟ دوسرے یہ کہ خود مسیح بھی انہی الفاظ میں کہ "توبہ کرو کیونکہ خدا کی بادشاہت قریب آئی"۔ (متی ۴ : ۱۷) منادی کیا کرتے تھے، تو یہ الفاظ کس کے استقبال کا پیش خیمہ تھے ؟ پس ظاہر ہوا کہ حقیقی بادشاہت کا وارث یوحنا اور مسیح کو نہیں بنایا گیا۔ بلکہ یہ صرف اس ایک منادی کرنے والے کو عطا ہوئی۔ جس کے متعلق اپنی زبان سے ان دونوں اولوالعزم نبیوں نے باہم مل کر منادی کی کہ توبہ کرو خدا کی بادشاہت نزدیک آئی۔

تیسری بات "صحرا میں ہمارے خدا کے لئے ایک سیدھی شاہراہ تیار کرو"۔ اس سے مراد خانہ کعبہ سے بتوں کا اخراج ہے۔ اور خانہ کعبہ ہی اللہ کا گھر کہلاتا ہے۔ اور اسی گھر کے پروردگار کی اطاعت سے اللہ کے بندوں کا اللہ تعالیٰ سے ملاپ ہو سکتا ہے۔

نہ جانے عیسائی مفسران انجیل ان فقرات کی تفسیر کرنے سے کیوں خاموش ہیں۔ آگے چل کر فقرہ ۸ میں لکھا ہے کہ "ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم رہے"۔ اس کلام سے مراد وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان پر نازل فرمایا۔ یعنی قرآن مجید۔ اس کی حفاظت

کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ آج تمام دنیا میں قرآن مجید کے سوا کوئی کلام تحریف سے محفوظ نہیں ہے۔

بائیبل میں حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی کے متعلق بے شمار بشارات موجود ہیں۔ بخوفِ طوالت چند بشارات درج کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے ؏

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

چھٹا باب

منصبِ نبوّت

اہلِ علم کے نزدیک یہ حقیقت بالکل عریاں ہے کہ یہ عالم اور اس کی کائنات ایک خاص ترتیب پر ہے۔ اسباب و مسبب کی زنجیر میں کل موجودات جکڑی ہوئی ہے اور ہر کڑی دوسری کڑی سے وابستہ ہے۔ ہر موجود کا درجہ دوسرے موجود کے بعد ہے۔ پیش آنے والے حوادث اور تغیّر پذیر اشیاء میں باہم ایک قسم کا ربط و اتّصال ہے۔ فطرت کی یہ نیرنگیاں ختم نہیں ہوتیں۔ اور نہ کسی نقطہ پر پہنچ کر ان بوقلمونیوں کی انتہا ہوتی ہے، عالمِ عنصری کے ہی گوناگوں ردّ و بدل اور تغیّرات کو ذرا حقیقت رس نظر سے دیکھا جائے، تو صاف نظر آجاتا ہے۔ کہ عناصر کا یہ سلسلہ کس ترتیب سے قائم ہے۔ کس طرح ایک کے اوپر دوسرا اور دوسرے کے اوپر تیسرا عنصر واقع ہے۔ اور کیونکر اس صعودی تدریج کے ساتھ عناصر میں تغیّرات و انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے زمین ہے زمین کے اوپر پانی ہے پانی کے اوپر ہوا ہے۔ اور ہوا کے بعد آگ ہے۔ ہر عنصر کا کرّہ دوسرے عنصر کے کرّہ سے ملا ہوا ہے۔ اور ہر عنصر اپنے بالائی یا زیرین عنصر کی صورت اختیار کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ تغیّر کو قبول کرتا ہے۔

پھر یہ ثابت شدہ امر ہے کہ طبقات عناصر میں سے ہر بالائی طبقہ زیرین طبقہ سے لطیف ہے۔ زمین سے پانی لطیف ہے۔ پانی سے ہوا لطیف ہے۔ اور ہوا سے آگ لطیف ہے۔ اربعہ عناصر میں سب سے کم ثقل آگ کا ہے۔ آخر میں عالمِ افلاک تمام عناصر سے زیادہ لطیف ہے۔ افلاک سے برتر ان قوتوں یا نفسوں کا مرتبہ ہے۔ جن سے افلاک وغیرہ میں یہ آثار نمودار ہوتے ہیں۔ ان نفوس کی لطافت سب سے

زیادہ ہے۔ یہ ترتیب اور کیفیت تو ان عناصر کی تھی۔ جن کو جسیط کہا جاتا ہے، اب ذرا ان موجودات کی حالت پر غور کرو۔ جو عناصر کی ترکیب و امتزاج سے عبارت ہیں۔ اور جسے عالمِ تکوین کہنا مناسب ہے۔ عالمِ تکوین میں معدن یا جمادات ہیں، نباتات ہیں۔ حیوانات ہیں۔ ان کی باہمی تدریج و ترقی ایک شگرف سلسلہ رکھتی ہے۔ معدن کا بالائی طبقہ نباتات کے زیرین طبقہ سے ملا ہوا ہے۔ معدن کا جو افق اعلیٰ ہے وہ ادنیٰ درجہ کی گھاس پات اور بے تخم روئیدگی تک پہنچنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس بے تخم خود روئیدگی سے عالمِ نباتات شروع ہوتا ہے اور ترقی کرتے کرتے اپنے بالائی افق تک جا پہنچا ہے۔ نباتات کا اُفقِ اعلیٰ کھجور اور انگور وغیرہ کے درختوں کو قرار دیا جا سکتا ہے جب نباتات اُفقِ اعلیٰ پر پہنچتی ہے تو وہاں کے حیوان کا زیرین ترافق شروع ہوتا ہے، حیوان کے زیرین افق میں سیپ۔ خراطین وغیرہ وہ جاندار شامل ہیں۔ جن میں صرف لمس کی قوت پائی جاتی ہے۔ اس بیان کا خلاصہ یہ نکلا کہ آفاق تکوین کے باہمی اتصال کے معنی یہ ہیں کہ موالیدِ ثلاثہ میں سے ہر طبقہ کے کامل ترین افراد اپنے خواص و استعداد کے لحاظ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ بالائی طبقہ کے افراد میں شامل ہو سکیں، موالیدِ ثلاثہ کے بالائی طبقہ یعنی عالمِ حیوان میں بڑی وسعت ہے۔ سلسلۂ حیوانیت ابتدائی درجہ سے شروع ہو کر تدریجی ترقی کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو درجۂ انسانیت کے قریب ہے۔ اس درجہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ غور و فکر کی قوت موجود ہے اور ایک زینہ اگر اور بلند ہو تو انسانیت کے نچلے اُفق میں داخل ہو جائے گا۔ اور یہی وہ مرتبہ ہے۔ جو انسان کو عالمِ انسانی کے ابتدائی اُفق میں ملتا ہے۔ اس کے بعد غور کرنے سے مختلف عالموں میں رنگا رنگ آثار نظر آتے ہیں۔ محسوسات کی دنیا میں افلاک و عناصر کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں۔ اور عالمِ کون و فساد میں نمود اور ادراک کی بوقلمونی دکھائی دیتی ہے۔ جو اس بات کی پوری دلیل ہے۔ کہ اجسام سے باہر کوئی مؤثر ضرور موجود ہے۔ جس کی تاثیر سے یہ آثار و کوائف ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اگر وہ نہ ہو تو یہ تمام نیرنگیاں اور بوقلمونیاں پردۂ عدم میں چھپی رہیں۔ یہ مؤثر کون ہے کہاں ہے؟ اس کے جواب

میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجسام کے اندر تو یقیناً نہیں ہے ورنہ وہ بھی عالمِ تکوین کا ایک جزو ہو جائے گا بلکہ اس دنیا میں رہتا ہے جو عالمِ تکوین کے اُوپر ہے یعنی اُس مؤثر فی الاجسام کا مسکن ہے وہ خود بھی روحانی ہے اور روحانیت کے ساتھ ہی رہتا ہے لیکن اس جسمانی کائنات سے اس کا تعلق صرف جسمانی و روحانی اتصال کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ یہی مؤثرہ روحانی نفسِ ناطقہ ہے۔ جس کو افعال و آثار کے لحاظ سے محرّکہ بھی کہتے ہیں اور مدرکہ بھی، اس تشریح سے ظاہر ہو گیا کہ عالمِ حرکت ادراک سے اوپر ایک اور عالم ہے جہاں سے عالمِ اجسام کو حرکت و ادراک کی قوت ملتی ہے۔ اور خود اس عالم کا کوئی کثیف مادہ نہیں، بلکہ وہاں ادراک اور خالص علم کے سوا اور کچھ نہیں ہے، یہی عالم، عالمِ ملکوت یا عالمِ روحانیت ہے۔ ہر نفس میں بشری دائرہ سے آگے بڑھ کر عالمِ ملکوت میں پہنچنے کی قوت ہے۔ اور اسی قوت کے ذریعہ انسان کسی نہ کسی وقت جنس ملائک میں داخل ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس کی روحانیت بالفعل کامل ہو جائے۔ اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عالمِ انسانی میں بھی زیرین اور بالائی دو کنارے ہیں۔ زیرین کنارہ جسم سے متصل ہے اور بالائی کنارہ اُفقِ ملکوت سے۔ جسمانی افق کے ساتھ ملنے کا فائدہ یہ ہے، کہ کہ محسوس اشیاء کا علم ہو سکے۔ اور حسی موجودات کو جاننے سے بالفعل تعقل کی قابلیّت و استعداد پیدا ہو جائے۔ اور عالمِ ملکوت سے اتصال کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو غیر محسوس غیبی علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور گذشتہ و آئندہ کے انکشاف پر دسترس ہو جاتی ہے، کیونکہ تمام گذشتہ اور آئندہ حوادث اور کل کائنات کے علمی نقوش ملائک کے تعقل میں زمان و مکان کی قید کے بغیر موجود ہیں جب نفسِ انسانی کا اتصال روحانیت سے ہوتا ہے تو اس کو بھی کم و بیش حصہ علمِ ملائکہ کا مل جاتا ہے۔ رہا یہ کہ اتصال کیونکر ہوتا ہے تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مراتب موجودات میں ایک محکم ترتیب اس طور سے پائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ کی ذاتیں اور قوتیں دوسرے مرتبہ کی ذاتوں اور قوتوں سے متصل ہیں،

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ نفس انسانی اگرچہ آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ لیکن اس کے آثار بدن میں موجود ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم اور اس کے تمام اجزاء

اور اعضاء نفس اور نفس کی قوتوں کے آلات ہیں۔ مثلاً قوتِ عملی کے کام کو پورا کرنے کے لئے اعضاء ہیں۔ ہاتھ روکنے اور حملہ کرنے کے لئے۔ پاؤں چلنے کے لئے۔ زبان بولنے کے لئے اور عام جسم عام حرکت کے لئے۔ اسی طرح قوت اپنے مراتب طے کرتی ہوئی اور درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی بالآخر نفس ناطقہ پر پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ ظاہری حواس اپنے آلات (آنکھ، کان، ناک، زبان، عام بدن) سے کام لے کر محسوسات کا علم حاصل کرتے ہوئے باطنی حواس سے متصل ہیں۔ ظاہری حواس کا سب سے اوّل تعلق حسِّ مشترک سے ہوتا ہے۔ ظاہری محسوسات کی تصویریں حسِّ مشترک میں پہنچ جاتی ہیں تو وہ ان کو خیال کے حوالے کر دیتا ہے اور خیال ان محسوسات کی مثالی تصویریں (جو خارجی مادہ سے خالی ہوتی ہیں) نفس تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہم کا درجہ آتا ہے جو صورتیں حسِّ مشترک میں منقوش ہو جاتی ہیں پھر خیال میں پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن دوستی، دشمنی، باپ کی شفقت، درندے کی خونخواری، ان سب کا ادراک واہمہ کرتا ہے۔ پھر حافظہ خیالی صورتوں اور وہم کے ادراک کو محفوظ رکھتا ہے۔ گویا حافظہ وہم خیال کا خزانہ ہے۔ جو ان دونوں کی معلومات کو وقت حاجت کے لئے اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہے۔ پھر یہ سب قوتیں ترقی کر کے متفکرہ تک پہنچتی ہیں۔ یہی وہ قوت ہے۔ جس سے حرکتِ فکریہ حاصل ہوتی اور تعقل کی جانب توجہ واقع ہوتی ہے۔ نفس انسانی بھی اس قوت کے ساتھ ہمیشہ حرکت کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ نفس ہمیشہ اس بشری آلائش اور ادراک قویٰ سے رہائی پانے کا مشتاق رہتا ہے۔ اور اسی تحریک کی حالت میں حرکتِ فکریہ کے ساتھ تعقل بالفعل کرنے لگتا ہے۔ اور ملاء اعلیٰ سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور بغیر جسمانی آلات کے ادراک کرنے سے روحانیت کی جانب توجہ برابر قائم رہتی ہے۔ اور بعض اوقات بشریت اس کی روحانیت سے بلند ہو کر عالم ملکوت کے اُفق اعلیٰ میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مرتبہ انسان کو حرکتِ فکریہ یا اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ فطرتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہتی ہے، عطا کر دیتی ہے۔

حکماء، اولیاء اور انبیاء کے علم کا فرق

نفوس بشریہ کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبعًا روحانی ادراک سے عاجز و قاصر ہے، اس لئے اس طبقے کے نفوس، حرکتِ فکریہ کے وقت حسّی اور وہمی معلومات کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ اور جو معلومات حافظہ اور واہمہ کے اندر ہوتے ہیں۔ ان کو خاص طریقہ سے ترکیب دے کر تصوری اور تصدیقی نتائج نکالتے ہیں۔ اس طبقہ کے علوم خیالی ہوتے ہیں کیونکہ ان علوم کی انتہا بدیہات پر ہوتی ہیں۔ بدیہات سے آگے نہیں بڑھتے اور اگر بدیہات میں کوئی فتور واقع ہو جائے۔ تو یہ علوم بھی درہم برہم ہو جائیں گے۔ غالبًا انسان کے جسمانی ادراک کی یہی حد ہے۔ اور علماء کے مدرکات اور علوم ہی اس حد پر ختم ہو جاتے ہیں۔ حکماء کے قدم جمنے کی یہی حد ہے۔ نفوس انسانی کا دوسرا طبقہ حرکتِ فکریہ کے ساتھ روحانی تعقل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور ان کو ادراک کے لئے بدنی حالات کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس طبقہ کو آلات جسمانیہ کی مدد کے بغیر ادراک و تعقل کی قوت عنایت فرمائی ہے۔ اس لئے اس طبقہ کے ادراک و علم کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور بدیہات سے گزر کر وجدان کے طریقہ پر عالم معنی کے مشاہدات جن کی ابتداء اور انتہا مقرر نہیں ہو سکتی پیش نظر ہوتے ہیں۔ یہ مرتبہ علوم دینی اور معارفِ ربانی سے واقف علماء اور اولیاء کا ہے اور اہلِ سعادت کو مدت کے بعد برزخ میں ملتا ہے۔

تیسرا طبقہ بشری جسمانیت اور روحانیت سے بالکل الگ ہونے اور ملائکہ کے افق اعلیٰ تک پہنچنے کی فطری قابلیت رکھتا ہے تاکہ کسی وقت عالم ملکوت کی سیر کرے شہود و ملائکہ کا مرتبہ پائے اور اس مبارک وقت میں کلام رحمانی سُن سکے۔ یہ مرتبہ انبیاء کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص وقت میں بشریت سے جُدا ہو جانے کی قوت فطرۃً عطا کی ہے۔ بشری حالت سے جُدا ہو جانا حالت وحی ہے اور وہ فطرت ہے جو اللہ نے ان کی سرشت میں مرتکز فرمائی ہے اور جسم کے تعلق کے باوجود ان کو بدنی نقائص

اور جسمانی خرابیوں سے پاک و برتر پیدا کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نفوس مقدسہ میں فطرۃً وہ استقامت ودیعت کی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عالم ملکوت سے متصل ہو جاتے ہیں اور ان کی پاک طبیعتوں میں عبادت کی وہ رغبت و محویت ہوتی ہے جو ملکوت کو ان پر منکشف کر کے انہیں اسی عالم میں پہنچا دیتی ہے۔ غرضیکہ

انبیاء اپنی اس فطرت و محویت کی وجہ سے کسب و تحصیل کے بغیر جب چاہتے ہیں انسانی مرتبہ سے نکل کر ملاء اعلیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور اس حالت میں ملاء اعلےٰ سے جو کچھ القاء والہام ہوتا ہے۔ اُس کو ساتھ لیکر پھر مدارک کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ بندگانِ خدا کو اس القاء والہام کی تبلیغ کر سکیں،

وحی کے اقسام

ایک دن حارث بن ہشام نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ آپؐ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ جواب میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَھُوَ اَشَدُّہٗ عَلَیَّ فَیَفْصِمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ عَنْہُ مَاقَالَ وَاَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَکُ رَجُلًا الخ

(بخاری۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وحی و القاء کے وقت کبھی آواز کا ایک سناٹا سنائی دیتا ہے۔ جس کا رمزاً کلام وخطاب کہنا مناسب ہے۔ انبیاء اسی آواز سے القا والہام کے معنی کو سمجھتے ہیں اور یہ آواز بھی منقطع نہیں ہونے پاتی۔ کہ وہ اس کو اچھی طرح سُن اور سمجھ لیتے ہیں۔ اور بعض وقت حامل وحی (فرشتہ) کسی آدمی کی صورت میں سامنے آکر کلام کرتا ہے اور وہ اسے اچھی طرح سنتے ہیں اور یہ اخذ وحی پھر بشری حالت کی طرف رجوع اور مفہوم وحی کا ادراک ایک پل میں ہو جاتا ہے کیونکہ القاء وحی جزءً اجزءً ا دیر تک نہیں ہوتا رہتا۔ بلکہ تمام وحی دفعتہً نازل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وحی بہت سریع النزول ہے۔ اسی سرعت نزول کی وجہ سے اس القا والہام کو وحی کہتے ہیں۔ کیونکہ لُغت میں وحی کے معنی سُرعت ہیں۔

اوّل قسم کی وحی انبیاء غیر مرسلین پر نازل ہوتی ہے۔ یعنی ان کو محض ایک گونج اور سنسناہٹ سنائی دیتی ہے۔ اور حامل وحی کا بصورت بشری سامنے آکر کلام کرنا انبیاء مرسلین سے مخصوص ہے۔ اسی لئے پہلے طریقہ کی وحی زیادہ کامل اور افضل ہے۔ حدیث مذکور میں حارث بن ہشام کے استفسار کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا تھا۔ کہ کبھی گھنٹہ کی ایسی سخت گونج سنتا ہوں اور جو کچھ اس حالت میں کہا جاتا ہے۔ انقطاع آواز کے وقت اس کو سمجھ چکا ہوتا ہوں اور کبھی حامل وحی کسی آدمی کی صورت میں میرے سامنے آتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے اُسے سنتا اور سمجھتا ہوں۔ اس حدیث سے وحی کے دونوں طریقوں کا فرق واضح ہوتا ہے۔

وحی کا پہلا درجہ اس لئے شدید الاثر ہوتا ہے کہ نبیؐ کو ابتدائے قوت کے مرتبہ سے نکل کر بالفعل عالم ملکوت سے اتصال ہوتا ہے۔ اس خروج و عروج میں ایک قسم کی دشواری کے تحمل کے بعد جب نبی کو مدارک بشری سے اوپر ملکوتی قوت حاصل ہو جاتی ہے تو وحی سنائی دیتی ہے اور اس کے ماسوا صورتیں صعوبت انگیز معلوم ہوتی ہیں۔ مگر جب وحی . . . پئے در پئے آنے لگتی ہے اور بار بار القاء ہونے لگتا ہے تو پھر عالم ملکوت کا اتصال جس میں ابتداءً دشواری محسوس ہوتی تھی سہل و گوارا ہو جاتا ہے۔ نزول وحی کی گرانی کی طرف ہی اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا میں اِشارہ ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اگر وحی سخت سردی میں آتی تھی تو انقطاع وحی کے بعد پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکتا تھا۔ اسی صعوبت و تعب کی وجہ سے نزول وحی کے وقت انبیاء پر بے خودی اور غشی طاری ہوتی ہے اور حلق سے اضطراری آواز خر خر نکلنے لگتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انبیاء نزول وحی کے وقت دائرہ بشریت سے جدا ہو کر اُفق ملکوتی میں پہنچتے ہیں اور کلام نفسانی (خطاب ملکوتی) کا ان پر القاء ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ دائرۂ بشریت سے مفارقت صعوبت انگیز اور تعب آفرین ہوتی ہے۔ کیونکہ نفس کو اپنی ذات اور اُفق سے منسلخ ہونا پڑتا ہے۔ یہی معنی ہیں اس لفظ غطّ کے جو وحی کی ابتدائی حالت کو تعبیر فرماتے ہوئے حضورؐ نے بیان کیا تھا، اور ارشاد فرمایا تھا:۔

فغطنی حتیٰ بلغ منی الجهد ثم ارسلنی الخ (بخاری)

ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ جب وحی پے درپے نازل ہوتی ہے تو تدریجًا بعد والی وحی اوّلین وحی سے کسی قدر کم صعوبت انگیز ہوتی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب تک رسول اللہ مکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ چھوٹی سورتیں نازل ہوتی تھیں۔ لیکن ہجرت کے بعد طویل سورتیں نازل ہوتی تھیں۔ دیکھو غزوہ تبوک میں سورۃ برأت یکدم پوری نازل ہوئی اور آیت الدین باوجود طویل ہونے کے ایک ہی بار اُتری۔

اس بحث کا حاصل کلام یہ نکلا کہ وحی نام ہے، اس القاء ملکوتی اور الہام ربانی کا جس کا نزول انبیاء کے قلوب پر اس وقت ہوتا ہے جب وہ دائرۂ بشریت سے منسلخ اور جدا ہو کر عالمِ ملکوت میں پہنچتے ہیں اور انسلاخ کی یہ طاقت خدا تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کو فطرۃً حاصل ہوتی ہے، کسب اور تحصیل کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اور چونکہ دائرۂ بشریت سے بالکلیّہ انسلاخ کے بعد یہ القاء ربانی ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں کسی قسم کی غلطی اور دروغ کی آمیزش ہونے کا احتمال نہیں ہوتا ہے۔ اور پھر جب انبیاء مدارک بشری کی طرف لوٹ کر اُفق حواس میں داخل ہوتے ہیں۔ تو بندگانِ خدا کو وحی کی تبلیغ کرتے ہیں۔

حقیقتِ نبوّت

(شہبازانِ معرفت کے بیانات کی روشنی میں):۔

نبوّت کی بہترین عارفانہ تشریح امام غزالیؒ۔ امام ربانی مجدّد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے اپنی تصانیف میں کی ہے۔ چونکہ یہ تینوں بزرگ بحرِ معرفت کے شناور ہیں، اس لئے جو کچھ بیان کریں گے، اس میں ان کے ذاتی ذوق و مشاہدہ کی جھلک بھی دکھائی دے گی۔

امام غزالیؒ کا بیان:۔

واضح ہو کہ جوہر انسانی اوّل فطرت میں خالی اور ساذج یعنی سادہ پیدا ہوا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کے عالم ہائے مختلفہ اور اقسام مخلوقات کی کچھ خبر نہ تھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے عالم پیدا کئے ہیں۔ جن کا شمار سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ، یعنی تیرے پروردگار کے لشکروں کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ان عوالم کو انسان صرف ادراک اور سمجھ ہی سے معلوم کر سکتا ہے اور ہر ایک ادراک اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان اُس کے ذریعے سے کسی عالم پر مطلع ہو وے۔ عالموں سے ہماری مراد موجودات کی مختلف اقسام ہیں اوّل آلہ ادراک جو انسان میں پیدا کیا گیا ہے حسِ لمس ہے۔ جس سے بہت سے اقسام موجودات کو انسان پہچان سکتا ہے۔ جیسا کہ حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔ نرم۔ کھردار وغیرہ۔ لیکن قوت لامسہ رنگ اور آواز کو ہرگز دریافت نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ اقسام موجودات کے قوت لمس کے حساب سے تو معدوم محض ہیں۔ اس لئے آنکھ عطا کی گئی اور اس میں قوتِ باصرہ رکھی گئی۔ جس کے ساتھ رنگ روپ اور شکل و صورت دریافت کرتا ہے۔ اور یہ عالم محسوسات میں بہت وسیع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس پھر اُس کے لئے قوتِ سمع کا دروازہ کھول دیا ہے۔ جس سے آواز اور نغمات سنتا ہے۔ پھر قوتِ ذائقہ عطا کرتا ہے اور اور قوتیں عطا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ عالمِ محسوسات سے قدم بڑھا کر عالمِ تمیز میں پہنچ جاتا ہے اُس وقت اُس قوتِ تمیز عطا کی جاتی ہے۔ یہ قوت سات برس کی عمر کے قریب قریب دی جاتی ہے۔ یہ طور اُس کے اطوار وجود میں ایک نیا ہی ہوتا ہے۔ جس میں محسوسات سے بڑھ کر وہ زائد امور معلوم کرتا ہے۔ جو اس سے پیشتر عالمِ حس میں معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک اور طور میں ترقی کرتا ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ عقل پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے ذریعے سے امور واجب اور جائز اور مستحب اور ایسے اُمور دریافت کرتا ہے جو پہلے اطوار میں معلوم نہیں ہوتے تھے۔ پھر عقل کے بعد ایک اور طور ہے۔ جس میں انسان کے لئے ایک اور آنکھ کھلتی ہے۔ جس کے ذریعے سے عالمِ غیب کو اور زمانہ مستقبل کی باتوں اور دیگر ایسے امور کو معلوم کر سکتا ہے جن میں

عقل ایسی ہی نکمّی ہے۔ جیسے حِسّ قوت تمیز کے معلومات کی دریافت سے اور قوت تمیز مدرکات اور معلومات عقل کے دریافت سے نکمّی ہے۔ اگر اُس پر عقل کے معلومات پیش کئے جاویں گے۔ تو بے شک قوت ممیزہ اس سے انکار کرے گی۔ اور اُن کو بعید اور تقریبًا ناممکن سمجھے گی۔ اسی طرح اگر عقل پر نبوت کے معلومات پیش کئے جاویں گے تو وہ بھی حسب معمول اُن کے انکار کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عقلاؔ[1] نے مدرکات نبوت سے انکار کر دیا ہے۔ اور انہیں بعید از عقل سمجھا ہے۔ یہ نہایت نادانی ہے۔ ان کا انکار محض اس وجہ سے تھا کہ یہ اس سے بے بہرہ[2] تھے۔ اور اس سے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ درحقیقت بھی موجود نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اندھا مادرزاد۔ اگر اُس کو متواتر شنوائی کے ذریعے سے مختلف رنگ اور اشکال معلوم نہ ہوتے اور دفعتہً اُس کے پاس رنگوں اور شکلوں کا ذکر کیا جاتا تو وہ اُن کو کبھی نہ سمجھتا۔ اور ان کا اقرار نہ کرتا اور اس علم نبوّت اور غیب کے دریافت ہو جانے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات پر اس طرح واضح کیا ہے۔ اور ان کو خاصیت نبوّت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے۔ جس کا نام خواب ہے، کیونکہ کبھی خواب میں ایسے امور غیبی دریافت ہوتے ہیں جو آئندہ وقوع میں آتے ہیں یعنی یا تو صریحًا اُن کو وہ دیکھتا ہے۔ یا صورت مثالی میں جس کی تعبیر اُس کی اصلیّت کو ظاہر کر سکتی ہے۔ اور اگر خواب کو لوگ نہ دیکھتے اور پھر اُن کے سامنے یہ کہا جاتا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی حالت مثل غش آ جانے والے کے اور مثل مردہ کے ہو جاتی ہے اور اُن کے حواس سب معطل ہو جاتے ہیں۔ اور اس حالت میں اُن کو غیب کی کچھ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ تو بے شک وہ لوگ اس کا انکار کرتے اور اُس کے ناممکن ہونے پر دلیل قائم کرتے اور یہ کہتے کہ قوائے حِسّیہ اور ادراک علم کے اسباب ہیں۔ جس کو ان کے ہوتے ہوئے وہ اُمور غیبی معلوم نہ ہوئے تو ان کے کھو جانے سے بطریق اولیٰ

---

[1] جو عقل عزیزی کے عقلا ہیں۔ ۱۲

[2] اب بھی جو اس سے بے بہرہ ہوگا وہ انکار کرے گا۔ ۱۲

معلوم نہ ہوں گے۔ مگر یہ دلیل ایسی ہے۔ جس کو مشاہدہ اور واقعات جھوٹا ثابت کرتے ہیں پس جیسا کہ عقل آدمی کے اطوار میں سے ایک طور یعنی قوت ہے۔ جس کے ذریعہ سے آدمی کے لئے ظاہری آنکھوں کے سوا ایک اور آنکھ کھل جاتی ہے۔ جس سے بہت سے ایسے معلومات کو دریافت کر سکتا ہے۔ جس کے اندر حواس ظاہری معطل اور نکمے ہیں۔ اسی طرح نبوّت بھی ایک طور ماسوائے دیگر اطوار مذکورہ بالا کے ہے۔ جس کے ذریعہ سے ایک تیسری آنکھ کھل جاتی ہے جس کے نور سے غیب کی باتیں منکشف ہوتی ہیں۔ اور ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جن کو عقل دریافت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی شخص نبوّت میں شک کرے تو تین حال سے خالی نہیں یا تو اس کے ممکن ہونے میں شک ہوگا، یا اس کے موجود اور واقع ہونے میں یا ایک شخص معیّن کے لئے اُس درجۂ نبوّت کے حصول میں اس کے امکان کے ثبوت کی دلیل تو یہ ہے کہ نبوّت موجود ہے اور جو چیز موجود ہے اُس کے امکان میں شک نہیں ہو سکتا۔ اب آپ پوچھیں گے کہ نبوّت کے موجود ہونے کا کیا ثبوت ہے تو ہم کہیں گے کہ دنیا میں بعض معلومات ایسی ہیں کہ عقل کے ذریعے سے کبھی دریافت نہیں ہو سکتے، جیسا کہ علم طب اور علم نجوم۔ جو شخص ان علوم کو پڑھتا ہے وہ بالضرور جان لیتا ہے کہ (ابتداءً) بدون الہام الٰہی اور توفیق ایزدی کے ان علوم کے پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ سب علوم تجربہ سے ثابت ہوئے ہیں، اور ہو سکتے ہیں۔ اُس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ بعض احکام علم نجوم کے ایسے ہیں، جن کا وقوع ہزار برس میں ایک دفعہ ہوتا ہے۔ اور تجربہ کئی دفعہ کے آزمانے کا نام ہے تو بتلایئے کہ اس صورت میں کسی حکیم کی عمر ایسے مسائل کے تجربہ کے واسطے مکتفی ہوئی ہے یا ہو سکتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ادویّہ کے خواص۔ پس اس دلیل سے ثابت ہوا کہ ممکن ہے کہ ایسے امور کے دریافت کرنے کے لئے ایک اور طور سوائے طور عقل کے ہو۔ اور اسی طور قوّت کو ہم نبوّت کہتے ہیں۔ بلکہ ایسی چیزوں کا دریافت کرنا جو مدرکات عقل سے خارج ہیں نبوّت کے خواص میں سے ایک خاصہ ہے اور ماسوائے اس کے اور بہت سے خواص نبوّت کے ہیں جو بیان میں نہیں آسکتے۔ اور جو خواص ہم نے بیان کئے ہیں وہ سمندر میں سے ایک قطرہ ہیں۔ کیونکہ تمہارے

پاس اس کا ایک نمونہ معلوماتِ خواب ہے، اور دوسرا نمونہ علم طب اور علم نجوم وغیرہ ہیں اور یہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں جن کو عقلا اور حکماء اپنی عقل کے سرمایہ سے ہرگز دریافت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ماسوائے بعض خواص نبوت ایسے ہیں کہ وہ صرف اس ذوق سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جو تصوّف کے راستہ پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر نبی کے لئے کوئی ایسا خاصہ ہو جس کا نمونہ آپ کے پاس نہیں تو اس صورت میں آپ اُس کو کبھی نہ سمجھ سکیں گے۔ چہ جائیکہ اس کی تصدیق۔ کیونکہ تصدیق سمجھنے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ یہ نمونہ سلوک تصوّف ابتدائی درجہ ہی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ اتنے ہی سے ایک طرح کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اُس سے ایک طرح کی تصدیق اُن معلومات کی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو صرف عقل و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ ایک ہی خاصیّت اصل نبوت پر ایمان لانے کے واسطے کافی و وافی ہے اگر آپ کو کسی خاص آدمی کی نبوت پر شک ہے کہ وہ نبی ہے یا نہیں، تو یہ شک اُس کے احوال کے دریافت کرنے سے رفع ہو سکتا ہے۔ اور نبوت کا یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ احوال کی معرفت یا تو اُس نبی کے مشاہدہ سے ہو سکتی ہے یا متواتر سماعت کے ذریعہ سے۔ دیکھو جب آپ نے علم طب اور علم فقہ پڑھا تو آپ کو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ آپ کو اطباء اور فقہا کا حال دریافت ہونے لگا تو ان کے حالات کے دیکھنے سے یا اُن کے اقوال کے سننے سے اگر آپ اُنہیں دیکھ نہیں سکتے تو یہ امر تو آپ بخوبی دریافت کر سکتے ہیں کہ امام شافعیؒ فقیہہ تھے اور جالینوس طبیب تھا۔ یہ علم بطور تحقیق حاصل ہوا ہے نہ بطور تقلید۔ سن سنا کے، بلکہ اُن کی کتابوں اور تصنیفات کے دیکھنے سے جو آپ نے علم فقہ پڑھتے وقت دیکھے ہیں پس اس طرح سے آپ اُن کے حالات بالضرورت جان سکتے ہیں۔ جب آپ نبوّت کے معنی سمجھ کر قرآن اور احادیث میں نظر کرو گے تو تم کو بالضرورۃ ثابت ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجے کے نبیؐ تھے۔ اور اس امر کی تائید اس طرح سے ہو جائیگی، کہ جب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کو دیکھو گے۔ جو عبادات سے تصفیہ قلب ہونے کے باب میں ارشاد فرمائے ہیں۔ تو ان کو برحق اور راست پاؤ گے اور

نیز آپ نے دیکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کیسا سچا ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو اُن علوم کا وارث کر دے گا جن کو وہ نہیں جانتا اور نیز یہ قول کہ جو شخص ظالم کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسی ظالم کو اُس پر مسلّط کر دیتا ہے، اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم کہ جو شخص صبح کو اُٹھے جس حالت میں کہ اُس کو صرف ایک ہی فکر ہو (یعنی فکر الٰہی) تو اللہ تعالیٰ اُس کے سارے دُنیا اور آخرت کے غم رفع کر دیتا ہے۔ جب آپ ان اقوال کی صداقت کا تجربہ ہزار اقوال میں یا دو ہزار یا کئی ہزار اقوال میں کریں گے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ارشادات محض صدق ہیں جن میں کوئی شک نہیں، پس آپ اس طریق کی تعلیمات سے نبوت کا یقین تلاش کیجئے، نہ لٹھیا کے سانپ ہو جانے سے یا چاند کے پھٹ جانے سے۔ کیونکہ جب آپ صرف کسی ایسے ایک معجزہ کی طرف نظر دوڑائیں گے اور اس کے ساتھ اور بے شمار قرینہ اور دلائل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور راستی پر دلالت کریں شامل نہ ہو ویں تو اس صورت میں کبھی آپ کا خیال گزرے کہ وہ سحر تھا یا خیال بندی تھی اور شاید یہ شُبہ جو آپ کے دل میں پیدا ہو۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے گمراہی میں ڈالنے کے لئے ہووے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ یا اور شبہات معجزات کی بابت آپ کے دل میں پیدا ہوں لیکن اگر آپ کا ایمان نبوت پر ایسی کلام کی سند سے ہو گا جو ایک سلسلہ وار ہو اور ان میں بہت سی صداقتیں ہوں تو بصورت دلالت معجزہ کے تو آپ کا ایمان یقینی اور پختہ ایسی سلسلہ وار کلام سے ہو جائے گا۔ جس پر کوئی اعتراض نہ وارد ہو سکے گا۔ پس ثابت ہوا کہ خوارق عادات کو ہی اصل دلیل اور مدار کل ثبوت نبوت کا نہیں ٹھہرانا چاہیئے۔

بلکہ ان کو منجملہ دیگر قرائن دلائل کے ایک دلیل اور قرینہ سمجھنا چاہیئے تاکہ آپ کو ان مجموعہ دلائل سے ایک ایسا ضروری علم نبوّت کا حاصل ہو جائے۔ جس کی سند میں کوئی ایک معین خاص دلیل پر آپ کا تکیہ اور بھروسہ نہ رہے۔ جیسا کہ کسی چیز کا

لہ یہاں انکار معجزہ شق القمر نہیں نکلتا۔ اس عبارت کی مراد کو سمجھنا چاہیئے ۱۲+

علم تواتر اور شہرتِ عامہ سے حاصل ہووے تو وہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ یقین فلاں شخص واحد مخصوص سے حاصل ہوا ہے۔ بلکہ اس علم و یقین کا منبع غیر معین ہوتا ہے۔ اور مجموعہ اعداد کثیرہ سے باہر نہیں ہوتا۔ یہی علم قوی ایمان علمی ہے۔ اور جو نبوت کا علم بطور ذوق کے ہووے تو حکم مشاہدہ کا رکھتا ہے۔ یا یوں کہو کہ گویا اس کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اس قسم کا علم و یقین سوائے طریق صوفیہ کرامؒ کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی قدر نبوت کا بیان اُس مطلب کے واسطے کافی ہے۔ جس کو میں اب یہاں بیان کرنا چاہتا تھا اور آئندہ بھی وقت ضرورت کے اس کا ذکر کروں گا۔ (۱)

امام ربانی مجدّد الف ثانیؒ کا بیان:۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اہلِ جہان کے لئے سراسر رحمت ہیں۔ جن کی بعثت کے ذریعے حق تعالےٰ نے اپنی ذات و صفات سے ہم ناقص عقلوں اور کم فہموں کو خبر دی ہے اور ہمارے کوتاہ فہم کے موافق اپنے ذاتی و صفاتی کمالات پر اطلاع بخشی ہے۔ اور اپنی رضامندی کو اپنی ناراضگی سے جُدا کیا ہے۔ اور ہماری دنیا اور آخرت کی نفعوں اور ضرّوں سے ممتاز فرمایا ہے۔ اگر اُن کے وجود شریف کا وسیلہ نہ ہوتا تو انسانی عقلیں حق تعالیٰ کے اثبات میں عاجز رہتیں۔ اور اس کے کمالات کے ادراک میں ناقص اور قاصر ہوتیں۔ متقدّمین اہلِ فلسفہ جو اپنے آپ کو درباب عقول فرض کرتے ہیں۔ صانع جلّ شانہٗ کے منکر تھے۔ اور اپنی کم عقلی کے باعث اشیاء کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ نمرود جو روئے زمین کا بادشاہ ہو گزرا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کے خالق کے اثبات میں حضرت خلیلؑ کے ساتھ اُس جھگڑا مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے فرعون بدبخت کہا کرتا تھا۔ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا)، نیز فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا

(۱) اردو ترجمہ المنقذ من الضلال از امام غزالیؒ۔

غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ، اگر تو میرے سوا اور کو معبود پکڑے گا تو تجھے قید کر دوں گا، نیز اُس بدبخت نے ہامان کو کہا ہے۔ یَا هَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا۔ دلے ہامان ایک بڑا اونچا مکان بنوا، تاکہ میں آسمانوں پر چڑھ کر موسیٰؑ کے خدا کی خبر لوں۔ میرا گمان ہے کہ وہ جھوٹا ہے، غرض عقل اس اعلیٰ دولت کے اثبات میں کوتاہ ہے۔ اور ان بزرگواروں کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرائے سے گمراہ ہے۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے متواتر طور پر مخلوقات کو خدا کی طرف جو زمین و آسمان کا خالق ہے دعوت فرمایا اور ان بزرگواروں کا بول بالا ہوا تو ہر زمانہ کے جاہل و بے وقوف لوگ جو صانع کے ثبوت میں تردّد رکھتے تھے۔ اپنی برائی پر مطلع ہو کر بے اختیار صانع کے وجود کے قائل ہو گئے۔ اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ یہ وہ نور ہے (یعنی وجود صانع کا قائل ہونا)، جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار سے حاصل ہوا ہے اور یہ وہ دولت ہے، جو انبیاءؑ کے دستر خوان سے ملی ہے۔ اسی طرح تمام سمعیات یعنی سنی ہوئی باتیں جو انبیاء کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ کی صفات کمال کا وجود۔ انبیاءؑ کی بعثت فرشتوں کی عصمت۔ حشر و نشر۔ بہشت و دوزخ اور ان کا دائمی رنج و راحت وغیرہ وغیرہ جو شریعت نے بیان کی ہیں۔ عقل اُن کے ادراک میں قاصر ہے اور ان بزرگواروں سے سننے کے بغیر ان کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے۔ جس طرح طور عقل طور حس سے ماوراء ہے کہ جو چیز حس سے مدرک نہ ہو سکے عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے اسی طرح طور نبوّت طور عقل کے ماوراء ہے۔ جو چیز عقل کے مدرک نہ ہو سکے، نبوّت کے ذریعے ادراک میں آجاتی ہے۔ جو شخص طور عقل کے ماسوا اور کوئی طریقہ معرفت کے لئے ثابت نہیں کرتا وہ درحقیقت طور نبوّت کا منکر اور ہدایت وصراحت کا مخالف ہے پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود ضروری تھا۔ تاکہ منعم جلّشانہٗ کے شکر پر جو عقل کی رُو سے واجب ہے دلالت کریں۔ اور نعمتوں کے دینے والے مولائے جلّ و علاء کی تعظیم جو علم و عمل سے تعلق رکھتی ہے، اسی کی طرف سے معلوم کر کے ظاہر

کرلیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم جو اس کی طرف سے حاصل نہ ہو وہ اس کے شکر کے لائق نہیں۔ اس لئے کہ قوتِ انسانی اس کے ادراک میں عاجز ہے۔ بسا اوقات اس کی بے تعظیمی کو تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے ہجو میں آجاتا ہے۔ حق تعالیٰ سے اس کی تعظیم کے استفادہ کا طریق نبوّت اور انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کی تبلیغ پر موقوف ہے اگر اس امر میں عقل کافی ہوتی تو یونان کے فلاسفر جنہوں نے عقل کو اپنا مقتداء بنایا ہے گمراہ نہ رہتے اور حق تعالیٰ کو سب سے پہلے پہچان لیتے۔ حالانکہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارہ میں تمام لوگوں میں سے بڑھ کر جاہل یہی لوگ ہیں جنہوں نے حق تعالےٰ کو بے کار اور معطل جانا ہے۔ اور ایک چیز کے سوا (اور وہ بھی ایجاب و اضطرار کے ساتھ نہ اختیار کے ساتھ) کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ عقل فعّال اپنے پاس سے بنا کر حوادث کو زمین و آسمان کے خالق کی طرف سے ہٹا کر اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اثر کو مؤثر حقیقی جلّ شانہٗ سے ہٹا کر اس کو اپنا بنایا ہوا اثر جانتے ہیں، کیونکہ معلول ان کے نزدیک علّتِ قریبہ کا اثر ہے۔ علّت بعیدہ کے لئے معلول کے حاصل ہونے کی کچھ تاثیر نہیں جانتے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنے کی جہالت کو حق تعالیٰ کا کمال جانتے ہیں۔ اور اس کے معطّل رہنے کو بزرگی سمجھتے ہیں، حالانکہ حق تعالیٰ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے اپنی تعریف کرتا ہے اور اپنی مدح میں رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ فرماتا ہے۔ ان بیوقوفوں کو اپنے خیال فاسد میں حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی حاجت و احتیاج نہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اضطرار و احتیاج کے وقت بھی اپنی عقل فعّال کی طرف رجوع کریں اور اپنی حاجتیں اسی سے طلب کریں۔ کیونکہ اپنا سب کاروبار اسی کے حوالہ کرتے ہیں۔ بلکہ عقل فعّال بھی ان کے خیال میں موجب ہے نہ مختار۔ اس سے بھی قضائے حاجت طلب کرنا پسندیدہ نہیں۔ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ۔ (کافروں کا کوئی مددگار نہیں) عقلِ فعّال کیا ہے جو اشیاء کا سرانجام کرسکے، اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوسکیں۔ اُس کے نفس وجود اور ثبوت میں ہزاروں اعتراض ہیں۔ کیونکہ اس کا تحقّق اور حصول فلسفہ کے ملمّع مقدمات پر مبنی ہے۔ جو فقہ

اسلامیہ کے اصول کے مقابلہ میں ناتمام اور ادھورے ہیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف ہے جو اشیاء کو قادر مختار جلّ شانہٗ کی طرف سے ہٹا کر ایسے موہوم امر کی طرف منسوب کرے بلکہ اشیاء کے لئے ہزارہا ننگ و عار کا موجب ہے کہ فلسفہ کے تراشیدہ اور وضع کردہ امر کی طرف منسوب ہوں۔ اشیاء کا اپنے عدم پر راضی و خوش رہنا اور ہرگز وجود کی خواہش نہ کرنا ان کے حق میں اس امر سے بہتر ہے کہ ان کے وجود کو فلسفی مجہول اور موضوع امر کی طرف منسوب کریں اور قادر مختار جلّ شانہٗ کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم رہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا۔ (بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے اور جو بولتے ہیں سب جھوٹ ہی بولتے ہیں) دارالحرب کے کفار باوجود بُت پرستی کے اُن لوگوں سے اچھے ہیں جو تنگی کے وقت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں اور بتوں کو حق تعالیٰ کے آگے سفارش کا وسیلہ بناتے ہیں۔ زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان بیوقوفوں کو حکماء اور دانا کہتے ہیں اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے اکثر احکام خاص کر الٰہیّات میں جو اُن کا اعلیٰ مقصد ہے سراسر جھوٹے اور کتاب وسنت کے مخالف ہیں یہ لوگ جو سراسر جہل مرکب ہیں۔ اُن پر حکماء کا اطلاق کس طرح کیا جائے ہاں اگر تہکّم و استہزاء کے طور پر کہا جائے یا نابینا پر بینا کے اطلاق کرنے کی قسم سے شمار کیا جائے تو زیبا ہے۔ ان بیوقوفوں میں سے بعض نے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کے طریق کو چھوڑ کر ان صوفیہ الہیّہ کی تقلید پر جو ہر زمانہ میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے تابعدار رہے ہیں ریاضات و مجاھدات کا طریق اختیار کیا ہے، اور اپنی صفائی وقت پر مغرور ہو کر اپنے خواب و خیال پر اعتماد کیا ہے۔ اور اپنے خیالی کشفوں کو مقتدر بنا کر خود بھی گمراہ ہو گئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا ہے۔ ان نادانوں نے نہ جانا کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے۔ جو گمراہی کو زیادہ کرتی ہے نہ کہ قلب کی صفائی۔ جو ہدایت کا دروازہ ہے۔ کیونکہ قلب کی صفائی انبیاءٗ علیہم الصّلوٰۃ والسلام کی متابعت پر وابستہ ہے اور نفس کا تزکیہ قلب کی صفائی اور

اس کی سیاست پر موقوف ہے۔ وہ صفائی جو قلب کی سیاہی کے باوجود انوار و قدم کے ظہور کا محل ہے نفس کو حاصل ہو۔ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ چراغ روشن کر دیں، تاکہ پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین اس کی روشنی میں بخوبی لوٹ مار کرے۔ غرض ریاضت و مجاہدہ کا طریق نظر و استدلال کے طریق کی طرح اس وقت اعتبار و اعتماد کے لائق ہوتا ہے جبکہ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی تصدیق کے ساتھ مل جائے۔ جو حق تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی تائید کے مؤید ہیں۔ ان بزرگوں کا کارخانہ پاک فرشتوں کے نزول کے باعث دشمن لعین کے مکر و فریب سے محفوظ ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں)، ان کا نقد وقت ہے دوسروں کو یہ دولت میسّر نہیں ہوئی۔ اور شیطان لعین کے مکر و فریب سے نہیں بچ سکے۔ جب تک کہ ان بزرگوار وں کی متابعت کو لازم نہیں پکڑا۔ اور ان کے قدم بقدم نہیں چلے ؎

محال است سعدیؒ کہ راہِ صفا　　　　تواں رفت جز در پئے مصطفٰےؐ

ترجمہ بیت

سمجھ لو بخوبی کہ راہِ صفا،　　　　نہیں ملتا ہرگز نبیؐ کے سوا

سبحان اللہ افلاطون جو فلاسفہ کا رئیس ہے۔ حضرت عیسٰیؑ کی بعثت کی دولت کو پائے اور اپنے آپ کو نادانی کے باعث مستغنی جان کر ان پر ایمان نہ لائے اور نبوّت کے برکات سے حصّہ حاصل نہ کرے اس کی بڑی بدبختی اور نادانی ہے۔ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا اس کیلئے کوئی نور نہیں)، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ط (ہمارے اپنے مرسل بندوں کے ساتھ ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یہی فتحمند رہیں گے۔ اور یہی ہمارا لشکر غالب رہے گا) عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں مبداء میں بھی اور معاد میں بھی طور نبوّت کی نقیض ہیں۔ اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے احکام کے مخالف ہیں۔ نہ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے نہ آخرت کے ساتھ۔ قدمِ عالم کے قائل ہیں۔

حالانکہ بڑا مضبوط اجماع ہے۔ اس بات پر کہ عالم مع اپنے تمام اجزاء کے حادث ہے۔ ایسے ہی آسمانوں کے پھٹ جانے اور ستاروں کے اُڑ جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور دریاؤں کے پھوٹنے کے جن کا قیامت کے دن وعدہ ہے قائل نہیں ہیں۔ اور حشر اجساد کے منکر ہیں۔ اور نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں متاخرین جو اہل اسلام میں داخل ہیں اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر راسخ ہیں اور آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم اور ان کے فناء اور ہلاک نہ ہونے کے قائل ہیں نصوص قرآنی کی تکذیب ان کی خوراک اور دین کی ضروریات کا انکار ان کا رزق ہے۔ یہ عجب قسم کے مومن ہیں کہ خدا اور رسولؐ پر تو ایمان لاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ خدا اور رسولؐ نے فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر سفاہت اور بے وقوفی کیا ہو گی۔ بیت

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں

ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

(ترجمہ بیت) فلسفہ کا جبکہ اکثر ہے سفہ پھر اس کا کل

بھی سفہ ہو گا کہ حکم کل ہے اکثر کا حکم

ان لوگوں نے اپنی تعلیم و تعلم میں ایک آلہ (یعنی علم منطق) جو خطائے فکری سے محفوظ ہے ایجاد کیا اور اس بارہ میں بڑی دقتیں اٹھائیں۔ جب حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے احاطہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے ہوش و حواس جاتے رہے اور ان کا وہ آلہ عاصمہ بھی کام نہ آیا۔ اور خبط میں پھنس کر گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے جس طرح کوئی شخص سالوں تک لڑائی کے آلات تیار کرتا رہے۔ مگر لڑائی کے وقت ان کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں، اور آلات کو کام میں نہ لا سکیں۔ لوگ فلسفہ کے علوم کو بڑے نظم و نسق والا جانتے ہیں اور غلط و خطا سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ اگر اس بات کو مان بھی لیں تو یہ حکم ان علوم میں صادق آتا ہے جن میں عقل کا استقلال اور استحکام ہے جو اس بحث سے خارج اور دائرہ مالایعنی میں داخل ہیں اور آخرت کے ساتھ جس کا معاملہ دائمی ہے کچھ تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی آخرت کی نجات ان پر وابستہ ہے گفتگو ان علوم میں ہے جن کے ادراک میں عقل عاجز اور قاصر

ہے۔ اور طور نبوت پر موقوف ہیں۔ اور جن پر آخرت کی نجات منحصر ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ رسالہ "منقذ من الضلال" میں فرماتے ہیں کہ اہل فلسفہ نے علم طب اور علم نجوم گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں سے چرائے ہیں۔ اور دواؤں کی خاصیتیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔ انبیاء کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے اقتباس کی ہیں۔ اور علم تہذیب اخلاق کو صوفیہ الٰہیہ کی کتابوں سے جو ہر زمانہ میں کسی نہ کسی پیغمبر کی اُمت رہے ہیں۔ اپنی بے ہودہ باتوں کے رواج دینے کے لئے چرا لیا ہے۔ غرض ان کے یہ تینوں علم چرائے ہوئے ہیں۔ علم الٰہی میں حق تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال کے بارہ میں جو خبط انہوں نے ظاہر کئے ہیں وہ سب کے سب ایمان باللہ اور ایمان بآخرت میں نصوص قرآنی کے مخالف ہیں۔ جن کا تھوڑا سا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ باقی رہا علم ہندسہ جو خاص طور پر ان کے ساتھ مخصوص ہے اگر منطق اور منتظم بھی ہو گا۔ تو کس کام آئے گا اور آخرت کے کون سے عذاب و وبال کو دور کرے گا۔ عَلَامَةُ إِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ (بندہ سے حق تعالیٰ کی روگردانی کا نشان بندہ کا بیہودہ کاموں میں مشغول ہونا ہے) جو کچھ آخرت میں کام نہ آئے وہ لایعنی اور بے ہودہ ہے۔ ان کا علم منطق جو علم الٰہی کا آلہ ہے اور جس کو خطا سے محفوظ بتلاتے ہیں۔ جب ان کے اپنے کام نہ آیا اور مقصد اعلیٰ کے حاصل کرنے میں ان کو غلطی اور خطا سے نہ بچا سکا تو پھر اوروں کے کام کس طرح آئے گا اور دوسروں کو خطا سے کس طرح بچا سکے گا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے) بعض لوگ جو علوم فلسفی سے تعلق رکھتے ہیں اور فلسفی تسویلات پر فریفتہ ہیں۔ اُن لوگوں کو حکماء جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاءؑ کی شرائع پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ هٰذَا الْاِعْتِقَادِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس بُرے اعتقاد سے بچائے) ہاں جب ان کو حکماء جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں۔ تو پھر کیونکر اس بلا میں مبتلا نہ ہوں۔ کیونکہ حکمت سے مُراد کسی شئے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے

مطابق ہو۔ لیکن وہ علوم جو ان کے مخالف ہوں۔ وہ نفس امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور اُن کے علوم کی تصدیق سے انبیاءؑ اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے، کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے نقیض ہیں اور ایک کی تصدیق میں دوسرے کی تکذیب ہے۔ اب جو چاہے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کے مذہب کو لازم پکڑے اور حق تعالیٰ کے گروہ سے ہو جائے اور نجات پا جائے اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے۔ اور ہمیشہ کے لئے زیانکار اور نا اُمید بن جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر ہو جائے ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جو اس کے تمام خیموں کو گھیر لے گی، اور اگر فریاد کریں گے تو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم پانی دیا جائے گا۔ جو چہروں کو جلا دیگا یہ بہت ہی بُرا پانی اور بہت ہی بُری جگہ ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ الْكِرَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْعِظَامِ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَكْمَلُهَا وَاَكْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا) والسلام (۱)

شاہ ولی اللہؒ کا بیان :-

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمتہ نبوّت کی حقیقت اور اُس کے خواص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

یاد رکھو مِلّت حقّہ میں علوِّ مرتبت کے لحاظ سے اعلیٰ ترین طبقہ مفہّمین (بصیغۂ اسم مفعول) کا ہے۔ یہ لوگ ہمارے نزدیک اصحاب

(۱) مکتوبات امام ربانیؒ دفتر سوم مکتوب ۲۳ (اردو ترجمہ)

اصطلاح[1] ہیں جن کی ملکیت انتہائی عروج پر ہوتی ہے ان میں یہ استعداد ہوتی ہے۔ کہ نظامِ مطلوب کو دنیا میں قائم کرنے کا داعیۂ حقانیہ (سچا ارادہ) جب ان کے دل پر القاء کیا جائے تو وہ فوراً اس کی تعمیل کیلئے اُٹھ کھڑے ہوں اور اس کی تکمیل کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر مولاءِ اعلیٰ سے حقانی علوم فائض ہوتے ہیں۔

طبقۂ مفہّمین کے خصائص

مفہّمین کے خصائص یہ ہیں کہ ان کا مزاج غایت اعتدال پر ہو، ان کے اعضاء و قویٰ میں کسی قسم کا نقص اور خلل نہ ہو۔ اور وہ اخلاقِ عالیہ کے ساتھ موصوف ہوں ان کے مزاج میں تلوّن اور بے اصولی نہ ہو نہ تو وہ اپنی خداداد ذکاوت کو استعمال کرنے میں اس حد تک غلو کریں کہ ان کا ذہن کلیات سے جزئیات کی طرف منتقل نہ ہو سکے یا کسی چیز کی ظاہری صورت اور اس کے تمثل کو کلیتًا نظرانداز کر کے فقط اس کی روح اور سپرٹ ہی پر ان کی نظر ہو، اور نہ ہی وہ اس قدر غبی الطبع ہوں کہ جزئیات کا علم حاصل کر لینے پر ان کا ذہن کلیّات کی طرف انتقال نہ کرے یا یہ کہ وہ اس حد تک ظاہر پرست ہوں کہ کسی چیز کی روح اور سپرٹ کو نظرانداز کر دیں مفہّمین کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ وہ سنت راشدہ یا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون اور اس کی شریعت کے سخت پابند ہوں، عبادات میں ان کی روش معتدل ہو۔ لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک منصفانہ بلکہ محسنانہ ہو، تدبیر کلّی اور مصلحت کلیہ سے جس نظام کو مطابقت حاصل ہو۔ اس کے اجزاء کے ساتھ ان کو شغف ہو۔ امادۂ عام کے اعمال کو نہایت رغبت سے انجام دیتے ہوں کسی کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانے کا ارادہ نہ کریں اِلّا یہ کہ نفعِ عام میں اس سے خلل واقع ہوتا ہو۔

---

(۱) یہ شاہ صاحب کی اپنی اصطلاح ہے۔ جس کی تفصیل انہوں نے اپنی تصنیفات میں جابجا بیان کی ہے۔

ان کی توجہ ہر وقت اور بہمہ حال عالم غیب پر مرکوز رہتی ہو جس کا اثر ان کے کلام اور تمام دیگر حرکات وسکنات میں نمایاں ہو۔ ان کو اپنے مؤیّد عن الغیب[1] ہونے کا یقین ہو اور تھوڑی سی ریاضت کی بدولت ان کو قرب اور سکینہ کے وہ مقامات حاصل ہوں جو کسی دوسرے کو اتنی ریاضت کرنے پر اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہ ہوتا ہو۔

مفہّمین کے اقسام کی تفصیل

مفہمین کی کئی قسمیں ہیں، جس کا باعث ان کی استعدادات کا اختلاف ہے۔ جس پر یہ حالت غالب ہو کہ وہ عبادت میں مشغول رہتا ہو اور اس کے نتیجہ کے طور پر تہذیب نفس کے علوم اس پر القاء کئے جاتے ہوں۔ اس کو کامل کہتے ہیں جس کے قلب پر اخلاق فاضلہ اور تدبیر منزل وغیرہ کے علوم فائز ہوتے ہوں اس کو حکیم کہا جاتا ہے۔ جس کو سیاسیات کلیّہ کا علم خدا نے دیا ہوا اور پھر اس کو یہ بھی توفیق ملی ہو کہ وہ دنیا میں عادلانہ نظام قائم کرے اور اس کے عہد میں کسی کو دوسرے پر ظلم اور دست درازی کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اس کا نام خلیفہ ہے۔ جس کو ملاء اعلیٰ کے ساتھ اتصال حاصل ہو۔ وہ اس کے سامنے متمثل ہو کر اس سے خطاب کرتا ہو۔ اور اس کو تعلیم دیتا ہو۔ اور اس سے کئی ایک خارق عادات، کرامات، ظاہر ہوں۔ اس کے لئے مؤیّد بروح القدس کا نام بہت موزوں ہے جس کے قلب اور اس کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے نور رکھ دیا ہو۔ لوگ اس کی تعلیم اور تلقین سے فیضیاب ہوں۔ اس کی صحبت کیمیا اثر سے وہی نور اس کے حواریّن یعنی اس کے مخلص اصحاب کی طرف بھی منتقل ہو۔ جس کی بدولت ان کو کمال مطلوب حاصل کرنے میں سہولت ہو، اور وہ ان کے ہدایت یاب ہونے اور ہدایت کے مدارج ارتقاء طے کرنے کے لئے سخت

(۱) جس کو عالم غیب سے مدد پہنچتی ہے۔ جس کو ظاہری اسباب اور وسائل کی بناء پر نہیں بلکہ تائید غیبی کی بدولت فتح و کامیابی حاصل ہوتی ہو۔

بے تاب ہو ایسے شخص کو ہادی مزکّی کہو جس کو اصول ملت اور اس کے مصالح کا پورا پورا علم دیا گیا ہو اور اس کو یہ شغف ہو کہ دین حق کے جن احکام اور تعلیمات کو لوگ فراموش کر چکے ہیں ان کو از سر نو زندہ کرے۔ ایسی ہستی کو امام کہتے ہیں جس کو عالم غیب سے کسی حادثہ عظمے کی بابت اطلاع دی گئی ہو۔ جو اس دنیا میں کسی قوم کو پیش آنے والا ہے یا یہ علم اس کو دیا گیا ہو کہ کسی قوم پر خدا کی لعنت نازل ہونے والی ہے اور پھر وہ اس قوم کو اس کے وقوع سے پہلے مطلع کر دے۔ (اور ساتھ ہی اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر بھی بتادے) یا بعض احوال تجرد میں (جبکہ کلیتہً روحانیت کے زیر اثر ہو اور اس کے ظاہری حواس معطل ہو چکے ہوں) اس پر عالم قبر و برزخ اور حشر و نشر کے واقعات کا علم القاء کیا جائے ایسے شخص کو منذر کہا جاتا ہے۔

نبی اور رسول بھی اسی طبقۂ علیّہ کا ایک فرد کامل ہوتا ہے،

جب اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ وہ مفہّمین کی جماعت سے کسی کو لوگوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے مبعوث فرمائے تاکہ وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ جس کے ذریعے حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے بندوں کو جن میں کہ وہ مبعوث کیا گیا ہے اپنا یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہے کہ وہ دل و جان سے اس کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے ظاہر و باطن کو اسی کے سپرد کر دیں۔ تو ملاء اعلیٰ کے ملائکہ مقرّبین ان لوگوں سے انتہائی خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں۔ جو اس کا اتباع کر کے اس کی تائید و نصرت میں کوشاں رہیں اور ان لوگوں پر لعنت اور نفرین بھیجتے ہیں جو اس کی مخالفت کر کے اس کے مشن کو فیل کر دینے کی سعیٔ ناکام کریں۔ جب اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے تو اس کی اطاعت کو سب لوگوں پر لازم کر دیا جاتا ہے، اس مبارک ہستی کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔

کونسا نبی سب سے افضل ہے؟

سب انبیاء علیہم السلام میں سے اس کی شان بہت زیادہ بلند ہوتی ہے۔ جس کی بعثت دوسری بعثت پر مشتمل ہو۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ یا تو وہ خود لوگوں کو راہِ ہدایت دکھا کر ان کو ضلالت کی تاریکیوں سے نکالتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کرتا ہے جس کے حق میں اس قسم کے الفاظ ہوتے ہیں :-
وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ط وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ط اور كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (یہ قوم یا جماعت جو اس قسم کے الفاظ کے مخاطب ہوتی ہے نبی مبعوث کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تمام اقوامِ عالم کے لئے مشعلِ ہدایت ہوتی ہے۔ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط کے یہی معنی ہیں)، رسولِ خدا صلعم نے خود ان کے حق میں بعثت کا لفظ استعمال فرمایا ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔ یاد رکھو ہمارے نبی کریم صلعم کی ذات مستجمع الصفات میں جملہ اقسام مفہمین کے کمالات بہ یک وقت موجود تھے۔ آپؐ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے ہیں کوئی ایک کمال کا حامل تھا اور کسی میں دو یا تین کمال پائے جاتے تھے اور بس۔ سب کا جامع کوئی بھی نہیں تھا۔

بعثتِ انبیاءؑ کی بناء خیر اضافی پر ہے

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جیسے کہ تم اس سے پہلے پڑھ چکے ہو، اس تدبیر الٰہی میں جو مصلحت کلیہ کے اقتضاء سے ظہور میں آتی ہے ہر وقت و بہمہ حال خیر اضافی یا خیر نسبی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے اپنے اوقات میں انبیاءؑ کی بعثت بھی اسی اصول پر مبنی ہے۔ جب کبھی خیر اضافی کا ظہور میں آنا نبی کی بعثت پر منحصر

ہو۔ حکمتِ بالغہ اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ وہ نبی مبعوث ہو۔لیکن ساتھ ہی اس بات کا یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ خیر و شر کا حقیقی علم خدائے علاّم الغیوب ہی کو ہو سکتا ہے۔

بایں ہمہ اس قدر ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ بعض اسباب ایسے ہیں کہ اگر وہ فراہم ہو جائیں تو بعثت کا عمل میں لایا جانا ناگزیر ہوتا ہے۔

اطاعتِ نبی و رسول کی فرضیّت کا فلسفہ

اُس کی اطاعت کو فرض مؤکدہ قرار دینے میں یہ فلسفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے، کہ اس قوم کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں۔لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور اس کی عبادت کا تفصیلی علم براہِ راست غیب الغیب سے اخذ کر سکے اس لئے اُن کی سعادت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے رسول اور نبی کی اطاعت کریں۔چنانچہ خطیرۃ القدس میں یہ قرار پاتا ہے کہ جو نبی ان کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔سب لوگ اس کا اتباع کریں اور کوئی بھی اُن میں سے اس کی اطاعت سے ذرّہ بھر انحراف نہ کرے۔ (نہیں تو وہ راندۂ درگاہ قرار پائے گا)

بعثت کے اغراض خصوصیّہ کی تفصیل

نبی کی بعثت یا تو کسی ایسے وقت میں ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص قوم کا برسرِاقتدار کرنا منظور ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دوسری قوموں کو ذلیل فرمائے اور ان کا تختہ اُلٹ دے۔اس حالت میں اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو خلعتِ نبوّت سے سرفراز فرماتا ہے جو اسی قوم کے دین کی اصلاح کرے۔ہمارے نبی کریم صلعم کی بعثت اسی قسم کی تھی۔ (جنہوں نے ملّتِ ابراہیمیہ کو جس کے عرب لوگ بزعم خود پابند تھے۔ تحریفات اور بدعات سے پاک و صاف کر کے اپنی اصلی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا) دوسری

صورت یہ ہے کہ کسی قوم پر عنقریب زوال آنے والا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ جائے، ان کے حق میں اس کا ارادہ سنیہ ہوتا ہے کہ قوم مذکور کو قوتِ تازہ بخش کر دیگر قوم پر ان کو برتری اور تفوق عنایت فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اس مقصد کے لئے تھی کلام مجید میں ہے۔ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ (اور ہم تو یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو سرزمین مصر میں کمزور سمجھا گیا ان پر اپنی عنایات خاصہ مبذول فرمائیں، ان کو امامت کا منصب جلیل عطا کریں، ان کو زمین کا وارث بنائیں اور زمین پر ان کا تسلط ہو)

یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ کسی قوم کی سلطنت کو باقی رکھنا منظور ہے یا کسی دین کا محفوظ رکھنا مقصود ہے۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی نصرت اور تائید فرمائے گا۔ اور ان کو کامیاب کر کے چھوڑے گا۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (ہم اپنے رسولوں کے حق میں پہلے سے یہ حکم صادر کر چکے ہیں کہ بے شک انہی کی فتح اور انہی کا غلبہ ہوگا اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آتا ہے) ان اغراض کے علاوہ بعض دوسرے مقاصد مثلاً اتمامِ حجت کے لئے بھی انبیاءؑ مبعوث کئے جاتے ہیں۔

بالفرض کوئی سنتِ راشدہ[1] پر عامل ہو تو اس کے لئے بھی نبی کا اتباع لازم ہے، الغرض جو نبی کسی قوم میں مبعوث ہو اس کا واجب الاتباع ہونا از بس لازم ہے حتیٰ کہ جو لوگ بالفرض پہلے سے سنّتِ راشدہ پر قائم ہوں۔ ان کے لئے بھی نبی مبعوث کی اطاعت اور اس کا اتباع کرنا ناگزیر ہے اس کا فلسفہ یہ ہے کہ بعثت رسول کے بعد

---

(۱) سنتِ راشدہ۔ صراطِ مستقیم جس پر چلنے سے انسان کو اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے مقام قرب تک آدمی کو پہنچاتا ہے۔ اسی صراطِ مستقیم کا نام سنّتِ راشدہ ہے۔

جس کی شان کو بلند کرنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہے جو کوئی بھی اس کی مخالفت کرتا ہے (یا کم از کم اپنے آپ کو اس کے اتباع سے آزاد سمجھتا ہے) اس پر ملاء اعلیٰ کی لعنت نازل ہوتی ہے اور وہ کبھی اس کی طرف دستِ اعانت نہیں بڑھاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اعمال اکارت جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کو حاصل نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد ملاءاعلیٰ کی لعنت اس کے حق میں عذاب کا موجب ہوتی ہے۔ یاد رکھو یہ ایک فرضی احتمال ہے ورنہ واقع میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ قوم یہود کی وہ حالت جو آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے کے وقت تھی تھوڑی دیر کے لئے پیش نظر کرلو۔ وہ دینِ موسوی میں اس قدر غلو اور تحریف کرچکے تھے کہ ان کو راہِ راست دکھانے کے لئے پیغمبر کے آنے کی سخت ضرورت تھی یہ وہی بنی اسرائیل تھے جن سے یہ خطاب کیا گیا ہے۔ وَ اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۔ لیکن آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت ان کی یہ حالت تھی جس کا ملخص بیان کردیا گیا ہے۔

ہر شخص عالمِ غیب سے احکام اخذ نہیں کرسکتا

اِتمامِ حُجّت کے لئے (جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ وَرُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ) رسولوں کو اس لئے مبعوث کیا جاتا ہے کہ اکثر لوگ ان اعمال کی تفصیل جن کی بجاآوری یا ان کا ارتکاب آخرت میں انسان کے لئے مفید یا اس کے حق میں مضر ثابت ہوتا ہے۔ عالمِ غیب سے بلا واسطہ اخذ نہیں کرسکتے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی استعداد بہت ضعیف ہوتی ہے۔ اور انہیں اس بات کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ کہ خدائے بزرگ و برتر کا کوئی فرستادہ جس پر بلا واسطہ یہ علوم نازل ہوتے ہیں ان کی رہنمائی کرے۔ رسولوں کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ بُرے اعمال کے ارتکاب یا ترکِ فرض کے اس قدر خوگر ہوچکے ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے خلاف طبع ان کو مجبور نہ

کیا جائے ان کے لئے اپنی حالت بدلنا دشوار بلکہ قریباً ناممکن ہوتا ہے اور اگر ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے تو دنیا اور آخرت میں ان پر عذاب نازل ہو۔ اس لئے رحمت الٰہی تعالیٰ شانہٗ کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جوں ہی بعض اسباب علویہ اور سفلیہ ظہور میں آئیں۔ اس عہد کے کسی ایسے شخص پر وحی نازل ہو جو سب سے پاکیزہ ترین نفس کا مالک ہے تاکہ وہ ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے اور ان کو اس پر چلانے کے لئے اپنی انتہائی کوشش صرف کرے۔

دعوتِ انبیاءؑ کی نوعیّت

بعثت رسل اور ارسال انبیاءؑ کی یہ مثال ہے کہ کسی آقا کے مثلاً بہت سے غلام کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ اس نے اپنے بعض خواص ملازمین کو اس پر مامور کیا کہ وہ ان کو دواء شافی طوعاً و کرہاً پلائے۔ اب اگر وہ اس دوائے تلخ کو نہ پیئیں۔ اور وہ ان کو زبردستی پلادے تب بھی وہ حق بجانب ہوگا اور کوئی عقلمند اس کو اس پر ملامت نہیں کریگا، لیکن حقیقی شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے ان کو نرمی کے ساتھ سمجھائے کہ تم لوگ ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہو اور یہ دوا جو تمہارے لئے تجویز کی گئی ہے نہایت مفید اور مرض کا حتمی علاج ہے۔ مناسب طریقہ پر وہ انہیں یہ بھی یقین دلائے کہ وہ درحقیقت ان کے آقائے مہربان کا فرستادہ ہے۔ علاوہ ازیں اس کے لئے یہ بھی مناسب ہوگا کہ وہ اس کڑوی دوا کو میٹھا کر کے پلائے، ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس دوا کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کر کے اس کو رغبت سے استعمال کریں گے۔ اس سے تمہیں یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ انبیاءؑ علیہم السلام کے معجزات اور ان کی ادعیہ مستجابہ فقط ایک ثانوی چیز ہے۔ اصل نبوّت کے مفہوم میں یہ داخل نہیں۔ گو واقع میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ نبی سے معجزات صادر ہوتے ہیں اور اس کو استجابت دعوات کی خصوصیّت سے بھی سرفراز فرمایا جاتا ہے۔

معجزات کے ظہور میں آنے کے اسباب اور تبرک کی ماہیّت

عام طور پر معجزات کا ظہور میں آنا تین اسباب سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ جو نبیؑ یا رسول مفہمین کے طبقہ سے ہو اس پر بعض حوادث کا (قبل از وقوع) انکشاف جو استجابت دعوات اور ظہور برکات کا موجب ہوتا ہے۔ برکت کی ایک صورت یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق نبی سے تبریک ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دیکھنے والوں کے متخیلہ میں ان کی مقدار کو غیر معمولی طور پر بڑھا دیتا ہے اس کی مثال وہ واقعہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ (سورہ آل عمران رکوع ۲) دوسری صورت ظہور برکت کی یہ ہے کہ مثلاً جو مقدار غذا کی کھائی جائے اس کو طبیعت خلط صالح کی تکوین میں صرف کرے اور اس لئے اس سے وہ فائدہ ظہور میں آئے جو معمولی حالات میں اس کی کئی گُنا غذا کھانے سے بھی ظہور میں نہیں آسکتا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ سچ مچ اس چیز کے مادہ اور مقدار میں غیر معمولی زیادتی ہو جس پر تبریک کی گئی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ مادہ ہوائیہ کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس چیز کو صورت اور ماہیّت میں تبدیل کرتا ہے۔ اس کو قوتِ مثالیہ کا کرشمہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا (رسولِ خدا صلعم کے معجزات میں اس کے نظائر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب المعجزات) معجزہ کا دوسرا سبب یہ ہے۔ کہ ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ مقربین کہ ذہین کا کسی امر مطلوب کے ظہور میں آنے پر اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ ایسی حالت میں ایسے الہامات اور احالات(۱) اور تقریبات ان کی جانب سے

(۱) احالات، احالہ کی جمع ہے۔ احالہ کے معنی ہیں کسی چیز کو دوسری چیز کی صورت اور ماہیّت میں تبدیل کر دینا۔

ظہور میں آتے ہیں جن کی نظیر پہلے نہیں دیکھی گئی۔ چنانچہ جو نبی مثلاً مبعوث ہوا ہے، اس کے دوستوں کو دشمنوں پر غلبہ دیا جاتا ہے۔ اور اس کے بدخواہ مقہور و مخذول ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَارِهُوْنَ ٭ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ، منجملہ اسباب ظہور معجزات کے تیسرا سبب یہ ہے کہ اسباب خارجیہ (جویّہ وادفیہ) کے کارفرما ہونے پر بعض حوادث عظام ظہور میں آئیں اور وہ کسی طاغی اور متمرّد قوم کی، ہلاکت اور استیصال کا باعث ہوں۔

حوادثِ جویّہ کو کیوں معجزہ کہا گیا

اِن اہم واقعات کو (جن کو کلام مجید میں ایام اللہ کہا گیا ہے) باوجود اس کے کہ وہ اسباب عادیہ کا نتیجہ ہوتے ہیں اس لئے معجزہ کی فہرست میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ کہ یا تو اس عہد کے نبی نے قبل از وقوع ان حوادث عظام کے پیش آنے سے ڈرایا ہوتا ہے اور ان کی بابت (بعض اوقات) تعین تاریخ کے ساتھ خبر دی ہوتی ہے۔ جیسے کہ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ٭ "تین دن تک اپنے گھروں میں رہ کر زندگی کا لطف اٹھاؤ۔" (جس کے بعد عذاب استیصال تم پر نازل ہوگا)، یہ ایک ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ کی آمیزش نہیں۔" یا کم از کم ان کا وقوع اس قانون (سنت اللہ) کے مطابق ہوتا ہے۔ جو اس زمانے کا نبی ان کو بتا چکا ہے وغیرہ وغیرہ۔

عصمت انبیاء کے اسباب

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے تین اسباب ہیں (الف) ایک تو یہ کہ جبلّی طور پر اس کی پیدائش ہی ایسی حالت میں ہوئی ہو کہ اس کا نفس شہوات بہیمیہ کی آلائش سے پاک وصاف ہو اور حدود شرعیّہ کی پابندی کا ملکہ اس میں فطری طور پر موجود ہو۔

(یحییٰ علیہ السلام کے حق میں "حصورًا" کا لفظ اسی حقیقت کے لیے استعمال کیا گیا ہے)
(ب) اعمال کے حسن و قبیح کا علم وحی کے ذریعہ اس پر نازل کیا گیا ہو اور وہ ہر ایک عمل کے مآل اور اس کی عاقبت اور عقوبت کو جانتا ہو (ج) اگر وہ بالفرض کسی عمل شنیع کا خیال دل میں لائے تو حق سبحانہٗ وتعالےٰ اس کے اور اس کے ارادہ کی تکمیل میں حائل ہو جائے۔

انبیاء علیہم السّلام عقل سے بالاتر حقائق کی تعلیم نہیں دیتے

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں یہ بات شامل نہیں کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور اس کی صفاتِ عالیہ مقدسہ کے حقائق پر غور کرنے کا حکم دیں۔ کیونکہ عامۃ الناس کے عقول اور اذہان ان امور کے ادراک سے قاصر ہیں۔ (وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا) آنحضرت صلعم فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی پیدا ہوئی کائنات پر غور کرو لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنی قوتِ مفکرّہ کو جولانی نہ دو"۔ جب یہ آیت نازل ہوئی :- وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔ تو آپؐ نے فرمایا لَا فِکْرَۃَ فِی الرَّبِّ۔ "رب تعالیٰ کے بارے میں (اس کی ذات اور صفات کی حقیقت جاننے کے لئے) فکر کے گھوڑے مت دوڑاؤ"۔

ع نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ۔۔۔ کہ جاہا سپر باید انداختن ،
کہ خاصاں دریں راہ فرس راندہ اند ۔۔۔ بہ لا احصی از تگ فرو ماندہ اند

انبیاء علیہم السلام کو (اور ان کی اُمتوں کو) حق تعالےٰ کی طرف سے یہی حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی کامل ہمہ گیر نعمتوں اور اس کی عظیم قدرت اور ہمہ گیر رحمت اور حکمت پر غور کریں۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و تلقین کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ لوگوں سے انہی کے درجۂ عقل و درایت اور انہی کے فہم و استعداد کے مطابق گفتگو کریں۔ جو علوم

بلحاظ ان کی اصل فطرت کے ان کے دل و دماغ میں سرایت کئے ہوئے ہیں ۔ اور جن سے ان کی ذہنیت بنی ہے ان سے خطاب کرتے وقت ان کی اسی ذہنیت کو ملحوظ رکھا جائے اور ان کے سامنے کوئی ایسی حقیقت پیش نہ کی جائے جو ان کے فہم سے بالاتر ہو اس کا فلسفہ یہ ہے کہ نوع انسانی جہاں کہیں بھی پائی جائے بلحاظ اس کی نوع اس کے لئے ادراک کی ایک حد مقرر ہے یہ اور بات ہے کہ دیگر حیوانات کے شعور کے اور ادراک سے انسان کا فہم اور ادراک زائد ہوتا ہے بایں ہمہ خارق عادت کے طور پر انسانوں میں بعض نفوس قدسیہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے علوم سب سے نرالے ہوتے ہیں ۔ (کیونکہ وہ اپنا علم براہ راست عالم غیب سے اخذ کرتے ہیں ۔ یہ بات دوسروں کو میسر نہیں ہوتی) اس سے ہماری مراد انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی جماعت ہے ۔ بعض اوقات ریاضت شاقہ سے بھی نفس کا تزکیہ ہو کر اس میں ان علوم غیبیہ کو اخذ کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح بعض لوگ حکمت اور فلسفہ کے اصول پر زیادہ غور و تعمق کرنے سے حقائق دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی زندگی کا بڑا حصہ اسی سوچ اور بچار کے لئے وقف کر دیتے ہیں ۔ ان میں سے انبیاء علیہم السلام کا اصول تلقین یہ ہے جیسے کہ ابھی مذکور ہوا ۔ کہ وہ لوگوں کے سادہ فہم اور ادراک کو ملحوظ رکھ کر ان حقائق کو نہایت سادہ شکل میں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ جن کے سمجھنے میں ان کو کوئی دقت پیش نہیں آتی ۔ وہ اس درجۂ فہم کو پیش نظر نہیں رکھتے جو معدودے چندے افراد کو ریاضتِ شاقہ کے ذریعے تزکیۂ نفس کرنے یا مدتوں علوم معقولہ کی مزاولت کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کلام میں مشاہدات اور تجلیات کا کچھ ذکر نہیں ہوتا اور نہ یہ کہ اس کو ایک ایسی ہستی سمجھو جو کسی جہت میں ہونے سے بالاتر ہے ۔ عامتہ الناس کے عقول و اذہان میں اس قسم کی باتوں کو سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد نہیں ۔ اہل معقول کے طرق استدلال و استنباط اور ہیں جن کی بناء عسیر الفہم اور دقیق المآخذ مقامات پر ہوتی ہے اور وہ سمجھ کچھ اور ہے جو ہر ایک شخص کو فطرتاً حق تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے ۔ ارباب

معقول اور اصحاب الحدیث میں یہی فرق ہے۔ مؤخر الذکر جماعت انبیاء علیہم السلام کے اصول پر عمل پیرا ہے۔ برخلاف اس کے اوّل الذکر گروہ کے لوگ اپنی عقلی موشگافیوں پر نازاں ہیں اور اصحاب حدیث کو بنظرِ حقارت دیکھ کر ان کے حق میں زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں۔

مقصدِ نبوّت تہذیبِ نفس اور تزکیۂ روح کی تعلیم دینا ہے

من جملہ سیرت انبیاء کرام علیہم السلام کے ایک یہ ہے کہ جن باتوں کا تعلق نفیاً یا اثباتاً تہذیب نفس اور تزکیۂ روح یا سیاست اُمّت کے ساتھ نہیں ان میں وہ خوض نہیں کرتے، مثلاً کائنات الجوّ کے ظہور میں آنے کے اسباب و علل، کسوف اور خسوف کی حقیقت یا بالفاظ دیگر نظام شمسی کی کیفیت نباتات اور حیوانات کے انواع و اقسام اور ان کے وہ خصائص وغیرہ جن کا جاننا ترقیٔ تمدّن کا باعث ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ان چیزوں کا علم اس حیثیت سے اور اس غرض کے لئے حاصل کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور ان کے دقائق تخلیق کا علم حاصل کرنے سے تذکیر بآلاء اللہ میں مدد ملتی ہے (بلکہ اس کا تمام تر انحصار اسی پر ہے) اور اس لئے اس حیثیت سے نباتات اور حیوانات پر نظر ڈالنا اور ان کے طرق حیات وغیرہ سے بحث کرنا تعلیم انبیاءؑ کے خلاف نہیں۔ بلکہ شرع کے مقاصد میں سے ایک جلیل القدر مقصد ہے جس کے لئے قرآن مجید میں سات سو سے زائد آیات نازل ہوئیں اور تذکیر بآلاء اللہ علوم قرآنی کا ایک مستقل شعبہ ہے اس کی تصریح حضرت شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر" میں فرمائی ہے (اس شعبۂ قرآنیہ کی تفصیل مطلوب ہو تو علامہ طنطناوی جوہری کی تفسیر "الجواہر" کا مطالعہ کریں)، اسی طرح ملوک اور سلاطین کی تاریخ اور اقالیم و بلدان کا جغرافیہ بھی علوم انبیاءؑ سے خارج ہے۔

قصص الانبیاء کی حیثیت تاریخ کی نہیں

قصص الانبیاءؑ کا بیان کرنا بھی مقصود بالذات نہیں۔ چنانچہ ان قصص کو عبرت اور موعظت کی غرض سے ہر ایک مقام پر اسی مقام کے مطابق عموماً ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کیا گیا ہے۔ کسی نبی کا قصہ بہت کم شروع سے آخر تک مسلسل بیان فرمایا ہے اور عام طور پر واقعات آگے پیچھے ہو جانے کا مطلق لحاظ نہیں رکھا گیا۔ جس موقع پر کسی واقعہ کا یاد دلانا قرین صواب ہوتا ہے۔ اسی مقام پر واقعہ مذکور ہے کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُتَأَمِّلِ

ملخص یہ کہ آلاء اللہ اور ایام اللہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کلام ہمیشہ مختصر اور مجمل ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں قصص بھی وہی مذکور ہیں جن کے ساتھ نزول قرآن سے پہلے بھی اہل عرب کے کان آشنا تھے۔ جب لوگوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ آنحضرت صلعم سے دریافت کی تو وہ آیات جو اسکے جواب میں نازل ہوئیں۔ ان میں اس زیادتی اور نقصان کی لمیت بیان کرنے کو تو نظر انداز کر دیا اور فقط اس کی غرض اور غایت پر توجہ دلائی۔ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط

عقلی علوم میں زیادہ توغّل نہ کرنے کا فلسفہ

اس کا فلسفہ یہی تھا کہ ان میں بے ضرورت باتیں دریافت کرنے کی بُری عادت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ اپنے عصر حاضر میں تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کی علوم عقلیہ کی موشگافیوں اور بے ضرورت باتیں دریافت کرنے کی کاوشوں نے خراب کر رکھا ہے اور ان کے مذاق صحیح کو بگاڑ دیا ہے وہ ایسی ہی بے ہودہ باتوں میں لگے رہتے ہیں اور قیاس کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام کو انہی معانی اور انہی نظریوں پر محمول کرنے لگتے ہیں۔ جو ان کے دماغ میں جاگزین ہو چکی ہوتی ہیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ اتبع هواہٗ بغیر ھدی من اللہِ ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین ط (۱)

نبوّت کے بارے میں علامہ ابن خلدون کا حقیقت کشا بیان

گذشتہ صفحات میں نبوت سے متعلق تین جلیل القدر عارفانِ اسلام کے بیانات کی تلخیص پیش کی گئی ہے اب اس موضوع سے متعلق ذیل میں عالم اسلامی کے مایۂ ناز مفکرؔ، اور مورخ علامہ ابن خلدون کے رشحاتِ فکر کے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ علاّمہ ممدوح لکھتے ہیں کہ :-

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ عالم اور اس کی مخلوقات ایک خاص ترتیب پر ہے سبب بہ سبب یکے بعد دیگرے واقع ہونے اور پیش آنے والے حوادث اور استحالہ پذیر اشیاء میں ایک قسم کا ربط و اتصال ہے جس کی نیرنگیاں کبھی ختم ہی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ہمیشہ اس عالم عنصری میں گوناگوں ردّ و بدل اور تغیرات ہوتے رہتے ہیں ۔ دیکھ لو عناصر کس ترتیب سے موجود و قائم ہیں اور صعودی تدریج کے ساتھ ان میں کیونکہ استحالہ ہوتا رہتا ہے پہلے زمین ہے پھر پانی۔ پانی کے بعد ہوا ہے اور ہوا کے بعد آگ! در ان میں سے ہر ایک کرہ دوسرے سے ملا ہوا ہے، اور ہر کرہ اپنے سے مافوق یا ماتحت کی صورت پکڑنے کے لئے کس طرح آمادہ و تیار ہے، اور کیونکہ وقتاً فوقتاً استحالہ ہوتا رہتا ہے اور ان طبقات عناصر سے ہر طبقۂ اعلیٰ اپنے ماتحت سے لطیف تر ہے۔ یہاں تک کہ عالم افلاک اپنی نوبت پر ان سب سے زیادہ لطیف ہے اور اس کے طبقات باہمدگر اس طرح سے متصل ہیں کہ ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن ان کی ہیئت سے حکماء نے بہت سی اوضاع مقادیر کو دریافت کیا ہے،

---

(۱) حجۃ البالغہ از شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی جلد اوّل ترجمہ اُردو۔

اور اس کے بعد وہ ذات و نفوس بھی جن سے افلاک میں یہ آثار ظاہر ہوتے ہیں — تحقیق کیئے۔

عناصر کے بعد عالم تکوین پر غور کرو گے تو معادن و نبات وحیوان میں تدریج کا ایک شگرف سلسلہ نظر آئے گا۔ معادن کا اعلیٰ طبقہ نبات کے اُفق اسفل (ادنیٰ درجہ کی گھاس پات اور بے تخم روئیدگی) سے متصل ہے اور نبات کے اُفق اعلیٰ جس میں نخل و انگور جیسے درخت ہیں۔ حیوان کے افق اسفل سے ملی ہوئی ہے۔ جس میں گھونگا، سیپ وغیرہ وہ جاندار شامل ہیں۔ جن میں محض قوت لمس ہی پائی جاتی ہے۔ ہمارے اس بیان میں آفاق مکونات کے باہمی اتصال کے معنی یہ ہیں کہ موالید میں سے ہر طبقہ کی کامل تر فردیں اپنے خواص و استعداد کے لحاظ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ اپنے طبقہ سے اعلیٰ تر طبقہ کے ادنیٰ افراد میں شامل ہو سکیں۔

عالم جماد و نبات کے بعد عالم حیوان شروع ہوتا ہے۔ جس میں گوناگوں نوعیں اور بہت بڑی وُسعت سلسلۂ تدریج و ترقی عالم حیوان میں بلند ہوتا ہوا صاحب فکر و رویت انسان کے قریب پہنچتا ہے۔ اور یہ فکر و رویت حیوان کو اس عالم اعلیٰ سے ملے ہیں جس میں حواس ادراک موجود و جمع ہیں۔ لیکن ان اعلیٰ حیوانوں میں یہ فکر و رویت، بالفعل نہیں ہوتی اور یہی وہ مرتبہ ہے جو حیوانات کے بعد انسان کو عالم انسانی کی ابتدائی اُفق میں ملتا ہے اور یہی تدریج ہمارے مشاہدہ کی غایت ہے۔

بعد ازیں ہم مختلف عوالم میں اعلیٰ اختلاف مراتب ہزار رنگ شیون و آثار دیکھتے ہیں۔ عالم حس میں افلاک و عناصر کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں۔ اور عالم کون و فساد میں نمود ادراک کی وہ بوقلمونی دکھائی دیتی ہے جو اس بات کی پوری اور قوی دلیل ہے کہ اجسام میں کوئی مؤثر اجسام سے مباین و مغائر ضرور ہے جس کو ہم مغائر از جسم ہونے کی وجہ سے روحانی کہتے ہیں اور مکونات میں عوالم جسمانی و روحانی کے باہمی اتصال کی وجہ سے آگیا ہے۔ یہی مؤثر روحانی نفس محرکہ و نفس مدرکہ ہے اور ضرور ہے کہ اس عالم حرکت و ادراک سے بھی اوپر کوئی اور عالم ہو جو اس عالم کو ادراک و حرکت کی قوتیں

دیتا اور سے متصل واقع ہوا ہے اور اس میں ادراک اور تعقل محض کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہی عالم، عالمِ ملکوت ہے۔ ہماری اس تمام تقریر سے لازم آتا ہے کہ نفس انسانی میں بشریت سے آگے بڑھ کر ملکوت میں پہنچنے کی قوت ہونی چاہیئے تاکہ انسان اس قوت کے ذریعہ سے کسی نہ کسی وقت جنس ملائکہ میں داخل وشامل ہوسکے۔ یہ مرتبہ انسان کو اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے کہ اس کی روحانیت بالفعل کامل ہوجائے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے اور اپنے سے مافوق عالم کے افق میں جاملے۔ کہ یہی عام موجودات مرتبہ کی شان ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

ہمارے اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عالم انسانی میں بھی اسفل واعلیٰ دو پہلو ہیں۔ یعنی افق زیرین۔ اس کا متصل بجسم ہے۔ اور جسم ہی کے واسطہ سے انسان ان مدارک حسیہ کو دریافت وحاصل کرتا ہے جن سے آگے بڑھ کر اس میں بالفعل تعقل کی قابلیت واستعداد پیدا ہوتی ہے۔ اور عالم انسانی کے افق بالائے افق ملکوت سے متصل ہے اور اسی عالم اتصال کی وجہ سے مدارک علمیہ وغیبیہ پر انسان کو دسترس ہوتی ہے کیونکہ حوادث مافیہ وآئینہ بتماعہا، ملائک علم وتعقل میں بدوں قید زمان موجود ہیں۔ عالم انسانی، وعالمِ ملکوت سے اتصال کی وجہ سے ظاہر ہے کہ مراتب موجودات میں ایک محکم ترتیب اس طور سے پائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ کے ذوات وقویٰ دوسرے مرتبہ کے ذوات وقویٰ سے متصل ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہیں، کہ اگرچہ نفس انسانی مرئیات میں نہیں۔ لیکن اس کے آثار بدن میں موجود ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جسم اور اس کے تمام اجزاء مجموع ہوں یا متفرق۔ نفس وقویٰ النفس کے آلات وادوات ہیں۔ مثلاً قوت عملی کا کام کرنے کے لئے چند اعضا ہیں۔ ہاتھ، روک اور حملے کے لئے ہے۔ پاؤں چلنے کے لئے۔ زبان بولنے کے لئے۔ اور حرکت کلیہ کا کام تمام جسم دیتا ہے۔ اس طرح قوت مدرکہ مدارج ترقی طے کرتے ہوئے بالآخر نفس ناطقہ پہ پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے کہ حواس ظاہریہ اپنے آلات سمع وبصر وغیرہ سے محسوسات کا علم حاصل کرتے ہوئے قوی باطنیہ سے متصل ہیں۔ جن میں سے پہلی

قوت حسّ مشترک ہے جو مسموعات ومبصرات وغیرہ کو ایک ہی وقت میں سمجھ لیتی ہے اور اپنے اسی خاصہ کے ساتھ حواس ظاہریہ سے جُدا اور ممتاز ہے۔ کیونکہ حواس ظاہری میں دفعتہً متعدد محسوسات کی گنجائش اور برداشت کی طاقت نہیں۔ جب محسوسات حسّ مشترک میں پہنچ چکتے ہیں تو حسّ مشترک ان کو خیال کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اور خیال ان محسوسات کی خیالی صورتیں جو مواد خارجی سے مجرد ہوتی ہیں۔ نفس میں منقش کرتا ہے۔ یہ دونوں قوتیں (حسّ مشترک وخیال) دماغ کے بطن اوّل کے خانہ اوّل و دوم میں یکے بعد دیگرے علی الترتیب واقع ہوتی ہیں اس تدریجی سلسلہ میں خیال کے بعد واہمہ وحافظہ کی باری آتی ہے اور واہمہ جزئیات وشخصیات کا ادراک کرتا ہے، زید کی عداوت، عمرو کی صداقت، باپ کی شفقت درندے کی خونخواری سب واہمہ ہی کے مدرکات ہیں۔ اور حافظہ متخیلہ مدرکات کی کی نگہداشت وحفاظت کرتا ہے۔ گویا وہ واہم وخیال کا خزانہ ہے جو ان کی معلومات تصرف کو وقت حاجت کیلئے اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہے۔ دماغ کے بطن آخر کے دونوں خانے ترتیب وار ان دونوں قوتوں کے تصوّریں ہیں۔ پھر یہ سب قوتیں ترقی کر کے متفکرہ تک پہنچتی ہیں۔ جس کا مرکز دماغ کا بطن اوسط ہے اور یہی وہ قوت ہے جس سے حرکت فکریہ اور تعقل کی جانب توجہ واقع ہوتی ہے۔ نفس انسانی بھی اس قوت کے ساتھ دائمی حرکت کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ فطرتاً استعداد بشری و ادراک قوا سے رہائی پانے کا مشتاق و آرزومند ہے اس تحریک کی حالت میں حرکتِ فکریہ کے ساتھ تعقل بالفعل کرنے لگتا اور ملاء اعلیٰ سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور بغیر آلات جسمانی ادراک کرنے سے روحانیّت کی جانب توجہ برابر بنی رہتی ہے۔ اور بعض اوقات بشریّت اور اس کی روحانیت سے بلند تر ہو کر عالم ملکوت کے افق اعلیٰ میں داخل وشامل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مرتبہ انسان کو اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ فطرتِ الٰہی پر منحصر وموقوف ہے۔ کمال نقصان کے لحاظ سے نفوس بشریّہ کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ بالطبع روحانی ادراک سے عاجز و قاصر ہے۔ اس لئے

اس طبقہ کے نفوس حرکت فکریہ کے وقت حسّی وواہمی مدارک کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ اور صورحافظہ ومعانی واہمہ کو قانونِ خاص سے ترکیب دے کر تصوری وتصدیقی علوم حاصل کرتے ہیں۔ اس طبقہ کے علوم خیالی ومحدود ہوتے ہیں کیونکہ یہ علوم اپنے ابتداء کی طرف سے بدیہات پر منتہی ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ اگر ان بدیہات میں کوئی فتور واقع ہو جائے تو یہ علوم بھی درہم برہم ہو جائیں گے۔ غالبًا انسان کے جسمانی، ادراک کی یہی حد ہے اور علماء کے مدرکات وعلوم اسی حد پر منتہی ہوتے اور اسی پر ان کے قدم جمتے ہیں۔ نفوس انسانی کا دوسرا طبقہ حرکت فکریہ کے ساتھ روحانی تعطل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور ان ادراک کے لئے آلات بدنیہ کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس طبقہ کو آلاتِ جسمانیہ کی مدد کے بغیر ادراک وتعقل کی قوت عنایت فرمائی ہے۔ اس لئے اس طبقہ کے ادراک وعلوم کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور بدیہات سے گزر کر وجدان کے طریقہ پر عالم معنی کے مشاہدات جن کی ابتداء اور انتہا، مقرر نہیں ہو سکتی، پیش نظر ہوتے ہیں۔ یہ مرتبہ علوم دینی ومعارف ربانی کے جاننے والے علماء اور اولیاء کا حصہ ہے۔ اور اہلِ سعادت کی موت کے بعد عالمِ برزخ میں ملتا ہے۔

تیسرا طبقہ بشری جسمانیت اور روحانیت سے بالکل منسلخ ہونے اور ملائک کے افق اعلیٰ میں پہنچنے کی فطری قابلیت رکھتا ہے۔ تاکہ فی وقت من الاوقات ملک بالفعل بن جائے۔ اور خاص عالم ملکوت میں شہود ملائک کا مرتبہ پائے اور کلام نفسانی وخطاب رحمانی اس مبارک وقت میں سُن سکے۔ یہ مرتبہ انبیاء مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو خاص وقت میں بشریت سے منسلخ ہو جانے کی قوت فطرتًا عطا کی ہے۔ یہی انسلاخی حالت وحی اور وہ فطرت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی سرشت میں مرتکز فرمائی ہے اور جسم کے تعلق کے باوجود ان کو نقائص بدنی وخرابی جسمانی سے پاک وبرتر پیدا کیا ہے، کیونکہ ان کے نفوس مقدسہ میں فطرتًا وہ قصد استقامت ودیعت ہے، جس کے ساتھ وہ ملکوت سے متصل ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کی پاک طبیعتوں میں عبادت

کی وہ رغبت و محویت ہے جو ملکوت کو ان پر ظاہر و منکشف کر کے انہیں اسی عالم میں پہنچا دیتی ہے۔ غرضیکہ انبیاء علیہم السلام اپنی اس فطرت اور محویت کی وجہ سے بدون کسب و تحصیل، انسانی مرتبہ سے نکل کر جب چاہتے ہیں ملاءِ اعلیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور اس حالت میں جو کچھ ملاءِ اعلیٰ سے القاء و الہام ہوتا ہے اس کو ساتھ لے کر پھر مدارک بشریہ کی طرف جو اپنی قوتوں میں موجود ہوتے ہیں رجوع کرتے ہیں کہ بندگانِ خدا کو اس القاء و الہام کی تبلیغ کر سکیں۔

وحی و القاء کے وقت کبھی آواز کا ایک سناٹا سا سُنائی دیتا ہے، جس کو رمزاً کلام و خطاب کہنا چاہیئے۔ انبیاءؑ اسی آواز سے القاء و الہام کے معنی کو سمجھتے ہیں اور یہ آواز ابھی منقطع نہیں ہونے پاتی۔ کہ وہ اس کو اچھی طرح سن اور سمجھ لیتے ہیں اور بعض اوقات حامل وحی (فرشتہ) کسی آدمی کی صورت میں سامنے آکر ان سے کلام کرتا ہے۔ اور وہ اسے اچھی طرح سنتے ہیں اور یہ اخذ وحی اور پھر مدارک بشریہ کی طرف رجوع اور مفہوم وحی کا ادراک گویا ایک طرفتہ العین میں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ القاء وحی جزءاً جزءاً دیر تک نہیں ہوتا رہتا۔ بلکہ تمام وحی دفعتہً نازل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وحی بہت ہی سریع النزول ہے۔ اسی سرعت نزول کی وجہ سے اس القاء و الہام کو وحی کہتے ہیں۔ کیونکہ وحی کے معنی از روئے لغت سرعت ہی ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ وحی بطریق اوّل انبیاءؑ و مرسلین پر نازل ہوتی ہے۔ یعنی ان کو محض ایک گونج اور سنسناہٹ سنائی دیتی ہے۔ اور حامل وحی کا متشخص ہو کر کلام کرنا انبیائے مرسلین سے مخصوص ہے۔ اس لئے پہلے طریقہ سے نسبتاً دوسری طریق کی وحی کامل و افضل ہے،

ایک دن حارث بن ہشام نے جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ آپؐ کے پاس وحی کیونکر آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ کبھی گھنٹہ کی سی سخت گونج سنتا ہوں اور کچھ دیر میں وہ آواز منقطع ہو جاتی ہے اور جو کچھ مجھ سے اس حالت میں کہا جاتا ہے میں سمجھ لیتا ہوں۔ اور اکثر اوقات حامل کسی آدمی کی صورت میں میرے سامنے آتا ہے اور مجھ سے جو کچھ کہتا ہے میں اُسے سنتا اور سمجھتا ہوں۔ اس حدیث نبوی سے مراتب وحی کا فرق جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے ظاہر و عیاں ہے۔ مذکورہ بالا مراتب میں پہلا درجہ

وحی کا اس لئے شدید الاثر ہے کہ نبی کو ابتداءً قوت کے مرتبہ سے نکل کر بالفعل عالم ملکوت سے اتصال ہوتا ہے۔ اس خروج وعروج میں ایک قسم کی دشواری و زحمت پیش آتی ہے مگر اس دشواری کے تحمل کے بعد جب نبی کو مدارک بشری سے مافوق ملکوتی قوت و قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو وحی سنائی دینے لگتی ہے اور اس کے ماسوا صورتیں صعوبت انگیز معلوم ہوتی ہیں۔ مگر جب وحی پے درپے آتی ہے۔ اور بار بار الہام ہونے لگتا ہے تو پھر عالم ملکوت کا اتصال جس میں ابتداءً صعوبت محسوس ہوتی تھی سہل و گوارا ہو جاتا ہے، اور اختتام وحی کے بعد جب مدارک بشری پر رجوع و قرار ہوتا ہے تو معنی وحی تمام بشری مدارک خصوصًا واضح ترین یعنی ادراک بصری پر منقش ہو جاتے ہیں اور حامل وحی کی صورت آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔

اس فرق مراتب کو ظاہر کرنے والی حدیث میں جناب ختمیت مآب نے پہلے طریق کے لئے "وَعَیْتُ" بصیغہ ماضی اور دوسری اکمل وحی کے واسطے "اَعِی" بصیغہ مضارع فرمایا۔ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق بیان میں بلاغت کا ایک باریک نکتہ ہے، کیوں کہ وحی کی دونوں حالتوں کو تمثیل سے ظاہر فرمایا ہے۔ پہلی حالت کو سناٹے اور گونج سے تعبیر کیا ہے۔ "جو عزماً خارج از کلام ہے" اور خبر دی ہے کہ فہم و سماع انقطاع آواز کے بعد واقع ہوتا ہے۔ اس لئے اس انقطاع و انفعال کے بیان کرنے کے لئے "وَعَیْتُ" بصیغہ ماضی فرمایا۔ جو کہ انقطاع و انقضاء کا مقتضاء و مناسب ہے اور وحی کی دوسری حالت کو تمثیل میں یوں ادا کیا کہ گویا مجھ سے کوئی کلام کرتا ہے اور سماع کلام کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے برعایت اقتضاء "اعی" بصیغہ مضارع (جو مقتضی تجدد ہے) فرمایا۔

جاننا چاہیئے کہ ہر وحی کے نزول کے وقت فی الجملہ نبی و مرسل کو صعوبت و گرانی پیش آتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا "یعنی اے محمدؐ! ہم تجھ پر ایک ثقیل و گراں وحی (قرآن) عنقریب نازل کریں گے" اور جناب عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب طولانی وحی نازل ہوتی تھی۔

تو اُس سے جناب رسولِ خدا کو سختی و صعوبت پیش آتی تھی اور یہ بھی کہ اگر وحی سخت جاڑے میں آتی تھی۔ تو انقطاع وحی کے بعد بھی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکتا رہتا تھا، اسی صعوبت اور تعب کی وجہ سے نزول وحی کے وقت انبیاء علیہم السلام کو بے خودی و غشی لاحق ہوتی ہے۔ اور گلو سے اضطراری آواز خرخر نکلنے لگتی ہے۔ اس کا سبب یہی کہ انبیاءؑ نزول وحی کے وقت بشریت سے مفارق و علیحدہ ہو کر مدارک ملکوتی میں پہنچتے ہیں، اور کلامِ نفسانی کا اُن پر القاء ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مفارقت از بشریت وصعوبت اور شدت و تعب کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں گویا نفس اپنی ذات اور اُفق سے مفارق و منسلخ ہوتا ہے، یہی معنی ہیں اس لفظ غطہ کے۔ آنجناب صلعم نے وحی کی ابتدائی حالت کو تعبیر فرماتے ہوتے بیان کیا۔ فغطنی حتی ابلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاری وکذا ثانیہ وثالثہ۔

جب وحی پے در پے نازل ہوتی ہے تو تدریجاً وحی ما قبل کی نسبت وحی مابعد میں کسی قدر سہولت ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے ہجرت کے بعد کے مقابلہ میں اقصر سورتیں نازل ہوتی رہیں۔ دیکھو کہ غزوۂ تبوک میں سورۃ برات تماماً یا بروایتے اس کا زیادہ تر حصہ نازل ہوا۔ بحالیکہ آپؐ ناقہ پر سوار چلے جا رہے تھے اور جب آپؐ مکہ معظمہ میں تھے تو قصار مفصل کا بھی کچھ حصہ ایک وقت میں نازل ہوتا تھا۔ اور باقی دوسرے وقت میں۔ اور مدینہ منورہ میں آیت الدین بایں طوالت ایک بار نازل ہوئی اور یہی سب سے پچھلی وحی تھی اور مکہ میں سورہ رحمٰن، الذاریات، المدثر، الضحیٰ، الفلق یا ان جیسی سورتوں کی آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ اسی طوالت و اختصار سے مکی و مدنی آیتوں اور سورتوں میں باہم فرق و امتیاز کرنا چاہیئے۔ کہ ایک بڑی علامت ہے۔ (۱)

(۱) از مقدمہ ابن خلدون ترجمہ اردو۔

ساتواں باب

ختمِ نبوّت

ختمِ نبوّت ایک ایسا اہم بالشان مسئلہ اور اسلام کا اصل الاصول ہے کہ جس کی شہادت قرآن حکیم کی سینکڑوں آیات اور بے شمار احادیث صحیحہ دے رہی ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو گا کہ اسلام اور ایمان کے بنیادی مسائل و عقائد میں کوئی مسئلہ اور عقیدہ ختمِ نبوّت سے زیادہ واضح و مبرہن، روشن و تابناک اور اجماعی اور متفق علیہ نہیں ہے۔

اہل اسلام کے نزدیک ختمِ نبوّت کا مطلب یہ ہے کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ آخرالزمان ہیں۔ آپؐ پر دنیا کی تمام رسالتیں اور نبوّتیں آ کر ختم ہو گئیں۔ اور خدائے قدوس نے جس آخری اور مکمل دین کو انسان کی رہنمائی کے لئے پسند فرمایا۔ وہ آپؐ پر قرآن مجید کی صورت میں نازل ہو چکا ہے۔ اس لئے آپؐ کے بعد کوئی اصلی یا نقلی، ظلّی یا بروزی نبی نہیں آئے گا۔ اگر کوئی شخص خاتم النبیین کی تفسیر میں تحریف و تاویل یا تکذیب و تکفیر سے کام لیتا ہے تو وہ جھوٹا ہے کاذب ہے اور مفتری ہے۔

ختمِ نبوّت از روئے قرآنِ حکیم

قرآنِ حکیم نے جہاں کتب سابقہ، گذشتہ انبیاء، وجود ملائکہ اور یوم الدین کا ہم سے عہد لیا ہے وہاں اُس نے شروع سے لے کر اخیر تک کسی جگہ بھی اس امر کی تصریح نہیں کی۔ کہ حضورؐ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی شخص کی نبوّت کو تسلیم کرنا ہو گا۔ تمام قرآن مجید کو اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ آپ کو کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملیگی،

جس میں ہم سے عہدِ نبوی کے بعد کسی نبی کی نبوّت کا عہد لیا گیا ہو۔ اگر حضورؐ کے بعد کسی شخصیت کو منصب نبوت پر فائز کرنا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ خاتم النبیین کی آیت کو نازل کیا جاتا اور آنے والے نبیؑ کا کہیں اشارۃً بھی اقرار نہ لیا جاتا۔ حالانکہ یہ ایجابی جزو تو ایک نہایت اہم اسلامی جزو تھی۔ اس پر کفر و اسلام کا مدار تھا۔ اس ایجابی پہلو کو زاویۂ خمول میں ڈال دینا اور سلبی پہلو کو اس قدر واضح اور مبرہن کرنا کس طرح معقول ہو سکتا تھا۔

لیجئے ذیل میں چند آیات درج کی جاتی ہیں جن میں صرف گذشتہ انبیاءؑ کے الہاموں اور نبوّتوں کو ہی منوایا گیا ہے۔ لیکن عہدِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا نام و نشان نہیں فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

(پارہ ۱ رکوع ۱)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اُس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اُس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں۔

(نوٹ) عہدِ حاضر کے مدعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت کے معنی لکھتے ہیں:۔

"اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں"۔

(اخبار الحکم نمبر ۲ جلد نمبر ۱۰ مجریہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مرزا جی کے نزدیک بھی آخرت سے مراد قیامت ہے نہ کہ قادیانی نبوت۔

دوسری آیت سنئیے:۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ

(پارہ ۶ رکوع ۱۳)

تو کہہ اے کتاب والو! کیا ضد ہے، تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا پہلے۔

تیسری آیت :-

لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۔

(پارہ ۶ رکوع ۲)

لیکن جو پختہ ہیں علم میں۔ ان میں اور ایمان والے۔ سو مانتے ہیں اُس کو جو نازل ہوا تجھ پر۔ اور نازل ہوا تجھ سے پہلے۔

چوتھی آیت :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ (پارہ ۵ رکوع ۱۷)

اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے۔

پانچویں آیت :-

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ (پارہ ۲۴ رکوع ۴)

اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے اگلوں کو۔

چھٹی آیت :-

كَذٰلِكَ یُوْحِیْۤ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

(پارہ ۲۵ رکوع ۲)

اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف اور تجھ سے پہلوں کی طرف اللہ زبردست حکمتوں والا۔

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں لیکن بخوف طوالت انہیں آیات پر اکتفا کیا گیا ہے جب ہم مجموعی طریق سے قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا اجمالی نقشہ اپنی ایک ابتدا اور ایک انتہا رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس ابتداء و انتہا کی بالکل واضح حد بندی فرما دی ہے۔ جس سے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ہر مسلمان اس پر یقین رکھتا ہے۔ کہ حضرت آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تو بالاتفاق سلسلۂ نبوت بند نہ ہوا مسلمانوں اور

قادیانیوں میں اس دورِ نبوت سے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دروازہ بند کرنے والے ہیں یا نہیں؟ قادیانیوں کے نزدیک حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کا آنا بدستور باقی ہے۔ لیجئے اب اس کا فیصلہ ہم قرآن حکیم سے چاہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ نبوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا:۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (پارہ ۱ رکوع ۴)	ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب، پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

یہی مضمون دوسرے الفاظ میں ایک اور مقام پر بھی ارشاد ہوا ہے:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (پارہ ۸ رکوع ۱۱)	اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے کہ سنائیں تم کو آیتیں میری تو جو کوئی ڈرے اور نیکی پکڑے تو نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

ان دونوں آیات میں سلسلۂ نبوت کی ابتداء بیان فرمائی اور اعلان فرمایا۔ کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے وقت نبوت کی نبیاد رکھی گئی تھی۔ اور حکم ہوا کہ حضرت آدمؑ علیہ السلام کے بعد بکثرت انبیاء کرام تشریف لائیں گے۔ کوئی حد بندی نہ ہوئی۔ کوئی شمار نہ بتلایا۔ بلکہ جمع کے صیغہ (رسل) سے اس کثرت کو بیان فرمایا۔ یعنی ایک دو نہیں، بلکہ بکثرت رسول آئیں گے اور اتباع لازمی ہوگی۔ سو معلوم ہوا، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بہ تعداد کثیر چلے گا۔

علیٰ ہذا القیاس دوسرے بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء کرامؑ کے دور کو بھی دیکھئے،

تو نبیوں کی آمد معلوم ہوگی۔ مثلاً آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام اور صاحب ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کا اِن الفاظ میں ذکر کیا:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَّكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا۔ (پارہ ۲۷ رکوع ۲۰)	اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کو اور ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب۔ پھر کوئی اُن میں راہ پر ہے اور بہت اُن میں نافرمان ہیں۔ پھر پیچھے بھیجے اُن کے قدموں پر اپنے رسول۔

صاف واضح فرمایا کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد بھی ایسے ہی سلسلہ نبوّت جاری رہا، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہاں بھی کوئی حدبندی تعیّن نہ فرمائی۔ بلکہ بعینہٖ یہاں بھی بصیغۂ جمع (برسلنا) ارشاد فرمایا۔ حکم ہوا کہ یہاں بھی بکثرت رسولوں کی آمد رہے گی۔ بہت سے انبیاء و رسول تشریف فرما ہوں گے۔

ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دَور آیا، وہاں بھی بالکل یہی رنگ یہی کثرت، یہی غیر محدود سلسلہ جاری رہنے کا اعلان ان الفاظ میں کیا جاتا ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۫ (پارہ ۱ رکوع ۱۱)	اور بے شک دی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے پیچھے رسول۔

اس آیت میں بھی وہی سابقہ رنگ اختیار کیا گیا۔ یہاں بھی رسولوں اور نبیوں کی کثرت کو بصیغۂ جمع (بالرسل) بیان فرمایا۔ کوئی تعیّن و تخصیص نہیں فرمائی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے رسول تشریف فرما ہوئے۔ مثلاً داؤدؑ، سلیمانؑ۔ ذکریاؑ۔ یحییٰؑ وغیرہ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اس موسوی سلسلہ کا آخری پیغمبر جب حضرت عیسیٰ مسیح روح اللہ تشریف فرما ہوا۔ تو اب سلسلۂ نبوّت کا رنگ بدلا۔ یوں کہئے کہ آمد انبیاء میں ایک گونہ انقلاب آگیا۔ وہ کثرت، وہ لاتحدید، وہ لاتعیّن وہ ابہام نہ رہا۔

بلکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہوئے تو اپنے بعد صرف ایک ہی رسول کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں۔ پھر اس آنے والے عظیم المرتبت رسول کا نام نامی و اسم گرامی بیان کر دیتے ہیں تاکہ کوئی شقی ازلی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط (پارہ ۲۸ رکوع ۹)

جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل! میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا۔ اس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت۔ اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد۔

حضرت مسیح ابن مریمؑ سے قبل کے انبیاء میں اور حضرت مسیحؑ کے بعد زمانہ میں ایک انقلاب آگیا۔ طرز بیان بدل گیا۔ پہلے تو بکثرت انبیاء کی آمد کی اطلاع دی گئی بصیغۂ جمع (رسل)، دی گئی۔ لیکن حضرت مسیحؑ کے بعد صرف ایک ہی رسول کے آنے کی خوشخبری دی گئی اس آنے والے رسولؐ کے نام (احمدؐ) کی بھی تعیّن کر دی۔ اس جگہ کسی بدبخت کے لئے موقع مل سکتا تھا کہ وہ خود کو "مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي" کا مصداق ٹھہرائے اور ناجائز فائدہ اُٹھائے۔ اس لئے قرآن مجید نے "احمد" کے نام کی تصریح کر کے اس شبہہ کا بھی قلع قمع کر دیا۔

پھر جب اُس رسول "مبشر"، "احمد"، "خاتم النبیین" کے لئے دنیا منتظر تھی جس رسول نے سلسلۂ نبوت کو بند کرنا تھا۔ جو سید الاولین والآخرین تھا۔ جس نے دنیا کی تاریکی کو دُور کرنا تھا۔ جس نے دنیا کے لئے آخری اور دائمی لائحہ عمل پیش کرنا تھا۔ وہ خاتم النبیین آگیا۔ اب اس کے بعد کسی کو خلعتِ نبوت سے نہ نوازا جائے گا۔

بقولِ مولانا ظفر علی خانؒ ؎

آدم کی نسل پر ہوئی حُجّت خدا کی ختم
دُنیا میں آج دین کی تکمیل ہوگئی،

اپنا جواب آپ تھی جو آخری دلیل
افلاک پر حوالۂ جبریلؑ ہو گئی ،
بطحا میں رحمتِ دو جہاں کا ہوا ظہور
منشاءِ کردگار کی تعمیل ہو گئی
آ کر محمدؐ عربی نے لگائی مُہر
اللہ کے قبالہ کی تسجیل ہو گئی
تورات کا فسانہ سنانے کو رہ گیا
منسوخ اُس کے آتے ہی انجیل ہو گئی
ایمان کو جن سے شکوۂ اجمال تھا کبھی
قرآن میں اُن نکات کی تفصیل ہو گئی
سوئے ہوؤں کو اس کی صدا نے جگا دیا
آواز اُس کی صورِ اسرافیل ہو گئی

دنیا کی محفلوں کے دیئے سارے بجھ گئے
روشن جب اُس کی بزم کی قندیل ہو گئی

ارشاد ہوتا ہے :۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط
(پارہ ۲۲ رکوع ۲)

محمدؐ باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے۔ لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔

دیکھئے قرآن مجید نے نبوت کے سلسلہ کو کیسے شروع کیا اور پھر ختم کیا۔ کس واضح بیان سے اوّل و آخر کی تعین کر دی کس خوبی سے اس سلسلہ کا نقشہ کھینچ دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا :۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والے نبیوں کا۔

"یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا"

(ازالۂ اوہام از مرزا غلام احمد قادیانی طبع پنجم ص۲۵۲)

مرزا جی کا یہ قول کس قدر صاف ہے کہ "خاتم النبیین کا معنی نبیوں کا ختم کرنے والا ہے"۔ یہ اس لئے نقل کر دیا ہے کہ اُن کے معتقدین اس کے کوئی اور معنی نہ کر سکیں۔

جناب مولانا سیّد ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، ختمِ نبوت کا مطلب بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"ختمِ نبوّت کا ذکر سورۂ احزاب میں آیا ہے۔ اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ عرب میں مُنہ بولے بیٹے کو بالکل حقیقی بیٹے کی حیثیت دے دی گئی تھی۔ وہ حقیقی بیٹے کی طرح میراث پاتا تھا مُنہ بولے باپ کی بیوی اور بیٹوں سے اسی طرح خلا ملا رکھتا تھا جس طرح ماں بیٹے اور بھائی بہنوں میں ہوا کرتا ہے اور متبنّیٰ بن جانے کے بعد وہ ساری حرمتیں اس کے اور اس کے مُنہ بولے باپ کے درمیان قائم ہو جاتی تھیں۔ جو نسبی رشتے کی بنا پر قائم ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے حکم دیا کہ منہ سے کسی کو بیٹا کہہ دینے سے کوئی شخص حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا۔ (سورۃ احزاب آیت ۴-۵)

لیکن دلوں میں صدیوں کے رواج کی وجہ سے حرمت کا جو تخیّل بیٹھا ہوا تھا، وہ آسانی سے نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس رسم کو عملاً توڑ دیا جائے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آگیا۔ کہ حضرت زیدؓ نے (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے) حضرت زینبؓ کو (جو ان کے نکاح میں تھیں) طلاق دے دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ موقع ہے اس سخت قسم کی جاہلی رسم کو توڑنے کا۔ جب تک آپ خود اپنے متبنّیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح نہ کریں گے، متبنّیٰ کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کا جاہلی تخیّل نہ مٹ سکے گا۔ لیکن آپ یہ بھی جانتے تھے کہ مدینہ کے منافقین اور اطرافِ مدینہ کے یہود اور مکّہ کے کفّار اس فعل پر ایک طوفانِ عظیم برپا کر دیں گے اور آپؐ کو بدنام کرنے اور اسلام کو رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔ اس لئے آپؐ عملی اقدام محسوس کرنے کے باوجود ہچکچا رہے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا اور آپؐ نے حضرت زینبؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس پر جیسا کہ اندیشہ تھا اعتراضات اور بہتان طرازی اور افترا پردازی کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور خود مسلمان عوام کے دلوں میں بھی طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے شروع ہو گئے، انہی اعتراضات اور وسوسوں کو دُور کرنے کے لئے سورۂ احزاب کے پانچویں رکوع کی آیات ۳۰ – ۴۰ نازل ہوئیں۔

اِن آیات سے پہلے تو اللہ تعالےٰ یہ فرماتا ہے کہ یہ نکاح ہمارے حکم سے ہوا ہے اور اس لئے ہوا ہے کہ مومنوں کے لئے اپنے متبنیٰ لڑکوں کی بیوہ اور مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی ہرج نہ رہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ایک نبی کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کا حکم بجا لانے میں وہ کسی قسم کے خوف سے ہچکچائے۔ اس کے بعد اس بحث کو ختم اس بات پر فرماتا ہے کہ :۔

"محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں"

اس موقعہ پر یہ فقرہ جو ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معترضین کے جواب میں تین دلائل دینا چاہتا ہے :۔

اوّل :۔ یہ کہ نکاح بجائے خود قابل اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ جس شخص کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا گیا ہے، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعی بیٹا نہ تھا، اور آپؐ اس کے حقیقی باپ نہ تھے۔

دوسرے :۔ اگر تم کو یہ شُبہ ہو کہ نکاح جائز ہی سہی مگر اس کا ذکر کرنا کیا ضروری تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس جائز کام کو کرنا فی الواقع ضروری تھا کیونکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور رسول کو لازم ہے کہ وہ خدا کے قانون کو عملاً جاری کرے۔ اور جو چیزیں بے جا رسم کے طور پر حرام کر دی گئی ہیں اُن کی حُرمت توڑ دے۔

تیسرے :۔ یہ کام اس لئے اور بھی زیادہ ضروری تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض نبی ہی نہیں ہیں، بلکہ آخری نبی ہیں۔ اگر آپ کے ہاتھوں یہ جاہلانہ رسم نہ ٹوٹی تو پھر قیامت تک نہ ٹوٹ سکے گی۔ آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے کہ جو کسر آپ سے چھوٹ جائے اُسے وہ آکر پورا کر دے۔

اب آپ خود دیکھ لیجئے کہ اس سلسلۂ بیان میں ختم کا حقیقی مفہوم کیا ہے اگر اسے نفیٔ کمال کے معنی میں لیا جائے تو یہاں یہ لفظ بالکل ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے،

موقع و محل صاف تقاضا کر رہا ہے کہ یہاں اس کے معنی سلسلۂ نبوّت کے قطعی انقطاع ہی کے ہونے چاہئیں۔ اس سیاق و سباق میں یہ کہنے کا آخر مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شادی اس لیئے کی ہے۔ کہ نبوّت کے کمالات ان پر ختم ہو چکے ہیں۔ یہ بات کہی گئی ہوتی تو معترضین فوراً پلٹ کر کہتے کہ "خوب ہے یہ کمالِ نبوّت جو ایک عورت سے شادی کرنے کا تقاضا کرتا ہے"۔ اس کے بعد حدیث کو دیکھئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ختمِ نبوّت کی جو تشریح فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ "میری اور انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک محل تھا۔ جس کی عمارت بہت حسین بنائی گئی تھی۔ مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ اب وہ جگہ میں نے آکر بھر دی' اور عمارت مکمل ہو گئی"۔ یہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ آپ کو مشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین میں مل جائے گی۔ اس تشریح کی رُو سے نبوّت کی عمارت مکمل ہو چکی ہے، آخری اینٹ کی جگہ بھی بھر چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کوئی نئی اینٹ آکر کہاں لگے گی۔ عمارت کے اندر یا اس کے باہر۔ اس کے بعد لغت کی طرف آیئے۔ عربی زبان کی کسی مستند لغت کو اُٹھا کر لفظ ختم کے معنی دیکھ لیجیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جو تاویل میں نے اُوپر قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کی ہے۔ عربی زبان بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ختم کے اصلی معنی مہر لگانے، بند کرنے اور کسی چیز کا سلسلہ منقطع کر دینے کے ہیں۔

"خَتَمُ الْاِنَاءَ" کے معنی ہیں۔ برتن کا مُنہ بند کر دیا۔ "خَتَمُ الْعَمَلَ" کے معنی ہیں، کام پورا کر کے اس سے فارغ ہو گیا۔ "ختم الکتاب" کے معنی ہیں خط پورا کر کے اس پر مُہر لگا دی۔ خود قرآن میں منکرینِ حق کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ" خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ یعنی ان کے دل قبولِ حق کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں۔ نہ ایمان ان کے اندر جا سکتا ہے، نہ کفر ان میں سے نکل سکتا ہے پس حضورؐ کو خاتم النبیین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ مکمل کر کے آپؐ کو اس پر مُہر کے طور پر نصب کر دیا ہے اب اس سلسلہ میں کوئی نیا نبی

داخل نہیں ہوسکتا۔" (۱)

ابھی ایک ضروری اور قابل بیان چیز رہ گئی کہ مرزا قادیانی کا بیٹا محمود قادیانی اپنے ابّا کی نبوّت منوانے کے لئے بشارتِ احمد کے متعلق تحریفِ قرآنی کیا کرتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ "اِسْمُہٗ اَحْمَد" کی پیشنگوئی کا مصداق صرف میرا ابّا (غلام احمد قادیانی) ہی ہوسکتا ہے اور حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوسکتے (عیاذاً باللہ) دیکھو" انوارِ خلافت" مؤلفہ محمود قادیانی ص ۱۸-۲۱ لیکن یہ لاعلمی اور جسارت کا مظاہرہ ہے۔ کیونکہ اگر تھوڑی دیر کے لئے بطور بفرض محال تسلیم کرلیا جائے کہ یہ پیشنگوئی مرزاجی کے حق میں ہے۔ تو خاکش بدہن، حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت تو بالکل درمیان سے معدوم ہوگئی۔ مدنی نبوّت کا نام ونشان نہ رہا۔ عیاذاً باللہ!

از روئے قرآن مجید حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تو صرف ایک ہی رسول کی آمد کی خوشخبری دی ہے اگر وہ خوشخبری معین وشخص نام والی خوشخبری مرزا قادیانی کے لئے ٹھہر گئی تو سیّد عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت قرآن مجید کی کس آیت سے ثابت کی جائے گی؟

علاوہ ازیں مرزا محمود کا یہ دعویٰ اپنے ابّا کے نظریات کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ صاف لکھتا ہے کہ بشارتِ احمد والی پیش گوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے پھر انصاف کیجئے کہ بات بیٹے کی مانی جائے یا اس کے ابّا کی۔ اب مرزا غلام احمد کی تصریحات ملاحظہ فرمایئے:-

(۱) "حضرت رسولِ کریمؐ کا نام احمد وہ ہے جس کا ذکر حضرت مسیحؑ نے کیا۔ یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ من بعدی کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نبی میرے بعد بلافصل آئے گا۔ یعنی میرے اور اس کے درمیان اور کوئی نبی نہ ہوگا۔"

(ملفوظاتِ احمدیہ حصّہ اوّل ص ۱۶۶)

---

(۱) رسائل ومسائل جلد اوّل ص ۳۱-۳۷

مرزا غلام احمد نے یہی مضمون بعینہٖ آئینہ کمالات اسلام صـ۴۲ میں بیان کیا ہے:-

(۲) "پھر آپ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا۔ وہ احمد ہے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ نے اسی نام کی پیشین گوئی کی تھی مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ یعنی میرے بعد ایک نبی آئے گا۔ جس کی بشارت دیتا ہوں اور اس کا نام احمد ہو گا۔" (ملفوظات احمدیہ حصّہ اوّل صـ۱۵۳)

پس یہ صاف معلوم ہو گیا کہ بشارتِ احمد، قادیانیت کے نزدیک بھی حضرت خاتم النبییّن محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے اس مختصر اور نہایت ہی اجمالی نقشہ سے از روئے قرآن مجید ثابت ہو گیا۔ کہ نبوّت کا دروازہ حضورِ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بند ہو گیا ؎

ختمِ رسل کے بعد پیمبر، غلط غلط، نازل ہو، اب کتاب کسی پر، غلط غلط
ہے باعثِ نجات فقط مصطفٰےؐ کی ذات ہو اور کوئی شافعِ محشر، غلط غلط

(امین گیلانی)

ختمِ نبوّت از روئے احادیثِ نبی کریمؐ

حضور سیّد المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ختمِ نبوّت کے مسئلہ کو بالکل صاف اور واشگاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ کبھی تمثیلی رنگ میں فرمایا۔ کہ نبوّت کی مثال ایک مکان کی سمجھو۔ جس کی آخری اینٹ مَیں ہوں۔ کبھی فرمایا۔ میرے بعد مدّعیٔ نبوّت دجّال اور کافر ہو گا۔ کبھی کہیں کوئی موہم کلام واقع ہوئی تو فوراً اس کا دفعیہ فرما دیا۔ مثلاً حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ "اس وقت میری اور تیری مثال موسٰی اور ہارون علیہما السلام کی ہے۔" مگر ساتھ ہی ارشاد فرمایا۔ کہ "الا انہ' لا نبی بعدی" یعنی میرے بعد ہارونی نبوّت غیر تشریعی کا استعمال نہیں۔ المختصر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ لیکن دجاجلۂ اُمت خواہ مخواہ درپے تحریف ہو گئے۔

میں اس باب میں ختمِ نبوّت کے مسئلہ کو حدیث کی روشنی میں دکھانا چاہتا ہوں، اگرچہ

اس مسئلہ میں احادیث بے شمار ہیں۔ مگر میں وہی احادیث وروایات پیش کرنا چاہتا ہوں جو مرزا غلام احمد قادیانی کی کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم شدہ ہیں۔ کیونکہ اس مضمون کا مرکزی نقطہ مرزاجی کے اقوال وتحریرات سے ختم نبوّت کی وضاحت کرنا ہے۔

حدیث اوّل:۔ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔ کہ حضورؐ فداہ ابی وامّی نے فرمایا۔ "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" یعنی حضور کے بعد کسی شخصیت کو خلعتِ نبوّت سے نہ نوازا جائے گا۔

آپ نے سب تقسیموں کو اڑا دیا۔ نہ ظلّی، نہ بروزی، نہ تشریعی، نہ غیر تشریعی، نہ مستقل، نہ غیر مستقل، نہ بالواسطہ نہ بلاواسطہ۔ ہر قسم کی نبوّت کا آپؐ نے دروازہ بند کر دیا اور کلمہ بھی ایسا جامع فرمایا۔ کہ جوامع الکلم کی شان رکھتا ہے۔ اس حدیث کو مرزا قادیانی نے اپنی تصانیف میں کئی جگہ تسلیم کیا ہے۔ مرزاجی کے نزدیک یہ حدیث مشہور ہے اور اس میں نفی مستغرق (یعنی عام) ہے اس میں سے کسی قسم کے نبی کا استثناء نہیں۔ ہر قسم کی نبوّت کو حضورؐ پر مسدود سمجھتا ہے اور اس حدیث کو آیہ خاتم النبیین کی تفسیر خیال کرتا ہے۔ اندریں حالات ختمِ نبوّت کا مسئلہ از روئے قادیانی لٹریچر بالکل واضح ہونا چاہیئے تھا۔ اور اس انکار کی کوئی ادنیٰ سی وجہ بھی نہ رہنی چاہیئے تھی۔ مگر کیا کیا جائے۔ کہ اِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ط

تصدیقاتِ مرزا ملاحظہ ہوں:۔

(۱) "حدیث "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا۔"

(کتاب البریہ صہ ۱۸۴ حاشیہ)

(۲) "قرآن شریف میں . . . . . . ختمِ نبوّت کا بکمالِ تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا شرارت ہے نہ حدیث نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" میں نفی عام ہے۔ یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالاتِ رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے۔"

(ایام الصلح اردو صہ ۱۴۶)

(۳) " اَلَا تَعْلَمُ اَنَّ الرَّبَّ الرَّحِیْمَ الْمُتَفَضِّلَ سَمّٰی نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ بِغَیْرِ اِسْتِثْنَاءٍ وَفَسَّرَہٗ نَبِیُّنَا فِیْ قَوْلِہٖ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ بَیَانٌ وَاضِحٌ لِّلطَّالِبِیْنَ لَوْجَوَّزْنَا ظُهُوْرَ نَبِیٍّ بَعْدَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَجَوَّزْنَا اِنْفِتَاحَ بَابِ وَحْیِ النُّبُوَّۃِ بَعْدَ تَغْلِیْقِهَا هٰذَا خُلْفٌ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ وَكَیْفَ یَجِیْءُ نَبِیٌّ بَعْدَ رَسُوْلِنَا صلعم وَقَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ بَعْدَ وَفَاتِہٖ وَخَتَمَ اللّٰہُ بِہِ النَّبِیِّیْنَ " (حمامتہ البشریٰ ص۲۰)

" یعنی اے مخاطب کیا تجھ کو علم نہیں ہے کہ خدائے رحیم نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء کا ختم کرنے والا ٹھیرایا ہے اور کسی قسم کے استثناء کو جائز نہ رکھا۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تفسیر لا نبی بعدی سے ایسے کر دی جو طالبین کے لئے واضح ہے اب اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور مانیں تو ہم نے وحیٔ نبوّت بند ہو چکنے کے بعد اس کو پھر کھولنا چاہا۔ اور یہ بالکل باطل ہے حالانکہ آپ کی وفات کے بعد وحی بند ہو چکی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ پر نبیوں کو ختم کر دیا ہے "

(۴) " قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَمَّاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ فَمِنْ اَیْنَ یَظْهَرُ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ " (تحفہ بغداد ص۲۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء فرمایا ہے۔ تو آپؐ کے بعد بھلا کیسے کوئی نبی ظاہر ہو "

(۵) مرزا جی نے ازالہ اوہام طبع اوّل ص۵۹۸ میں اس حدیث کو تسلیم کیا ہے۔

حدیث دوم :-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

" خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ " (صحیح مسلم) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے

سب نبیوں کا آنا ختم ہوگیا "۔

اسی مضمون کو مرزا قادیانی نے بھی لیا ہے۔ جیسے میں نے گذشتہ حوالہ ۳ میں حمامتہ البشریٰ سے نقل کیا ہے "قَدْ اِنْقَطَعَ الْوَحْیُ بَعْدَ وَفَاتِہٖ وَخَتَمَ اللّٰہُ بِہِ النَّبِیّٖنَ" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نبیوں کو ختم کردیا۔

حدیث سوم :۔

بخاری و مسلم اور ترمذی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ذکر کئے ہیں :۔

"مِثْلِیْ وَمِثْلِ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ دَارًا فَاَکْمَلَھَا وَاَحْسَنَھَا اِلَّا مَوْضِعَ لَبْنَۃٍ فَکَانَ مَنْ دَخَلَھَا فَنَظَرَ اِلَیْھَا قَالَ مَا اَحْسَنَھَا اِلَّا مَوْضِعَ اللَّبْنَۃِ فَخُتِمَ بِیَ الْاَنْبِیَاءُ "۔

" اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور گذشتہ انبیاء کی یوں مثال سمجھو کہ کوئی ایک مکان تیار کرکے اس کی تکمیل و تحسین کردے، مگر ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی ہو۔ پھر جو آدمی اس محل میں داخل ہوتا ہے دیکھ کر اس کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مکان کیا خوب ہے لیکن افسوس کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہے۔ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ ختم کردیا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں "۔

مرزا قادیانی نے اس حدیث کو ذیل کے الفاظ میں لکھا ہے :۔

" اور جو دیوارِ نبوت کی آخری اینٹ ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں "۔

(سرمہ چشم آریہ ص ۱۵۷، ۱۵۸)

حدیث چہارم :۔

ابن ماجہ میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے :۔

" اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ "۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تمام اُمتوں میں آخری اُمت ہے ۔"

مرزاجی نے اس حدیث کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے :۔

(۱) "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا ۔"

(حقیقتہ الوحی کا تتمہ صـ۴۴)

(۲) اور سب کے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا، جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے ۔" (حقیقتہ الوحی صـ۱۴۱)

حدیث پنجم :۔

حبر اُمت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ :۔

فَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ۔" (ابوداؤد طیاسی صـ۳۵۳)

"حاصل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں ۔"

مرزا قادیانی کے الفاظ بھی سُن لیجئے :۔

(۱) چنانچہ یہ امر مسلمان کا بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ آپؐ نبی آخر الزمان تھے ۔"

(ملفوظاتِ احمدیہ حصہ اوّل صـ۸۲)

(۲) اتمام الحجہ مطبع لاہوری صـ۲۱ ، نور القرآن حصہ دوم صـ۷ ، نور القرآن حصہ دوم صـ۲۲، تریاق القلوب صـ۲۵۸، تریاق القلوب صـ۴۲۵ میں بھی مرزا جی نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الزمان نبی تسلیم کیا ہے ۔

چونکہ قادیانی قرآن حکیم کی ہر آیت کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کو مرزاجی کے آئینہ میں دیکھنے کے عادی ہیں ۔ اس لئے میں نے وہی احادیث پیش کی ہیں ۔ جن کو مرزاجی کی تسلیم شدہ احادیث کہا جا سکتا ہے ۔ بلکہ ان سے مرزاجی نے خود ختم نبوّت کے مسئلہ پر استدلال کیا ہے ۔

لہٰذا ان دلائل ساطع اور براہین قاطع کے بعد جھوٹے مدعیانِ نبوّت کا دعوے

ہر حیثیت سے پادر ہو جاتا ہے ۔ اور ان کی کوئی دلیل بھی قابل اعتنا نہیں رہتی
اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ۔ (کہف) (۱)

(۱) از افادات حضرت مولانا محمد چراغ صاحب مدظلہ ۔

آٹھواں باب

معجزاتِ نبویؐ

نبوّت اور معجزات اور اُن کی فلاسفی

نبوّت کی تعریف یہ ہے کہ نبوت وہ قوت یا ملکہ ہے جس سے ان اشیاء کا ادراک ہو سکتا ہے۔ جن کا ادراک حواس سے۔ تمیز سے۔ عقل سے نہیں ہو سکتا۔

امام غزالیؒ "منقذ من الضلال" میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنے ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس میں وہ آنکھ کھل جاتی ہے۔ جس سے وہ خاص چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن سے عقل بالکل محروم ہے۔ جس طرح قوتِ سامعہ رنگوں کے ادراک سے بالکل معذور ہے" امام صاحب لکھتے ہیں کہ انسان اصل خلقت کے لحاظ سے جاہل محض پیدا ہوا ہے۔ پیدا ہونے کے وقت وہ اقسام موجودات میں سے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے اس میں لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست نرمی، سختی اس حاسہ کو مرئیات اور مسموعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو شے محض سُننے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے حق میں یہ حاسہ بالکل معدوم ہے۔ لمس کے بعد پھر انسان میں دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کر سکتا ہے۔ پھر سُننے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر چکھنے کی۔ یہاں تک

کہ محسوسات کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ اور ایک نیا دَور شروع ہوتا ہے۔ اب اس کو تمیز کی قوت حاصل ہوتی ہے اور ان چیزوں کا ادراک کر سکتا ہے جو حواس کی دسترس سے باہر ہیں۔ یہ دَور ساتویں برس سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر عقل کا زمانہ آتا ہے۔ جس سے ممکن۔ محال۔ جائز و ناجائز کا ادراک ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جس طرح تمیز و عقل کے مدرکات کے لئے حواس بالکل بے کار ہیں۔ اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لئے عقل محض بے کار ہے اور اسی درجہ کا نام نبوّت ہے۔

یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے سے یا سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ابتداء سے ہی بعض لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی محنت اور کوشش کریں اُن کے ہم پلّہ نہیں ہو سکتے۔ یہ قوت کسی میں کم، کسی میں زیادہ اور کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلیم کے بغیر ان کو حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے ان کو کسی قسم کا بیرونی علم نہیں ہوتا۔ لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیاء کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی قوت کا نام ملکۂ نبوّت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں، آپ تجربے اور مشاہدے سے کام لیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں ہیں۔ ذہن و ذکاوت۔ فہم و فراست۔ عقل و ذہانت، مختلف افراد انسانی میں نہایت مختلف المراتب ہیں۔

ایک شخص کودن ہے تو دوسرا ذہین۔ تیسرا اس سے زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے ایسے فعل سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر فعال قدرتِ انسانی کی حد سے باہر آتے ہیں۔

یورپ کے سائنس دانوں کو مادّے کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن اب تو بڑے بڑے فلاسفر یہ ماننے لگے ہیں کہ حواس اور عقل کے سوا ایک اور قوت بھی ہے۔ جس سے اشیاء کا ادراک ہوتا ہے اسی کا نام نبوّت ہے۔

اس بحث سے ظاہر ہے کہ نبوت کا وجود ممکن ہے اور وہ افراد انسانی میں پائی جا سکتی ہے۔ جس شخص میں یہ قوت ہو اُسے پیغمبر کہتے ہیں۔ جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہیں تو اس کے ایک ایک لفظ سے نبوت کے آثار نمایاں ہیں۔ اس سے صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حامل بجز پیغمبرؐ اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔

پیغمبرؐ سے جو فعل خرقِ عادت وقوع میں آئے۔ اُس کا نام معجزہ ہے، فلسفہ اور مذہب میں جو اَن بَن شروع ہوتی ہے اُس کی بنیاد معجزات یا خرقِ عادات کا مسئلہ ہے۔ فلسفہ کا سرمایۂ ناز جو کچھ ہے، وہ یہ ہے کہ جزئیات کو کلیات کے تحت میں لاتا ہے اور ہر چیز کی علت اور سبب ڈھونڈ کر نکالتا ہے۔ خرقِ عادت اس سلسلے کو بالکل توڑ دیتا ہے۔ اس کے طفیل سے جانور آدمی بن سکتا ہے، ذرہ پہاڑ ہو سکتا ہے، آگ پانی ہو سکتی ہے۔ سیارے چلنے سے رُک جاتے ہیں۔

اسلام میں جب فلسفہ اور حکمت کا رواج ہوا۔ تو اس مسئلے کی بحث پیش آئی۔ جن لوگوں کے سر پر فلسفہ کا جن سوار تھا۔ انہوں نے صاف انکار کیا۔ رسائل اخوان الصفا کے ارکان اسی گروہ میں داخل ہیں۔ علامہ ابنِ حزم ظاہری جو بہت بڑے محدث تھے، ان کا یہ مذہب ہے کہ دنیا میں علت و معلول۔ سبب و مسبب تاثیرات اشیاء کا سلسلہ قائم ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اسی سلسلے کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کا نام معجزہ ہے۔

عام متکلمین کی یہ رائے ہے کہ معجزہ حسی ہوتا ہے۔ حسی کے یہ معنی ہیں کہ درحقیقت یہ واقعات اسی طرح وقوع میں آئے۔ اس کے اِمکان کے دلائل یہ ہیں :۔

(الف) جو خدا نطفہ سے آدمی اور مادہ سے جاندار پیدا کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ سنگریزے میں جان ڈال دے اور حیوان کو گویائی کی قوت دے۔

(ب) تمام اجسام متماثل ہیں۔ اس لئے ایک جسم میں جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہر ایک جسم میں پائی جا سکتی ہیں، گو بالفعل نہ پائی جائیں۔

(ج) آفتاب ایک مدت میں ایک چیز کو گرم کر سکتا ہے، آگ فوراً گرم کر سکتی ہے اس

لئے ممکن ہے کہ جو امور بتدریج وقوع میں آتے ہیں۔ پیغمبرؐ کی تاثیر سے فوراً وقوع میں آئیں۔

معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ معجزہ عقلی بات ہے حسّی نہیں ہے۔ عقلی سے یہ مُراد ہے کہ ایک بات سے اس کے معنوی معنی لئے جائیں جیسا کہ خدا کے اس قول میں ہے کہ تمام چیزیں خدا کی تسبیح پڑھتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس قدر مخلوقات اور محدثات ہیں سب اپنے خالق اور موجد کی گواہی دیتے ہیں۔ جس طرح تعمیر اس بات کی شہادت ہے۔ کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور تحریر اس بات کی شہادت ہے کہ اس کا کوئی لکھنے والا ہے اس کا نام زبانِ حال ہے اور متکلمین اس کو دلالۃ الدلیل علے المدلول کہتے ہیں حکماء اور فلاسفروں کا خیال ہے کہ معجزہ خیالی واقعہ ہے خیالی کے یہ معنی ہیں کہ زبانِ حال تمثیلاً محسوس صورت میں نظر آتا ہے یعنی زبانِ حال تمثیل کے طور پر محسوس اور مشاہدہ ہو جاتی ہے اور یہ انبیاء اور پیغمبروں کا خاصہ ہے عام لوگوں کے لئے خواب ہیں۔ جس طرح یہ خیالی کیفیت محسوس صورت پکڑ لیتی ہے اور آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ مثلاً آدمی خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک اونٹ اس سے باتیں کر رہا ہے یا گھوڑا اس سے خطاب کر رہا ہے۔ یا کوئی مُردہ اُسے کچھ دے رہا ہے یا اُس سے چھینتا ہے۔ یا اُس کی اُنگلی چاند یا سورج بن گئی ہے یا اُس کا ناخن شیر ہو گیا ہے۔ اسی طرح انبیاء کو یہ چیزیں حالتِ بیداری میں نظر آتی ہیں۔ اور یہ چیزیں بیداری میں ان سے خطاب کرتی ہیں۔ جاگنے والوں کو اس حالت میں فرق نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ خیالی گویائی ہے یا حسّی۔ سونے والوں کو جو ان دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جاگ اُٹھتا ہے اور سونے جاگنے کی حالت میں اس کو فرق معلوم ہوتا ہے۔ جس کو ولایت تامہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی ولایت کی شعاعیں حاضرین پر پڑتی ہیں یہاں تک کہ ان کو بھی وہ اشیاء نظر آتی ہیں۔ اور وہ آوازیں سنائی دیتی ہیں جو صاحبِ ولایت کو نظر آتی اور سنائی دیتی ہیں۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ معجزات کی تینوں اقسام میں سے تمثیل خیالی زیادہ متعارف ہے۔ لیکن تینوں اقسام پر ایمان لانا واجب ہے۔

اب یہ سوال ہے کہ آیا معجزہ نبوّت کی دلیل ہو سکتا ہے یا نہیں - اشاعرہ عموماً اس کی دلیل نبوّت ہونے پر متفق ہیں۔ حکمائے اسلام میں سے بوعلی سینا اشاعرہ کا ہمزبان ہے اور "کتاب الشفا" میں لکھا ہے کہ "پیغمبرؐ کے لئے معجزہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

ہماری رائے میں نبی کے ارشادات اور ہدایات اور اعمال اور طرزِ زندگی سے ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ معجزہ اگر پیغمبرؐ کے سچے ہونے کی دلیل ہے تو صرف اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس معجزہ کو دیکھا" (۱)

نبوّت کی ماہیت اور معجزوں کی حقیقت بیان کر کے اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات بطورِ مشتے نمونہ از خروارے معتبر کتابوں سے لیکر ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

معجزات
واقعاتی حیثیّت سے

معجزہ کی اس مختصر سی بحث کے بعد اب یہ جاننا باقی ہے کہ ظہورِ معجزات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک پر آپ کی حیاتِ طیبہ ظاہری میں ظہور پذیر ہوئے۔ اور دوسرے وہ ہیں جو حضور علیہ السلام کے ارشادات ہیں اور آنے والے حالات و زمانہ کے متعلق بطور پیشین گوئی کتب حدیث اور کتاب اللہ میں درج ہیں - ان اوراق میں وہی معجزات، اہل نظر و فہم کے آگے پیش کئے جائیں گے۔ جو بطور پیشین گوئی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے۔ اور بعض حضور علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ظہور پذیر

(۱) سوانح احمدی مؤلفہ خان احمد حسین خاں صاحب سابق ایڈیٹر رسالہ شباب اردو - لاہور

ہو چکے ہیں اور بعض قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ کیونکہ حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا حصر و حساب ناممکن اور فہم انسانی سے بالاتر ہے، اور یہی حضور علیہ السلام کے علم غیب اور کمالِ وسعتِ علم کا مظاہرہ ہے۔

چنانچہ غزوۂ ہند کی پیشین گوئی ارشادِ نبوت سے تین سو ترانوے سال بعد ظہور پذیر ہوئی۔ جو سنن نسائی اور بیہقی میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے کہ:-

"قَالَ وَعَدَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَزْوَۃَ الْھِنْدِ"۔

"یعنی وعدہ فرمایا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان ہندوستان میں غزا کریں گے۔"

معلوم کیجئے کہ حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا سالِ ولادت سنہ ۲۱۵ھ اور وفات سنہ ۳۰۳ھ میں ہے اور ہندوستان میں حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۳۹۳ھ میں بہ نیتِ جہاد حملہ کیا۔ گویا سنن نسائی کی اشاعت کے تقریباً ایک صدی گزرنے کے بعد حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی غزوۂ ہند پوری ہوئی اور کتب اسلامیہ میں ہند کی تصریح یہ کی گئی ہے کہ جو ممالک دریائے اٹک کے اس پار واقع ہیں وہ ہند کہے جاتے ہیں اور دریائے سندھ سے پار رہنے والوں کو ہند کی مناسبت سے ہی ہندو کہا گیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ:-

"لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَخْرُجَ نَارًا مِنَ الْحِجَازِ تُضِیْئُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بُصْرٰی"۔

"یعنی قیامت نہیں آئے گی جب تک حجاز میں ایسی آگ نمایاں نہ ہو گی، جو بصریٰ کے اونٹوں پر اپنی روشنی ڈالے گی۔"

حضور علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کا ظہور یکم جمادی الثانی سنہ ۶۵۴ھ کو ہوا۔ اور حجاز کے پہاڑی سلسلوں میں ایک پہاڑ ہے جو مدینہ طیبہ سے بالکل قریب تھا۔ اس سے آتش فشانی شروع ہوئی اور ۲ جمادی الثانی کو زلزلوں کے جھٹکے محسوس

ہوئے۔ ۳ رجمادی الثانی کو زلزلوں کی رفتار نے زیادہ شدت اختیار کر لی۔ ۴ر تاریخ کو زلزلہ کے ساتھ گرج اور گونج کی ہیبت ناک آوازیں پیدا ہونے لگیں۔ ۵ر تاریخ کو زمین سے آسمان تک غلیظ و تاریک دھوئیں کے بادل چھا گئے۔ اور آگ کے بے پناہ شعلے فضا میں بلند ہونے لگے۔ اور پہاڑ کے پتھر پگھل پگھل کر بلندی سے زمین پر لڑھکنے لگ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ سُرخ اور روشن شعلوں کا ایک آبشار ہے جو پہاڑ سے پانی کی طرح زمین پر پڑ رہا ہے۔ مدینہ طیبہ اور اس کے گردوپیش کی تمام آبادیاں خوف و ہراس سے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی میں پناہ گزین ہونا شروع ہو گئیں۔ آگ کا رُخ بڑی تیزی سے مدینہ طیبہ کی جانب ہو رہا تھا۔ کہ تمام خدا پرستوں نے جمعہ کی رات کو باوجود ہزار ہا پریشانیوں اور خانماں بربادیوں کے مسجد نبوی میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نوافل و مناجات، اور ذکر و فکر میں شب بیداری کی۔ اور بارگاہِ نبوت میں روضۂ اقدس کی جالی پکڑ پکڑ کر گڑ گڑائے اور التجائیں پیش کیں۔ سرکارِ دو عالم، رحمۃ اللعالمین، صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت میں تموج پیدا ہوا۔ اور ملائکہ رحمت نے آگ کا رُخ مدینہ طیبہ کی مخالف سمت کو کرا دیا۔ اور اہل مدینہ نسیمِ بہارِ جنت کے ٹھنڈے جھونکوں میں مطمئن ہو گئے بہت سے مورخین نے اس واقعہ کی عینی شہادت پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چنانچہ حضرت امام شیخ صفی الدین رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس بصری اپنی چشم دید شہادت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس روز اس آتش فشاں پہاڑ کی آگ کا ظہور حجاز میں ہوا۔ اسی رات بصریٰ کے بدوی قبائل نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو بصری سے دیکھا اور شناخت کیا۔ اور حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۵۶ھ اور امام مسلم بن الحجاج علیہ الرحمۃ نے ۲۶۱ھ میں وصال فرمایا۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی اشاعت تمام بلادِ اسلامیہ میں ان کی مقبولیتِ عامہ کے باعث دونوں حضرات کی زندگیوں میں ہی ہو چکی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ پیشین گوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شیخین حدیث کی وفات سے چار سو سال بعد پوری ہوئی۔ اور حضور علیہ السلام کا علم غیب ساڑھے چھ سو سال کے بعد ہونے والے واقعہ کا اظہار یوں فرما رہا ہے۔ جیسے حضورؐ اس کو بیان فرماتے

وقت ظاہری آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔
صحیحین شریفین میں ایک اور پیشین گوئی یوں درج ہوئی ہے:۔
"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْاُنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ"۔
"یعنی قیامت قائم نہ ہوگی۔ (پھر چند باتوں کے بعد فرمایا) یہاں تک کہ تم ان ترکوں سے جنگ نہ کر لو گے جو چھوٹی آنکھوں والے اور سرخ چہروں والے اور چپٹی ناکوں والے اور ان کے چہرے ڈھال کی طرح چوڑے ہوں گے"۔
حضور پُر نور علیہ السلام نے اپنے وسیع علم کے ذریعہ تاتاری ترکوں کا ایسا نقشہ کھینچا اور حلیہ بیان فرمایا۔ کہ تاریخی بصیرت رکھنے والے حضرات اس عظیم ترین تاریخی واقعہ سے بخوبی واقف ہیں۔ کہ فتنۂ تاتاریہ کے بانی ہلاکو خاں نے اپنے ہلاکت خیز حملوں سے دنیائے اسلام کو اس حد تک پہنچا دیا تھا۔ جہاں سلطنتِ اسلامیہ کے پاش پاش ہو جانے کے امکانات نظر آتے تھے۔ خلافت بغداد اور شکوہ خراسان اسی فتنۂ عظیم کی نذر ہو گئے، مگر مولا کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو ایسا پورا فرمایا، کہ تاتاری خونریزیوں کا سارا زور ایشیائے کوچک میں شکستِ عظیم کھا ہمیشہ کے لئے فی النار والسقر ہو گیا۔
حضور علیہ السلام کے علمِ پاک سے ایک دوامی پیشین گوئی صحیحین میں درج ہے جو شیبہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جب ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ کو مکہ معظمہ فتح ہوتا ہے اور سرورِ کائنات، مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں جلوہ افروز ہوئے۔ اعلان عام ہو چکا ہے کہ جو بیت اللہ شریف میں آجائے اس کو پناہ ہے۔ بیت اللہ عظیم کی کنجیاں حضورؐ کے دستِ اقدس میں ہیں۔ اہلِ مکہ منتظر ہیں، کہ دیکھیئے شیبی خاندان نے جو اذیتیں اور تکلیفیں حضور علیہ السلام اور اصحاب حضور علیہ السلام کو پہنچائی ہیں۔ اس کی پاداش میں سرکارِ رسالتؐ سے کیا ملتا ہے۔ مگر وہ رؤف و رحیم مولا اور رحمۃ للعالمین تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم شیبہ بن عثمان اور عثمان بن طلحہ

کلید برداران کعبہ کو اپنے قریب طلب فرماتے ہیں چہرۂ اقدس پر بشاشت و شادمانی، لب ہائے اطہر پر تبسم کی فراوانی قربان ہو رہی تھی۔ پھر زبان حق ترجمان سے ارشاد ہوتا ہے :۔

"خذُوها خالِدَۃً تالِدَۃً لَا یَنزِعُہا عَنکُم اِلّا ظالِمٌ"

"لو یہ چابیاں سنبھالو، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم سے یہ کلید کوئی بھی نہ چھینے گا مگر وہی جو ظالم ہوگا"

سبحان اللہ! ۸ھ کے بعد آج ۱۳۷۲ سال گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کیا کیا انقلابات آئے مگر دنیا دیکھ رہی ہے کہ کلیدِ کعبہ شیبہ ہی کے پاس چلی آ رہی ہے۔ جن کو حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمائی تھی۔ اور اگر اس پیشین گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو اس ایک پیشین گوئی کی تین پیشین گوئیاں سامنے آتی ہیں :۔

۱۔ یہ کہ خاندان شیبی (خاندان ابو طلحہ) کا قیامت تک باقی رہنا اور اس کی نسل کو بقائے دوام کی عزت حاصل ہونا۔

۲۔ کلیدِ بیت اللہ کی حفاظت اور کلید برداری کا معاملہ ہمیشہ انہی سے متعلق رہنا۔

۳۔ شیبی خاندان سے کلیدِ کعبہ کے چھیننے والے کا ہمیشہ کے لئے ظالم کا خطاب پانا۔[1]

ایسی بے شمار پیشین گوئیاں ہیں۔ جو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات علم غیب کے سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں جنہیں دنیا کی کوئی طاقت غلط ثابت کرنے اور جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ بغرضِ اختصار صرف چند پیشین گوئیاں درج کی گئی ہیں۔

(۱) جمالِ رسول از حضرت مولانا الحاج صوفی ابو الفیض قلندر علی صاحب قبلہ سہروردی نور اللہ مرقدہٗ۔

نواں باب

علمِ غیب نبویؐ

غیب کی تعریف

۱۔ "اِنَّ الْغَیْبَ هُوَ الَّذِیْ یَکُوْنُ غَائِبًا عَنِ الْحَاسَه"

(تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۱۶۹)

"غیب وہ ہے جو حاسہ سے باہر ہو یعنی خمسہ (دیکھنے، سونگھنے، سننے، چکھنے اور چھونے) سے الگ ہو"

(۲)

"غیب نام آں چیز است کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ خارج باشد"۔

(تفسیر عزیزی از شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی جلد دوم ص ۲۰۵)

"یعنی غیب وہ چیز ہے جو اس ظاہری و باطنی کے ادراک سے خارج ہو"

خاصۂ نبوّت

نبوّت کا سب سے اہم خاصہ اس کا غیبی علم ہے۔ یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس، یا عقل و قیاس سے نہیں، بلکہ براہ راست، صدائے غیب یا رویائے صادقہ، یا فرشتوں کے ذریعہ سے خدائے پاک سے حاصل ہوتا ہے"۔

(سیرت النبیؐ جلد چہارم از علامہ سید سلیمان ندویؒ ص ۵۴-۵۵)

علمِ غیبِ رُسُل

خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے۔

سورۂ جنّ میں ہے :۔

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۔

(پارہ ۲۹۔ رکوع ۱۲ سورہ جنّ)

تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں ہے :۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔

(ص - ۱۸)

اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے چُن لیتا ہے۔

"ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیتًا اور قطعًا نفی کی گئی ہے۔ اُن سے مُراد ذاتی اور حقیقی علم ہے۔ یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں۔ البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے" (سیرت النبیؐ جلد چہارم ص ۶۷-۶۸)

مطلق غیب ایک اضافی چیز ہے۔ جو چیز تمہاری دسترس عقل و فہم سے باہر ہے۔ وہ تمہارے لئے غیب ہے ایک بات عامی آدمی سے مخفی ہے۔ خواہ وہ کتنا دماغ صرف کرے۔ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن وہی بات بعینہ دوسرے ذی علم آدمی کے لئے بالکل پیش پا افتادہ اور معمولی ہوتی ہے جسے وہ بغیر کسی جان سوزی اور ذہنی اضطراب کے حاصل کر سکتا ہے۔ عام تقسیم کے لحاظ سے غیب دو قسم ہے ایک

وہ جس پر کوئی دلیل عقلی یا سمعی قائم کی جا سکے۔ جیسے باری تعالیٰ و تقدس کا وجود، جنت دوزخ وغیرہ۔

دوم۔ وہ جس پر کوئی عقلی یا سمعی دلیل قائم نہ کی جا سکے۔ جیسے کل کیا ہوگا۔ بارش کب ہوگی۔ عورت کیا جنے گی۔ قیامت کب قائم ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان باتوں کو معلوم کرنے کے لئے انسانی عقل و شعور کے پاس کوئی یقینی اور قطعی ذاتی ذریعہ موجود نہیں۔ بغیر چند ناقص اور نارسا تجربوں اور علامات کے جیسا کہ تجربہ کار منسوانی ڈاکٹر، انسانی معالج اور موسم کا حال جاننے والے علامات اور تجربہ کی بنا پر ان چیزوں پر فیصلہ کن حکم لگا دیتے ہیں۔ پھر اکثر و بیشتر واقعات اسی طرح مرتب ہو جاتے ہیں۔ لیکن بطور استدلال ثابت کرنے کے لئے اُن کے پاس کوئی قطعی برہان اور لاشک شاہد نہیں ہوتا۔ محض ظن فقط تخمین۔ یکسر وہم و قیاس۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسانی فطرت کی حقیقی نمائش کرتے ہوئے اس بات کا اظہار فرما دیا ہے کہ خالق و مخلوق میں نمایاں فرق ہے۔ کوئی انسان ان چیزوں کو جو عقلی ذرائع اور وسائل ادراک کی دسترس سے باہر ہیں۔ بغیر ہماری رہنمائی کے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ بات بالکل بدیہی ہے۔ لہٰذا ادعائے علم غیب پیغمبر کے شان کے مناسب نہیں۔ کیونکہ اس سے استقلال کا وہم پڑتا ہے۔

فرمایا۔ قل لا اقول لکم عندی خزآئن اللہ تم فرما دو میں نے کبھی دعوٰے نہیں کیا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ لیکن اعطائی علم و قدرت عین شانِ نبوت بلکہ لازمۂ پیغمبری ہے۔ فرمایا۔ "اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔" (الحدیث)

آج جو حقیقت مابہ النزاع بنی ہوئی ہے وہ اتنی مختصر اور واضح ہے۔ لیکن ہر دانش فروش، سرگرداں بادیۂ تکلم، اپنی عقل اور ذہنی متاعِ کاسد کی نمائش پر تلا ہوا ہے۔ جو تنگ ظرف اپنی عقلِ نارسا اور علمِ جہل نما کی پیمائش سے بے خبر ہے وہ سورج کی چمکتی ہوئی شعاعوں پر کمندیں ڈالنے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہے۔ ایسے لوگ فتنۂ اِدّعاء مَعَ الْجَھْل اور اِفْتَاءِ بِغَیْرِ عِلْمٍ حَتّٰی ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا اور ظُھُوْرِ رَاسِ الشُّرُوْرِ

وَآخِرِ الْفِتَنِ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ۔ کے فرامین مصطفوی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ لَمْ وَلَا تُسَلِّمُ۔ کا یہ طوفان قیامت کبریٰ کی دلیل اور ساعتِ عظمیٰ کی نشانی ہے۔ اِعْجَابُ کُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْیِہٖ۔ آخری سرحد پر پہنچ چکا ہے۔ اِسْتِھْزَاءُ بِالسَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ کے جنون سے ہر تنک مایہ خیرہ دماغ ہے۔ سبحان اللہ!

خَلَقَ اللّٰہُ لِلْحُرُوْبِ رِجَالًا   وَرِجَالًا لِقَصْعَۃٍ وَثَرِیْدٍ

"مفاتیح خمس"

یہ مسئلہ بھی جو بظاہر مختصر اور بباطن نہایت طویل ہے گذشتہ نصف صدی سے بھی زائد ایام سے عوام وخواص کے لئے باعث فتنہ وفساد بنا ہوا ہے۔ خصوصًا وہ اصحاب جو بظاہر حنفی کہلانے کی سعی نامشکور میں مبتلا ہیں اور جبّہ وعمّامہ کی دراز آستینوں اور طویل پیچوں میں بعینہ خوارج سابقہ اور معتزلہ ماضیہ کے متعفن سنپولے چھپائے پھرتے ہیں۔ ایسے لاطائل مسائل اور لایعنی مشاغل کو متاعِ محبوب کی طرح بغل سے نکالنے کے لئے کسی وقت تیار نہیں۔ کاش! ان لوگوں کے لئے کوئی اور بہتر مشغلہ ہوتا "فَلَیْتَنَا فَسْ فِیْہِ الْمُتَنَا فِسُوْنَ۔" مختصر طور پر مسئلہ مذکور کے متعلق چند گذارشات قرآن وحدیث کی روشنی میں ہدیۂ قارئین کرنا چاہتا ہوں۔ ہدایت اور انجام کا وہی مالک ہے جو ہر انجام کا آغاز ہے۔

مسئلہ مذکور کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل مقدمات بطریق تمہید ذہن میں محفوظ رکھنے ضروری ہیں:۔

(۱) عدمِ التفات عدمِ علم کو مستلزم نہیں:۔ یعنی کسی چیز کی طرف توجہ کا نہ ہونا اُس سے جاہل ہونے کا مقتضی نہیں۔

(۲) اثبات نفی سے اولیٰ ہے:۔ یعنی کسی چیز کے متعلق دونوں قسم کے دلائل ہیں

تو اثبات کے دلائل کو نفی کے دلائل پر ترجیح ہوگی۔
(۳) جَهْلُ الشَّيْءِ عِلْمُ الشَّيْءِ پر مقدم ہوتا ہے:۔ یعنی کسی چیز کا معلوم نہ ہونا پہلے ہوتا ہے اور معلوم ہو جانا بعد میں۔
(۴) کسی چیز کے متعلق علم کا دعویٰ یا حصر کرنا اعلام کی نفی نہیں کر سکتا۔ مثلاً میں کہوں کہ یہ چیز میں جانتا ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ یہ چیز میں نے کسی کو بتلائی بھی نہیں" وَبَيْنَهُمَا بَوْنٌ بَعِيدٌ" وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ"ہ
(۲) إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ۔"
یہ دو آیتیں ہیں جو خوارج کے پاس اس مسئلہ میں استدلال کا محور ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ آیتِ نفی سالبہ کلیہ ہے۔ لہٰذا اس کی تردید یا اثبات کے لئے بھی قضیہ کلیہ ہونا چاہیئے۔ اہلِ اثبات جو دلائل قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں یا احادیث سے وہ جزی جزی واقعات ہیں دیکھئے نا صاحب؟
مفاتیح سے مُراد یہی پانچ چیزیں ہیں اور اس خزانہ کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں (جو کسی کو دکھلایا نہیں گیا۔ جو کسی کے حوالہ نہیں کی گئیں) پھر کوئی دوسرا کس طرح ان چیزوں کو معلوم کر سکتا ہے یہ اللہ تعالےٰ کا خاصہ ہے اور خاصہ وہ ہوتا ہے۔ جو دوسروں میں نہ پایا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔
(۱) اہلِ اثبات کا یقین ہے کہ آیت اوّل میں "مفاتیح جمع ہے "مَفْتَحْ" کی جس کا معنے ہے عِنْدَهُ فتوح الغیب۔ یعنی امورِ غیبیہ کا کھولنے والا۔ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس پر چاہے کھول دے۔ ملاحظہ ہو سلیمان جمل ص ۳۸/۲ "مفاتح جمع بمعنى الفتح مَذْهَبَ عَلَى أَنَّهُ مَصْدَرٌ فَعَلَى هٰذَا مَفَاتِحُ جَمْع مَفْتَحٍ بمعنى الفتح كَانَ الْمَعْنَى وَعِنْدَهُ فُتُوحُ الْغَيْبِ أَيْ هُوَ يَفْتَحُ الْغَيْبَ عَلَى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ۔"

لیجئے صاحب ؟ ع

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

حضرت یہ تو ہوگئی اثبات کی آیت نفی کہیں عداوت الرسول کے غیابات الجب میں تلاش فرمایئے۔ ممکن ہے کوئی تنکے کا سہارا میسّر آجائے۔

(۲) اور پھر مفاتیح کا معنے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (جن کی تفسیروں کو بانس پر باندھ کر اچھالا جاتا ہے۔ بشرطیکہ خیال شریف کے موافق ہوں۔ ورنہ آپ خود "شیخ القرآن" ہیں جو جی میں آئے گا کہدیں گے اور لکھ دیں گے) نے یہ پانچ چیزیں نہیں کیا بلکہ اقدار اور ازراق فرمایا ہے "عِبَارَةُ الْخَازِنِ وَاخْتَلَفَ قَوْلُ الْمُفَسِّرِيْنَ فِيْ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ قِيْلَ هِيَ خَمْسٌ الخ وَقَالَ الضَّحَّاكُ وَمُقَاتِلُ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَزَائِنُ الْاَرْضِ وَعِلْمُ نُزُوْلِ الْعَذَابِ قَالَ عَطَاءُ هُوَ مَا غَابَ عَنْكُمْ مِنَ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ غَيْبُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ مِنَ الْاَقْدَارِ وَالْاَرْزَاقِ" جمل ص ۳۸ / ۲۸۰

علاوہ ازیں مفاتیح اگر مفتاح کی جمع ہو تو لازم آئے گا کہ جیسے خزانے تک پہنچنے کے لئے قفل کھولنے کی حاجت ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ بھی مغیبات کے خزائن تک پہنچنے کے لئے کنجیوں کے توسل کے محتاج ہیں۔ خواہ استعارہ کے رنگ میں بھی ہو اور اللہ تعالےٰ اس سے پاک ہے۔ فسبحان اللہِ عما یصفون

(۳) لا یعلمھا میں نفی علم بالذات یا قدیم یا واجب کی ہے نہ مستفاد حادث اور بالواسطہ کی ورنہ الا ھو سے اُسی کا اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات ہوگا۔ جس کی غیر سے نفی ہو رہی ہے اور علوم ثانیہ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کے لئے ثابت کرنے کفر ہیں۔ بصورت نفی علم قدیم آیت مؤول ہو جائے گی اور آیت مؤول سے تمام مسلمانانِ عالم کو کافر نہیں بنایا جاسکتا۔ پھر معتزلہ جدید کے ہاتھ میں کیا رہ گیا؟

(۴) الا ھو میں حصر حقیقی ہے یا اضافی اگر اوّل ہے تو ایک جزی بھی کسی غیر کے لئے ثابت کرنا کفر ہوگا اور جزی جزی واقعات وحوادث کا علم تو آپ بھی تسلیم فرماتے ہیں۔

صرف موجبہ کلیہ نہیں مانتے اگر ثانی ہے تو پھر یہ مضر نہیں یہی تمام اہل سنت کہتے چلے آئے ہیں۔

(۵) ملاحظہ ہو تاویلات اہل سنت الامام ابی منصور ماتریدی بحوالہ شرح مقاصد جلد ۲ ص ۱۴۹ ماتحت آیت " فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا وَالْجَوَابُ مِنْ اَهْلِ سُنَّت اَنَّ الْغَیْبَ یٰهُنَا لَیْسَ عَلَی الْعُمُوْمِ بَلْ مُطْلَقٌ اَوْ مُعَیَّنٌ هُوَ وَقْتُ وَقُوْعِ الْقِیَامَةِ بِقَرِیْنَةِ السَّبَاقِ وَلَا یَبْعُدُ اَنْ یُّطْلِعَ عَلَیْهِ بَعْضَ الرُّسُلِ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالْبَشَرِ فَیَصِحُّ الْاِسْتِثْنَاءَ الخ

یعنی معتزلہ اور خوارج کے اعتراض کے جواب میں اہل سنت نے کہا ہے کہ غیب سے مراد یہاں خاص غیب قیامت مراد ہے۔ کیونکہ پیچھے سے کلام قیامت کے ذکر میں چل رہی ہے۔ لہٰذا کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں اور رسولوں کو اس غیب خاص پر مطلع فرما دیا ہو۔ ملاحظہ فرمایئے جب اہل سنت بتمامہ ان علوم کا اعطاء جائز سمجھتے ہیں تو پھر آپ کی اس نمائشی حنفیت کی زمین پر کفر سازی کا ہل تو نہیں لگ سکتا۔

اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں معتزلہ کے جواب میں بعینہٖ یہی عبارت ذکر کی ہے کہ " اِذْ لَا صِیْغَةَ عُمُوْمٌ هٰهُنَا اَیْ فِیْ غَیْبِهٖ " ص ۲۳۳ یعنی غیب سے مراد آیت مذکورہ میں غیب قیامت ہے۔

(۶) امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں :-

" وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یُطْلِعُهٗ عَلٰی مَا یَشَآءُ مِنْ غَیْبِهٖ وَالْوَلِیُّ تَابِعٌ لَّهٗ یَأْخُذُ عَنْهُ "

لیجئے صاحب! صرف جواز ہی نہیں رہا۔ بلکہ حقیقۃً عطا بھی کیا گیا۔ اسی لئے بعض خوارج وقت نے جل کر محدث مذکور کی پوزیشن کمزور ظاہر کرنے کے لئے خطیب قسطلانی لکھنے کی نامبارک سعی فرمائی ہے۔

ع جو چاہے تیرا حسن کرشمہ ساز کرے

بخاری شریف مطبوعہ مطبع احمدی جلد ۲ صا۶۸ میں بین السطور امام قسطلانی کا یہ قول تحریر شدہ موجود ہے اگر ارشاد الساری میسر نہ ہو تو بخاری تو ہر مشتاقِ دید کو مل سکتی ہے۔

(۷) تشنیخ ابراہیم فتوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ میں لکھتے ہیں۔ ''وَالْحَقُّ كَمَا قَالَ جَمْعٌ اِنَّ اللهَ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى لَمْ يَقْبِضْ نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَطْلَعَهٗ عَلٰى كُلِّ مَا اَبْهَمَهٗ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ اَمَرَهٗ بِكَتْمِ بَعْضٍ وَاَعْلَامِ بَعْضٍ'' یعنی اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ بالکل حق ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اٹھنے تک واپس نہیں کیا جب تک ہر اس چیز کا علم عطا نہیں فرما دیا۔ جو آپ پر مخفی تھی۔ ہاں بعض باتیں تبلانے کی اجازت دی گئی اور بعض کی نہیں۔ اور جو دوسروں کو تبلا بھی دیں ان میں سے بھی پھر بعض علوم کے آگے تبلانے کی اجازت نہیں فرمائی۔ جیسا کہ حضرت خدیفہ ابن یمان رضی اللہ کے اسرار مخفیہ کا علم اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن علم کے سیکھے ہیں ایک تو یہ ہے یعنی علم روایت جو آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ اور دوسرے میں سے اگر ذرہ بھی ظاہر کر دوں تو میرا گلا بھی کاٹ دیا جائے۔ ''لِقَطْعِ عَنِّيْ هٰذَا الْبَلْعُوْمِ بَعْضِ خَوَارِجِ خَذَلَهُمُ'' —— اللہ تعالےٰ یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ علم صرف احکام کا ہے۔ اور وہ قران میں مذکور ہے۔ آپ تحصیل علم کے لئے جبرائیلؑ امین کے محتاج تھے وغیرہ وغیرہ۔ اگر معاملہ یہی ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر کے پاس کیا سیکھنے گئے تھے۔ وہ خود رسول صاحب کتاب تھے، علم احکام انہیں حاصل تھا۔ خضر کی شاگردی کی کیا ضرورت تھی۔ ''عَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا اور قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ'' وغیرہ علوم کون سے علوم ہیں۔ ایسی باتوں کا سبب یا قرآن کریم سے جہالت ہے یا انبیاء علیہم السلام سے عداوت۔'' وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ وَالْهِدَايَه نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَمِنْ سُوْءِ الْفِتَنِ

كَمَا اسْتَعَاذَ مِنْ شَرِّهٖ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ"۔

(۸) ابراہیم بجوری قصیدہ بردہ کی شرح صلا پر فرماتے ہیں"۔ لَمْ يَخْرُجْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا بَعْدَ اَنْ اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِالْاُمُوْرِ الْخَمْسِ اھ"

(۹) تنوانی جمع انہایہ فی بدر الخیر والعافیۃ میں لکھتے ہیں۔ اُجِيْبُ بِاَنَّ هٰذَا الْحَصْرَ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْعَامَّةِ لَا لِلْخَاصَّةِ وَقَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ اھ"۔

(۱۰) مناوی شرح جامع صغیر میں ہے۔ لَا يَعْلَمُهَا اَيْ بِذَاتِهٖ فَاِنَّ ثُمَّ مَنْ يَعْلَمُهَا وَقَدْ وُجِدَ ذَالِغَيْرِ وَاحِدٍ كَمَا رَاَيْنَا جَمَاعَةً عَلِمُوْا مَتٰى يَمُوْتُوْنَ وَ عَلِمُوْا مَا فِي الْاَرْحَامِ حَالَ حَمْلِ الْمَرْاَةِ وَقَبْلِهٖ"۔

(۱۱) عَرَائِسُ الْبَيَانِ ج ۲ ص ۲۱۴ میں شیخ الکامل ابی محمد روز بہان متوفی ۶۰۶ھ تحت آیتہ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ فرماتے ہیں"۔ غَيْبَتِهٖ ذَاتِهِ الْقُدُسِيِّ وَمَقَايَتِهَا صِفَاتِهِ الْاَزَلِيَّةِ لَا يَعْلَمُ ذَاتَهُ وَصِفَاتَهُ بِالْحَقِيْقَتِهِ اِلَّا هُوَ تَعَالٰى بِنَفْسِهٖ قَالَ السَّيِّدِيُّ مِنْ كَبَائِرِ الْمُفَسِّرِيْنَ اِلَّا هُوَ اَيْ لَا يَعْلَمُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَهُمْ"۔

قَالَ الْحَرِيْرِيُّ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ يَطْلَعُهُ عَلَيْهَا مِنْ صَفِيٍّ وَخَلِيْلٍ وَحَبِيْبٍ وَوَلِيٍّ اھ"

(۱۲) حدیث" دُفِعَ لِيَ الدُّنْيَا میں اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" کے لفظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وقوع قیامت بھی معلوم ہے کیونکہ ما بعدا ے ما قبل کی جنس میں سے ہے۔

دوم علم مَا هُوَ كَائِنٌ مستلزم ہے علمِ قیامت کو کیونکہ وہ بھی ایک کائن ہے، معتزلہ جدید نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی بہت سعی کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ کنز العمال میں حافظ علی نے اس کی سند ضعیف بتائی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے کہا ہے کہ طبقہ رابعہ کی احادیث اعتقاد اور

عمل کیلئے سند نہیں ہوسکتیں۔ اور اس جوش میں بیچارے علامہ عقلانی کو محدث سے خطیب بنا کر رکھ دیا ہے۔

جانمن۔ جرح مجہول کس طرح معتبر ہوتی ہے ؟

اور اعمال میں تو ضعیف حدیث بھی سند ہو سکتی ہے۔ ضعیف حدیث سے اگر سنیت ثابت نہ ہو تو استحباب تو ضروری ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر علم قیامت کو ثابت نہ کر سکے تو کم از کم آپ کے کفر کی دھار تو ضرور کُند کر دے گی۔ کیوں کیا خیال ہے ؟

پھر عمرو بن اخطب انصاری کی حدیث " اَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ " کو بھی اس تیر کا شکار فرما دیجئے۔ ع

جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

(۱۳) اکثر آیات قرآنیہ میں درایت کی نفی ہے۔ اور درایت کہتے ہیں " اَلْمَعْرِفَةُ الْحَاصِلَةُ بِضَرْبٍ مِنَ الْحِيَلِ " تفسیر کبیر جلد ا صـ۲۷۷ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری صـ۵۷ " لِاَنَّ الدِّرَايَةَ اِكْتِسَابُ عِلْمِ الشَّيْءِ بِحِيْلَةٍ " تو معلوم ہوا کہ یہ علوم مخفیہ قوتِ ادراک اور طاقت عقل کی دسترس سے بعید ہیں۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ از راہِ کرم عنایت فرمائیں تو اُس کا کون انکار کر سکتا ہے؟

(۱۴) باتفاق مفسرین جمل۔ کبیر۔ خازن۔ کشاف وغیرہ مفاتح یا مفتاح کی جمع ہے یا مَفْتَحٌ (خزانہ) کی۔ اوّل میں حصر ذرائع توصل الی الخزائن میں ہوگا اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ دوم میں قدرت علی الخزائن کا حصر ہوگا۔ وہ بھی ما بہ النزاع نہیں۔ باقی آیات بھی معنی ثانی کی تائید کرتے ہیں۔ " وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ " چونکہ کفار کہتے تھے کہ تم نبی ہو تو ہم پر علیش وسیع کر دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ دو اقدار و ارزاق کے خزائن کا تو اللہ تعالیٰ مالک ہے۔ حضرت ابن عباس صاحب کی تفسیر بھی اسی کی تائید کر رہی ہے۔ " مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اَلْمُرَادُ مِنَ الْغَيْبِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَلْاَرْزَاقُ وَالْاِقْتِدَارُ جمل ص۲ج۳۸ -

(۱۵) امام فخرالدین رازی ص۴ج۴ تحت آیت "وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ"۔ فرماتے ہیں۔ "اَلْمَقْصُوْدُ مِنْ هٰذَا الْكَلَامِ اِظْهَارُ الْعَجْزِ وَالضُّعْفِ وَاِنَّهٗ لَا يَسْتَقِلُّ بِتَحْصِيْلِ هٰذِهِ الْمُعْجِزَاتِ الَّتِيْ طَلَبُوْهَا مِنْهُ"۔ یعنی جو توسیع رزق و عیش تم طلب کرتے ہو میں ان مطالبات کے پورا کرنے میں مختار مطلق نہیں ہوں

(۱۶) اسی طرح "عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ يَسْئَلُوْنَكَ اَيَّانَ مُرْسٰهَا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا، لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ اور فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا" سب آیات شریفہ میں قیام قیامت پر قدرت ممکنہ لِلغیر کی نفی ہو رہی ہے، اعلام کی نفی نہیں ہو رہی۔ "يُؤَيِّدُهٗ حَدِيْثُ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَغَيْرِهٖ"۔

(۱۷) "اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا" کشاف ص۳ج۲۵۱ میں ہے۔ "قِيْلَ فِيْمَ اِنْكَارٌ لِسُؤَالِهِمْ اَيْ فِيْمَ هٰذَا السُّؤَالُ ثُمَّ قِيْلَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا اَيْ اِرْسَالُكَ وَاَنْتَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَآخِرُ الرُّسُلِ الْمَبْعُوْثِ فِيْ نَسَمِ السَّاعَةِ ذِكْرٌ مِنْ ذِكْرٰهَا وَعَلَامَةٌ مِنْ عَلَامَاتِهَا فَكَفَاهُمْ بِذٰلِكَ دَلِيْلًا عَلٰى دُنُوِّهَا وَمُشَارَفَتِهَا" اھ ک

یعنی وہ کفار کس طرح یہ سوال پوچھ رہے ہیں حالانکہ تم خود اس کی بڑی علامت ہو۔ تم آخری نبی ہو جو قیامت سے پہلے مبعوث کئے گئے ہو۔ پس ان کے لئے قرب قیامت پر یہی دلیل کافی ہے۔

(۱۸) اور اللہ تعالےٰ تک اس علم قیامت کی انتہا ہوتی ہے یعنی کسی شخص کو اگر اطلاع بخش دی جائے۔ تو اس کی انتہار بصورت عکس ابتداء) تو اللہ تعالیٰ پر ہی ہو گی، مثلاً تابعین نے صحابہ سے اور صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے۔ ملاحظہ ہو قاضی بیضاوی ص۲ج۴۱۳ "اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اَيْ مُنْتَهٰى عِلْمِهَا بِحَذْفِ الْمُضَافِ" "فَعِلْمُ اَنَّ عِلْمَ اَيْ قُرْبُ السَّاعَةِ مُبْتَدَاءٌ وَمُنْتَهٰى عِلْمِهَا اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ لِاَنَّهٗ بِالذَّاتِ"

دنجم الرحمن)

(۱۹) بالفرض والمحال تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالےٰ نے غیب کی کنجیوں کا اپنے پاس ہونے کا فرمایا ہے تو "کھوسہ جی" اعطائی علم غیب اور اعلام کا انکار تو نہیں فرمایا۔ "وَبَیْنَھُمَا بَوْنٌ بَعِیْدٌ کَمَا قَالَ الْعَلَّامَۃُ الشَّامِی فَارِقًا بَیْنَ عِلْمِ اللّٰہِ جَلَّ شَانُہٗ وَبَیْنَ عِلْمِ اَوْلِیَاءِہٖ مَا عَلِمُوْا وَاِنَّمَا عُلِّمُوْا۔" یعنی اللہ تعالےٰ جن لوگوں کو اپنے علوم و غیوب پر اطلاع بخشتا ہے۔ تو اُن پر جاننا صادق نہیں آتا"۔ بلکہ جتلایا جانا"، سچا آتا ہے۔ وَلَیْسَ الْبَیَانُ اِلَّا فِی الْاٰخِرِ۔

(۲۰) یہ تو ایک تشبیہہ ہے اس امر میں کہ خزانے کا مالک جس طرح اپنے خزانے پر تصرف کو محدود رکھنے کے لئے کنجیاں اپنے پاس رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُمور غیبیہ اور اسرارِ مخفیہ بھی ایک الٰہی خزانہ ہے۔ جس میں تصرّف کرنے کا حق صرف ہمارے لئے مخصوص ہے۔ کوئی شخص ہماری اجازت ہمارے اعلام بغیر ایک ذرہ بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ "وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ۔"

(۲۱) مفاتیح الغیب خمسؑ کی حدیث شریف میں کوئی دلالت اس بات پر موجود نہیں۔ جس سے مطلق غیب کا حصر پانچ چیزوں میں کر دیا جائے۔ ورنہ قُلْ "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ" کا خصوص بھی بالکل باطل ہو جائے گا۔ اور علوم معانی کا پانچ میں حصر بھی غلط ہے۔ ملاحظہ ہو عینی بخاری اسی حدیث پر۔

(۲۲) اکثر اوقات سخی اپنے خواص میں سے جس کو چاہے اپنے خزانوں میں سے مالامال کر دیتا ہے لیکن کنجیاں اس کے اپنے پاس ہی رہتی ہیں"۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَاءُ۔" اللہ تعالےٰ تم میں سے کسی شخص کو اپنے غیب پر اطلاع نہیں دیتا۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو پسند کرے اس کام کے لئے چن لیتا ہے۔"

اس کا مقصد تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کو اپنا راز نہیں بتلا دیتے اور جس کو بتلاتے ہیں اس کے قبضہ اور تصرّف سے ہم بے دخل نہیں ہو جاتے۔ ہم جتنا چاہیں اور جس کو چاہیں بتلائیں"۔ لیکن اللہ میاں اب تو کنٹرول اور احتساب کا زمانہ ہے۔ خارجی تو آپ کو اتنی آزادی نہیں دے سکتے۔ نعوذ باللہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

(۲۳) اللہ تعالےٰ کسی کو کچھ عطا کردیں۔ کسی کو کچھ دکھلا دیں۔ تو کیا وہ علم اللہ تعالےٰ کی صفت نہ رہے گا۔ وہ ملک اللہ تعالےٰ کے قبضہ سے جاتا رہے گا۔

"کَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" جس طرح ہم نے آپ کو اپنی بادشاہت کی سیر کرائی ہے۔ اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو بھی آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت دکھلائی تھی"۔

تو گویا آپ کے خیال شریف میں اللہ تعالےٰ اب آسمانوں اور زمینوں کے مالک نہیں کہلا سکتے کوئی فتویٰ لگا دیجیئے؟ ؎

ملّت از قال، و اقوالش فرد فرد

(۲۴) مفاتیح الغیب میں مفاتیح غیب یا عین ہیں یا غیر، اگر غیر ہیں تو مفاتیح کی نفی سے غیب کی نفی نہیں ہوجاتی اور اگر عین ہیں تو مراد سلب العموم ہے تو دوسری آیاتِ قرآنیہ احادیث صحیح اجماعِ اُمت اس کے برخلاف ہیں۔ بلکہ نبوّت کا انکار بھی لازم آئیگا۔ "کَمَا قَالَ الْاِمَامُ قَاضِی عِیَاضُ وَالْاِمَامُ اَحْمَدُ عَسْقَلَانِی اِنَّ النُّبُوَّۃَ هِیَ الْاِطِّلَاعُ عَلَی الْغَیْبِ" (دولتِ مکیہ)

(۲۵) حصر حقیقی کی صورت میں حصر علم بالذات کا مقصود ہے یا مستفاد کا۔ اگر اوّل ہے تو خوارج کا معاملہ خراب ہوتا ہے اگر مستفاد ہے تو قائل کے لئے بالاتفاق کفر لازم آتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے لئے مستفاد علم ثابت کرنا جو مخلوق کا خاصہ ہے۔ کفر صریح ہے۔

(۲۶) لہٰذا آیت کریمہ میں حصرِ علم بالذات اور نفی علم قدیم کی مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو معلوم کرنے کے لئے میری رہنمائی اور تعلیم کے بغیر کسی انسان کے

پاس کوئی یقینی اور قطعی ذاتی ذریعہ موجود نہیں۔ کیونکہ یہ وہ غیوب ہیں۔ جن پر عقلی اور سمعی دلائل قائم نہیں کئے جاسکتے۔ ہاں جس کو میں بتلادوں وہ جان سکتا ہے جیسا کہ استثناء متصل سے ظاہر ہے۔

(۲۷) روض النضیر شرح جامع الصغیر میں امام مناوی فرماتے ہیں:۔
"اَمَّا قَوْلُہ لَا یَعْلَمُ فَمُفَسَّرٌ بِاَنَّہٗ لَا یَعْلَمُھَا اَحَدٌ بِذَاتِہٖ وَمِنْ ذَاتِہٖ اِلَّا ھُوَ"

(۲۸) امام نووی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں "مَا مَعْنٰی قَوْلُہٗ تَعَالیٰ اللّٰہ کُوْرُ وَاَشْبَاہُ ذٰلِکَ مَعَ اَنَّہٗ قَدْ عَلِمَ مَافِی الْغَدِ مِنْ مُعْجِزَاتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ وَالْجَوَابُ مَعْنَاہُ لَا یَعْلَمُ ذٰلِکَ اِسْتِقْلَالًا اَمَّا الْمُعْجِزَاتُ فَحَصَلَتْ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ لَا اِسْتِقْلَالًا ھٰکَذَا قَالَ حَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَالشِّحَبُ الْخَفَاجِیُ فِیْ شَرْحِ قَاضِیْ عِیَاضٍ وَاَیَّدَہٗ بِاٰیَتِہٖ سُوْرَۃِ الْجِنِّ"۔
شیخ احمد مالکی ص۱۹۸ میں فرماتے ہیں "وَلِذٰلِکَ قَالَ عُلَمَاءُ الْحَقِّ اَنَّہٗ لَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَطْلَعَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْخَمْسِ لٰکِنَّہٗ اُمِرَ بِکَتْمِھَا" اھ ک۔

(۲۹) یعنی مندرجہ بالا فحول علمائے اہل سنت والجماعت وائمہ دین متین اس آیت شریف کے معنی میں باقی آیات قرآنیہ کو جمع اور متفق کرنے کے لئے علم بالذات اور علم استقلالی کا حصر مانتے ہیں۔ جس طرح آیت "فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" سے صراحتہً اس معنی کی تائید واضح ہو رہی ہے یعنی اللہ تعالٰے کسی ایک کو اپنے غیب خاص پر مطلع نہیں فرماتے۔ مگر جس کو رسولوں میں سے پسند فرمائیں۔
احداً پر آیت کو ختم کر دینا اور باقی کو ہضم کر لینا یہ خوارج اور معتزلہ کا ہی دل گردہ ہے اسی طرح تمام آیات قرآنیہ میں ظاہراً کوئی تناقض اور اختلاف نہیں رہتا۔ "وَلَنِعْمَ مَاقَالَ الْمَوْلَانَا اَحْمَدُ رَضَاخَان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ سَائِرِ

الْمُحِبِّیْنَ وَالْعَاشِقِیْنَ لَا یَزْعَمُ بَعْدَہٗ تَوَهُّمُ التَّنَاقُضِ فِیْ کَلَامِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا اَحَدُ الشَّخْصِیْنِ مَنْ فَکَانَ مِنَ الَّذِیْنَ سَمِعُوْا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ وَمَنْ عَقِلَ وَلَمْ یَقْبَلْ سَمِعَ وَلَمْ یَعْقِلْ فَکَانَ مِنَ الَّذِیْنَ یَعْرِفُوْنَ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَ‘‘

(۳۰) جو لوگ آیت مذکورہ کے کلیہ ہونے پر جواب بھی کلیہ کی شکل میں طلب کرتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں التماس ہے کہ اس آیت شریف کی کلیت بھی حصر سے معلوم ہوتی ہے اور آپ کے حصر کا انجام اوپر کی سطور میں بخوبی معلوم ہو چکا ہے۔ اس قسم کی جتنی آیات نفی ہیں یا سالبہ کلیہ ہیں یا سالبہ جزئیہ اور آیات اثبات موجبہ کلیہ آپ کے خیال کے مطابق پہلی صورت میں آیات الٰہی میں تناقض ہوگا۔ اور دوسری صورت میں تنافی۔ بہر کیف اگر تعارض موجود ہو تو بجز تاویل رفع نہیں ہو سکتا۔ اور تاویل کے بعد آیات نفی مودلہ سے کسی سچے مسلمان کا کفر، آپ ثابت نہ کر سکیں گے جو آپ کا محبوب مشغلہ ہے ’’ فَوَا آسَفَا عَلٰے مَا فَرَّطْتُّمْ ‘‘

(۳۱) آیت مذکورہ میں اگر حصر حقیقی ہو اور آیت سالبہ کلیہ ہو تو اس کی نقیض ثابت ہو جانے سے یا ایک جزئی بھی حصر کے خلاف ظاہر ہو جانے سے حصر باطل ہو جاتا ہے اور جزئی جزئی واقعات کا علم تو آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

(۳۲) اگر یہ آیت کلیہ ہے تو ’’عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَغَیْرِہٖ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ‘‘ بھی کلیہ ہیں اگر ما کا عموم کے لئے ہونا لازم نہیں تو پھر اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ‘‘ میں بھی مخصوص البعض لے لیں۔ آپ کا کیا بگڑتا ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں،

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(۳۳) دوسری آیت شریفہ میں بھی ’’عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ‘‘ کے لفظ سے علم قیامت کا

اثبات حضرت حق کے لئے کیا گیا ہے۔ جس میں حصر تسلیم کرنے کے بعد نفی علم ذاتی اور استقلالی کی ہو گی نہ اعلام کی اور متنازع فیہ دوسری چیز ہے نہ پہلی۔

(۳۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل اینہا را نداند آنہا از امور غیب اند کہ غیر خدا آن را کسے نداند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بداند" اھ ک "قاتلهم الله أنى تصرفون"

(۳۵) "يُنَزِّلُ الْغَيْثَ" میں نفی قدرت کی ہو رہی ہے۔ یعنی بارش وہی برساتا ہے اور اس بات میں کس جاہل کو انکار ہو سکتا ہے۔ "يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ" میں کوئی حرف حصر موجود نہیں اور بلا حصر کوئی منکر نہیں۔

(۳۶) مندرجہ بالا اقتباسات درج کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ علمائے حق کا مذہب اس مسئلہ میں کیا ہے۔ ان سب آیات سے واضح ہو رہا ہے کہ تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ذات حق جل و علا ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بواسطہ وحی یا الہام یہ علوم انبیاء تک اور ان کے ذریعہ اولیاء تک پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مقصد بھی یہی ہے۔ "إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا أي بحث المضاف" (بیضاوی کشاف)، ہاں بیان کرنے اور ذکر کرنے کی اجازت نہیں۔ "قال القاضي أي، أنت من ذكراها لهم وتبيين وقتها في شيء فإن ذكراها لهم لا يزيدهم إلا غيا۔ اھ ک

(۳۷) باتفاق مفسرین فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا میں الغیب سے ۔ اوخاص غیب قیامت ہو اور اضافت عہد خارجی کی ہو جیسا کہ سیاق کلام اتقاضا ہے کیونکہ پہلے آیت میں قیامت کا ذکر آرہا ہے اور نفی درایت کی ہو رہی ہے۔ علم قیامت ان علوم میں سے ہے جو درایت کے وسائل سے معلوم نہیں ہو سکتا فرمایا تم کہہ دو کہ میں عقلی ذرائع سے علم قیامت کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اور نہ دوسرے کسی انسان کے پاس ایسے غیب معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنے پسندیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہیں، اطلاع

بخش دیں اور غیب سے مراد مطلق ہو جس طرح اضافت اسم جنس سے استغراق سمجھ آتا ہے تو پھر آیات نفی موول ہو جائیں گی۔ کماھر انفا۔ ویسے بھی بقاعدہ مذکورہ الصدر آیات اثبات کو نفی پر ترجیح ہے اور ایک جزی کے اثبات سے بھی آپ کا حصر باطل ہو جائے گا اور حصر کے سوا آپ کے دامن میں ہے کیا چیز۔ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے اور بھی بکثرت دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن طوالت کو باعث ملالت سمجھتے ہوئے صرف صحیح مسلم کی ایک حدیث اور مختصر سی فہرست علیحدہ ان پانچ چیزوں کے متعلق بقید صفحات پیش کرتا ہوں۔

عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

قولہ تعالےٰ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" اس کے معنے اور تحقیق گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدہ شارح مقاصد کا نعرۂ حق تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۳۸۹ وھبیہ شرح اربعین نوویہ ص ۶۴ تفسیر حاوی ص ۱۹۸ شیخ ابراہیم باجوری تحفتہ المرید شرح جوہرۃ التوحید ص ۸۹
"وَهٰذَا نَبْذَةٌ مِّنْ اَتْقَنَاطِيْرِ"

يُنَزِّلُ الْغَيْثَ

نواس بن سمعان بروایت ترمذی ثُمَّ يُرْسِلُ مَطَرًا اٰتٍ بَعْدَ فِتْنَةِ يَاجُوْجَ مشکوٰۃ شریف ثُمَّ يُرْسِلُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ اُنْبِتَتْ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ"

يَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ

سورۃ نوح "لَمْ يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا" حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی اطلاع حضرت مریم کو حضرات اسحاق و اسماعیل علیہما السلام کی نوید مبارک قرآن کریم، حضرت امام مہدی کی پیدائش کی

خبریں (صحیح بخاری)
حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کی خبر بروایت ام فضل (مشکوٰۃ) ملائکہ کا مطلع ہونا وغیرہ (الحدیث)

مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصاحبت کے تمام واقعات (قرآن کریم پ ۱۶)
"سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ" اور اس قسم کی جملہ آیات جن میں مضارع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔ امام مہدی کے جاسوسوں کی خبریں بخاری شریف کا تمام باب اخبار مَا فی الغد۔
مسلم کی خیبر والی حدیث کماسیاتی۔ باقی لڑکیوں کے "فِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ" کہنے پر آپ کا روکنا لِكَرَاهَتِهِ نِسْبَةَ الْغَيْبِ إِلَيْهِ لِتَوَهُّمِ الِاسْتِقْلَالِ أَوْ لِإِدْخَالِ الْجِدِّ فِي الْهَزْلِ لِعُلُوِّ مَنْصِبِهِ فِي أَثْنَاءِ ضَرْبِ الدُّفِّ وَأَثْنَاءِ مَرْثِيَةِ الْقَتْلَى" ورنہ بصورت دیگر آپ نے حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مالک ابن عوف کو کیوں منع نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۲۹

فَإِنْ قَالَ يَوْمًا مَقَالَهُ غَائِبٍ
فَتَصْدِيقُهَا فِي ضَحْوَةِ الْيَوْمِ أَوْ غَدٍ

بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ

مسلم کی حدیث فرض الحج سنتہ تسع الخ بخاری کی حدیث حضرت جابر کا ذکر کرنا کہ واقعہ اُحد سے پہلے مجھے باپ نے بلا کر کہا۔ کہ میں اپنے آپ کو مقتول دیکھتا ہوں حضرت زبیر کا اپنے لڑکے عبداللہ کو وصیت فرمانا۔ جنگ بدر میں ایک دن پہلے مواطن کفار متعین فرمانے (بخاری) حضرت معاذ بن جبل کو فرمانا۔ لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ

بِمَسْجِدِیْ ھٰذَا وَ قَبْرِیْ ۔" (مشکوٰۃ شریف) جنگِ موتہ میں رخصت کے وقت ابن رواحہ کی شہادت کی خبر حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو فرمانا "عَسٰی اَنْ یُّلْبِسَہُ اللہُ قَمِیْصًا" قسطلانی ارشاد الساری جلد ۶ صـ ۲۴۷ میں فرماتے ہیں کہ لَعَلَّ فِیْ کَلَامِ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ لِلْوُقُوْعِ" اھ ک

اب مفصلاً خیبر والی حدیث سنیئے جو مغیبات خمس کی جامع ہے ۔ ہجرت کے ساتویں سال محرم کے آخری ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے نکلے اور آپ کی عادت مبارک تھی ۔ کہ جب کسی قوم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ فرماتے تو صبح کا انتظار فرماتے ۔ اسی طرح خیبر میں بھی علی الصباح آپ شہر کے دروازے پر پہنچ گئے جب یہود خیبر صبح سویرے کام کاج کے لئے نکلے تو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر دروازے پر تیار کھڑا ہے ۔ بلند آواز سے پکارے محمدؐ والخمیس یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا لشکر موجود ہے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اُن پر پڑی تو اللہ اکبر کہہ کر فرمایا خربت خیبر یعنی خیبر برباد ہو گیا ۔ کیونکہ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اُتر جاتے ہیں ۔ تو اس کی صبح بہت بُری ہوتی ہے ۔ سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں ۔ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں خیبر کی طرف جا رہے تھے تو میرے چچا عامر اپنی قوم کو اُبھارنے کے لئے رجز پڑھنے لگے "۔ خدا کی قسم اگر خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہدایت پا سکتے ، نہ صدقہ دیتے ۔ نہ نماز پڑھتے اور نہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے مستغنی ہوتے اے خداوند اگر آج ہماری اور یہود کی ملاقات ہونے والی ہے تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر اپنی طرف سے تسلی اور اطمینان نازل فرما "

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ یہ کون ہے ؟ عرض کیا ۔ میں عامر ہوں ۔ فرمایا ۔ غَفَرَ لَکَ رَبُّکَ ۔ سلمہ کہتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے موقعہ پر کسی خاص شخص کے لئے استغفار طلب فرماتے تو اس کا یہ مطلب ہوتا تھا ۔ کہ یہ شخص اس جنگ میں شہید ہو جائے گا ۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً عرض کیا "اے اللہ تعالےٰ کے نبی آپ نے ہمیں کیوں موقعہ نہیں بخشا کہ ہم عامر کی زندگی سے نفع

اُٹھا سکتے "۔

سلمہ کہتے ہیں جب خیبر کا سردار مرحب میدان میں رجز پڑھتا ہوا نکلا اور ھل من مبارز کی صدا لگائی تو میرے چچا عامر میدان میں نکلے۔ جوابی طور پر رجز پڑھا۔ تلواروں کے تبادلے ہوئے۔ مرحب کی تلوار عامر کی ڈھال پر پڑی۔ عامر وار سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے ذرا نیچے ہوئے تو ان کی اپنی تلوار سے اکحل پر زخم آ گیا۔ اور اللہ تعالےٰ کو پیارے ہو گئے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے کہا۔ کہ عامر کی موت چونکہ اپنے ہاتھ سے واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا خودکشی کے مترادف ہونے کی وجہ سے اُن کی شہادت ضائع ہو گئی۔ میں روتا ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرے چچا عامر کا عمل ضائع ہو گیا۔ فرمایا۔ کون کہتا ہے۔ عرض کیا بعض لوگ کہہ رہے ہیں۔ فرمایا۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ اُسے تو دو دفعہ اجر و ثواب میسّر ہوا ہے۔ پھر مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی طرف روانہ فرمایا۔ اُن کی آنکھ دُکھتی تھی۔ فرمایا۔ مَیں کل ایسے آدمی کو عَلم دُوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اُسے دوست رکھتے ہیں۔

مَیں حضرت علیؓ کو لے کر حاضر ہوا۔ آپؐ نے اپنا لُعاب مبارک اُن کی آنکھ پر لگایا۔ جس سے اُن کی آنکھ فوراً اچھی ہو گئی۔ آپؐ نے عَلم انہیں عطا فرمایا۔ مرحب مقابلہ کے لئے نکلا اور آپ نے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا (اخرجہ مسلم) دوسری روایت میں ہے۔ کہ مرحب کے بعد اُس کا بھائی یاسر میدان میں آیا۔ حضرت زبیر بن العوام مقابل ہوئے تو حضرت زبیر کی والدہ بنت عبد المطلب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میرا لڑکا قتل ہو جائے گا۔ فرمایا۔ نہیں۔ بلکہ تیرا لڑکا اُسے قتل کرے گا۔ جب خیبر فتح ہو گیا۔ تو زینب بنت حارث یہودیہ بکری کا بازو بھُون کر لائی جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ فرمایا۔ مجھے اِس ہڈی نے خبر دی ہے کہ مَیں زہر آلُود ہوں۔ پھر آپؐ نے زینب کو بُلا کر دریافت فرمایا۔ تو اس نے تصدیق کی۔ الخ۔ اب اس حدیث شریف کے جلی قلم سے لکھے ہوئے الفاظ پر غور فرمایئے اور بتلایئے کہ ان پانچ باتوں میں سے کون سی

بات باقی رہ گئی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلادی۔ اور آخر میں صاحب ابریز کی بات بھی سنتے جائیے۔ صد ۱۵۸ میں نے حضرت شیخ سے دریافت کیا۔ کہ بعض محدثین اور دوسرے علماء ظواہر اختلاف کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغیبات خمس کو جانتے ہیں یا نہ۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر امور خمس کس طرح مخفی رہ سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی امت کے اہل تصرف میں سے کسی ایک کے لئے بھی تصرف ممکن نہیں۔ جب تک وہ امور خمس کو نہ جانتا ہو۔ (۱)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کوتاہ بین کہتے ہیں کہ رسولوں کو غیب کا صرف اتنا ہی علم دیا جاتا تھا۔ جتنا بندوں کو پہنچانا مطلوب ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ انہیں کوئی چیز نہ بتائی جاتی تھی استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں :-

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ۔ (پارہ ۲۹ رکوع ۱۲)

یعنی وہ غیب کا عالم ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس رسول کے جس کو اس نے چن لیا ہو پھر وہ اس کے آگے پیچھے نگران لگا دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی اس آیت سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"یہ خیال درست نہیں ہے کہ رسولوں کو بس اتنا ہی غیب کا علم دیا گیا تھا، جتنا

---

(۱) ماخوذ از السیف البارق علیٰ راس اخارج المارق مؤلفہ حضرت علامہ محمد حسین صاحب شوق پیپلانوی۔

بندوں کو پہنچانا مطلوب تھا۔ یہ بات قرآن اور حدیث کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ اور خود اس آیت سے بھی نہیں نکلتی۔ قرآن مجید میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ کہ آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (یوسف۔ ۱۱) "میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے"۔ علاوہ بریں قرآن مجید کے بکثرت مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں پر عذاب بھیجنے سے پہلے ان کے نبیوں کو خبریں دے دی گئیں۔ مگر انہوں نے عذاب کے وقت اور اس کی تفصیلی کیفیت سے پہلے اپنی قوم کو مطلع نہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اتنے پہلے عذاب کی خبر دے دی گئی تھی۔ کہ انہوں نے طوفان آنے سے پہلے کشتی بنالی۔ لیکن انہوں نے اپنی قوم کو یہ نہیں بتایا کہ تم پر پانی کا عذاب آنیوالا ہے۔ پھر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کے ایسے ایسے حالات بتائے گئے تھے جو آپ کی اُمت کو نہیں بتائے گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ :-

"یَا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا عَلِمْتُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا" (بخاری باب الصدقۃ فی الکسوف)

اے محمدؐ کی قوم! خدا کی قسم اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہوتیں جو میں جانتا ہوں، تو تم کم ہنستے اور بہت روتے۔"

ایک اور موقع پر حضورؐ نے فرمایا :-

"اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَّرَائِیْ کَمَا اَرَاکُمْ" (بخاری باب عظۃ امام الناس)

"میں تم کو پیچھے سے بھی ایسا دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے دیکھتا ہوں"

غرض بکثرت آیات اور روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ رسولوں کو جو علم غیب دیا گیا تھا۔ وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو ان کے واسطے سے بندوں تک پہنچا اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ ایسا ہو۔ کیونکہ بندوں کو تو غیب کی صرف وہی باتیں معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔ جن کا تعلق عقائد ایمانیہ سے ہے۔ لیکن رسولوں کو ان کے سوا اور بہت سی ایسی معلومات بھی حاصل ہونی چاہئیں، جو فرائض رسالت انجام

دینے میں ان کے لئے مددگار ہوں۔ جس طرح سلطنت کی پالیسی اور اس کے اسرار سے نائب السلطنت، اور گورنروں کا ایک خاص حد تک واقف ہونا ضروری ہے اور عام رعایا تک ان رازوں کا پہنچ جانا بجائے مفید ہونے کے اُلٹا مضر ہوتا ہے اسی طرح ملکوت الٰہی کے بھی بہت سے اسرار ہیں جو خدا کے خاص نمائندے اور اس کے رسول جانتے ہیں اور عام رعیت ان سے بے خبر ہے۔ یہ علم غیب رسولوں کو تو اپنے فرائض انجام دینے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن عام رعایا نہ اس علم کی ضرورت ہی رکھتی ہے اور نہ اس کا تحمل ہی کر سکتی ہے۔"

(رسائل و مسائل جلد اوّل از مولانا مودودی ص ۳۸-۴۱)

علم غیب رسولؐ اور معترضین

اس کتاب میں ہمارا اندازِ بیان افہام و تفہیم اور تبلیغ و تلقین کا ہے۔ مجادلہ و مناظرہ کی زبان سے ہم نے دانستہ احتراز کیا ہے۔ باوجود اس کے توحید پرستی کی آڑ میں توہینِ رسالت کا ارتکاب کرنے والوں کو نبوت کے مقامِ ارفع سے روشناس کرانا ناگریز ہے۔ تاکہ ان کے دماغ کے بُت خانہ میں یونانی منطق نے عقلِ کل کی حکمرانی کے جو اصنامِ باطلہ آراستہ کر رکھے ہیں۔ وہ "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا" کے مصداق چکنا چور ہو جائیں۔

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ" میں توحیت کا فرق نظرانداز کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہی وہ انقلاب انگیز فرق ہے۔ جس نے ہدایتِ وحی کے مقام کو گمراہئ نفس سے ممتاز کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں پر عقل کی حد ختم ہوتی ہے۔ وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ نبوت بالکل جُدا حاسہ ہے۔ عارفِ رومیؒ نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے ؎

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس آں چو زرِّ سرخ وایں حسہا چو مس

ترجمہ:۔ ان پانچ جسمانی حواسوں کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں وہ تانبہ

ہیں اور یہ سونا ہیں ؎

حسِ ابداں قوت ظلمت می خورد ، حسِ جاں از آفتابے می چرد

ترجمہ: جسمانی حواس تاریکی سے قوت اخذ کرتے ہیں اور روحانی حواس آفتاب سے اس دنیائے چون وچند میں مکان ومکان کی بناء پر جو اقدار متعین ہوتی ہیں۔ وہ اقلیمِ نبوّت سے بہت دُور ہیں۔ جو خرد زمان و مکان میں اسیر ہے وہ مقامِ نبوّت کا جائزہ نہیں لے سکتی۔ اس کے نشیب و فراز، کیف و کم، نزد و دُور، اور جزو کل، صرف اپنی حدود کے اندر کام دے سکتے ہیں۔ ماورائے عقل پر انہیں دسترس حاصل نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایمان دار کو اس میدان میں "چشم بند و گوش بند و لب بند" پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اقلیم ولایت کے تاجداروں پر لب کشائی کے احساس سے بھی سکتہ کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا

جو بدبخت بعض کم فہموں کے غلو کو مدِنظر رکھ کر شانِ نبوّت کی تنقیص پر کمر بستہ ہوجاتے ہیں۔ اور کُرید کُرید کر علمِ نبوّت کی حد بندیوں کے دلائل لانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ وہ کُھلم کُھلا دشمنانِ اسلام ہیں۔

نبی اور غیر نبی کا فرق، انسان اور حیوان کا فرق ہے۔ مرکب اور راکب کا فرق ہے۔ اگر گدھا اپنے مالک کے کمالات کو ناپنے اور تولنے کا عزم کرے تو بجز اپنی صوت الحمیری کے اور کیا بیان کرسکتا ہے۔ جس طرح ایک چڑیا اپنی چونچ کے پیمانے سے بحرِ بے پایاں کا اندازہ نہیں کرسکتی۔ اس طرح ایک غیرنبی، ہدایت وحی کی حدود و قیود کے تعین سے قاصر ہے۔

نبی کا علم وکمال وہبی ہے، یا اکتسابی ؟ یہ کسی مسلمان کے لئے ابہام نہیں، وہ تو پہلے ہی دن سے "وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" پر ایمانِ کامل رکھتا ہے۔ نبی کو جو عطا کیا ہے اللہ نے عطا کیا ہے۔ ہماری علمی اور عقلی سطح سے وراء الوراء ہے۔ کیونکہ ہمارا علم نفس و آفاق کی کائنات میں اسیر ہے،

نبی النفس و آفاق کی حدود کا پابند نہیں۔ وقت کی قید لگانے والے بھی اپنی بدبختی اور کوڑ مغزی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وقت کا تعین حادثِ کائنات کے اندازے سے کیا جاتا ہے۔ اللہ کا آخری رسولؐ، وقت کی قید سے آزاد ہے، اس طرح اس کیلئے مکان کے نزد و دُور، تحت و فوق اور پس و پیش کی کچھ حیثیت نہیں ؎

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زمان و مکان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

سیّد الموجودات، زبدۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے یہ کمال عطا فرمایا کہ انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیں۔ اور مٹھی بھر خاک پھینک کر لشکرِ اعداء کی آنکھوں کو بے نور کر دیں۔ لیکن جب اُحد میں حضورؐ کو چشم زخم پہنچتا ہے اور سامنے کے دندان مبارک شہید ہو جاتے ہیں تو نام نہاد موحّدین شور مچاتے ہیں کہ دیکھئے ہر آن اور ہر لحظہ تصرّف کہاں تھا۔ یہ اعتراض اس طائفہ ضالہ کے ترکش کا ایک بہت بڑا تیر ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس کا جواب اس اعتراض کے اندر مستور ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر اپنی نوازشاتِ بے غایت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے "مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى" تو اُحد میں کیوں بے یار و مدد گار چھوڑ دیا۔ یہ تو عیسائیوں کے نامعقول عقیدہ والی بات ہوئی جو جنابِ مسیحؑ کی زبان سے کہلواتے ہیں:۔

"ایلی ایلی لما سبقتنی"

مادہ پرست مولوی بتائیں کہ مَا وَدَّعَكَ ...... الخ کا اعلان کیا ہوا؟ یہ کوتاہ بین عجیب مخمصے میں گرفتار ہیں۔ کتاب و سنّت کا انکار کریں تو مذہب پرستی کا جامہ تار تار ہوتا ہے اور ایمان دارانہ اقرار کریں تو "شیخ القرآنی" کی اجارہ داری ختم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ جواب نہیں دے سکتے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ مقامِ رسالت و نبوّت کے اعتبار سے حضورؐ کو ہر آن، ہر لحظہ اور ہر سانس علم تھا۔ اور خدا کی تائید و نصرت بھی ہر وقت موجود تھی۔ لیکن جو کام انسانوں کی خاطر انسانوں کے ذریعے

کرانے تھے اگر ان میں بھی نبی اپنے کمالاتِ نبوّت سے کام لیتا تو نبی کی قیادت کے عدم موجودگی میں ماننے والے یہ کہہ سکتے تھے۔ "تسخیر کائنات ہمارے بس کا روگ نہیں۔ ہم اپنے سے دس گُنا تعداد کے لشکروں کو کیسے شکست دے سکتے ہیں"۔ اللہ کے رسولؐ نے اتمامِ حُجّت کرتے ہوئے عالمِ اسباب کے ماحول کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں لشکرِ اسلام کو اس طرح صف آرا کیا۔ کہ اُحد کو پسِ پُشت لے لیا۔ اور پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی کمان میں پہاڑ کی ایک ایسی گھاٹی پر متعین فرمایا۔ جہاں مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا۔ حضورؐ نے نے عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے پچاس رُفقاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس درے کو نہ چھوڑنا۔ اگر چیلیں اور کوّے بھی تمہاری لاشوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہوں۔ تب بھی اس مقام پر جمے رہنا"۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس درے کی عدم حفاظت سے نقصان پہنچا۔ نبیؐ نے اپنی بے مثال جنگی تدبیر کا مظاہرہ فرما کر حجت تمام کردی ہے کہ اگر تم نے اپنے کمانڈر انچیف کے احکام سے سرتابی کی تو نتائج سامنے ہیں۔

اگر حضورؐ کی سیرت طیبہ کا اس زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو سارا اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ماں بچےّ کی انگلی پکڑ کر جب چلتی ہے تو اس کی قوتِ رفتار کا لحاظ کرتے ہوئے بچّے کے قدم اٹھاتی ہے۔ ظاہر بین کہہ سکتے ہیں۔ کہ ماں کی طاقتِ رفتار کم ہوگئی ہے۔ اس لئے چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھا رہی ہے ۔۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قرآن حکیم کی سورہ دھر میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا"۔ اس میں کافر اور مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں۔ سمع اور بصر کی قوت عطائی و وہبی ہے۔ لیکن واہب اور معطی نے بندے کے اختیار میں دی ہے اسی طرح ملکۂ نبوّت مع اپنی خصوصیات کے مالکِ حقیقی نے اپنے خاص

---

(۱) نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ٥

بندوں کو ودیعت کیا ہے اور رہنمائی بھی خود کرتا رہتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ دنیائے چون وچند میں نبی بعض حالات میں ان غیر معمولی قوتوں سے کام لیتا ہے۔ اور کبھی نہیں لیتا۔ اگر نبی کو کائنات کے اندر محیط کر لیا جائے، تو وہ نبی نہیں رہتا۔ حضرت علامہ، اقبالؒ نے ایک عام مسلمان کو کافر سے یوں ممتاز کیا ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

"تمام روئے زمین میرے سامنے مثل کفِ دست کی لکیروں کے عیاں ہے۔"

جب حضورؐ کے غلامِ غلاماں کا یہ کمال ہے تو آقا مدنیؐ کا کیا مقام ہوگا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے عبد اور عبدہٗ کا کیسا بہترین فرق بیان کیا ہے ؎

پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است ، خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

(ترجمہ):- "سرکارِ دو عالمؐ کے سامنے تو خود کائنات ماتھا رگڑتی رہی ہے اور انہوں نے خود کو اللہ کا بندہ فرمایا ہے۔"

عبدہٗ از فہم تو بالا تر است ، زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است

ترجمہ :- "اللہ کا بندہ تیرے فہم سے بالاتر ہستی ہے اس لئے کہ وہ آدمی بھی ہے اور جوہر بھی۔"

جوہرِ او نے عرب نے اعجم است آدم است و ہم ز آدم اقدم است

ترجمہ:- "اس کا جوہر نہ عرب سے وابستہ ہے نہ عجم سے۔ وہ آدم ہونے کے باوجود آدم سے بھی قدیمی ہے۔"

عبدہٗ صورت گرِ تقدیر ہا اندر و ویرانہ ہا تعمیر ہا

ترجمہ :- "اللہ کا بندہ ہی تقدیروں کا صورت گر ہے۔ اس کے باطن میں ویرانے بھی ہیں اور تعمیریں بھی۔"

عبدہٗ ہم جانفزا ہم جانستاں عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگِ گراں

ترجمہ :- "اللہ کا بندہ جانفزا بھی ہے اور جانستان بھی۔ اللہ کا بندہ شیشہ بھی ہے اور سنگِ گراں بھی"

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر　　ما سراپا انتظار او منتظر!

ترجمہ :- "غلام کچھ اور چیز ہے اور بندۂ حق کچھ اور۔ ہم سراپا انتظار ہیں اور بندۂ حق منتظر"

عبدۂ دہر است و دہر از عبدہٗ ست　　ما ہمہ رنگیم او بے رنگ بو ست

ترجمہ :- "بندۂ حق دہر ہے اور دہر بندۂ حق سے پیدا ہوا ہے۔ ہم سب رنگ ہیں مگر وہ بے رنگ و بو ہے"

عبدۂ با ابتدا بے انتہا ست　　عبدۂ را صبح و شامِ ما کجاست

ترجمہ :- بندۂ حق ابتدا بھی رکھتا ہے اور بے انتہا بھی ہے۔ بندۂ حق ہم جیسے صبح و شام نہیں رکھتا"

کس ز سرِّ عبدۂ آگاہ نیست　　عبدۂ جز سرِّ اِلّا اللہ نیست

ترجمہ :- "کوئی شخص عبدۂ کے صحیح مفہوم سے آگاہ نہیں۔ عبدۂ کلمۂ توحید کی روح رواں ہے"

لَا اِلٰہ تیغ و دمِ او عبدہٗ　　فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ

ترجمہ :- لَا اِلٰہ (خدا کی توحید) ایک تلوار ہے اور اس تلوار کی آب و تاب، بندۂ حق کی اطاعت ہے اگر اسی مفہوم کو زیادہ واضح طور پر کہنا چاہو، تو کہہ سکتے ہو کہ مقامِ اطاعت میں ہُو (خدا) ہی عبدۂ (اپنا بندہ) بن جاتا ہے"۔

عبدۂ چند و چگونِ کائنات　　عبدۂ رازِ درونِ کائنات

ترجمہ :- بندۂ حق کائنات کی مقدار و کیفیت ہے۔ بندۂ حق کائنات کا رازِ باطن ہے"

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت　　تا نہ بینی از مقامِ "مَا رَمَیْتَ"

ترجمہ :- میرے ان دو تین اشعار سے اس نازک مفہوم کی وضاحت ناممکن ہے۔ تا وقتیکہ تو "مَا رَمَیْتَ" کی حکمت پر خود غور نہ کرے" اس شعر میں اشارہ

کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت شریفہ کی جانب :۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ط

اے پیغمبرؐ! تو نے وہ (کنکریوں کی مٹھی) نہیں پھینکی۔ جب تو نے پھینکی، بلکہ وہ تو اللہ تعالےٰ نے پھینکی تھی۔

اس سلسلے میں مجھے ایک ایسا تاریخی واقعہ یاد آتا ہے۔ جس کا حوالہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش راوی ہیں کہ جب مسجد وزیر خاں لاہور میں علماء کے مابین حضور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے موضوع پر مناظرہ ہونا قرار پایا۔ اور فریقین میں شرائط مناظرہ طے نہ ہونے کی وجہ سے بحث زیادہ طول پکڑ گئی، تو معززین لاہور کے ایک وفد نے حضرت علامہ اقبالؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ فریقین کے چیدہ چیدہ علماء آپ کے سامنے آکر مناظرہ کریں اور آپ جو فیصلہ فرمائیں وہ عوام الناس کو سُنا دیا جائے علامہ مرحوم نے جب معززین سے یہ بات سُنی۔ تو بے اختیار ہو کر زار زار رونے لگ گئے۔ جب آپ کی طبیعت بحال ہوئی۔ تو حاضرین نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ مرحوم فرمانے لگے کہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج کچھ علماء حضور (فداہ اُمّی وابی روحی وجسدی) کے علم کو ناقص ثابت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مجھے آپ لوگوں کے ایمان پر تعجب ہے کہ آپ مجھ سے یہ فیصلہ چاہتے ہیں کہ حضورؐ کا علم ناقص تھا یا کامل۔ میرا تو یہ ایمان ہے۔ [۱]

چشم او بر زشت و خوبِ کائنات

در نگاہ او غیوبِ کائنات

اقبال کے عشق رسولؐ کے ذکر کے سلسلے میں چند حقائق اور بھی سُن لیجئے بقول رئیس احمد جعفری۔ ”اقبال بہت بڑے فلسفی تھے، مفکّر تھے، شاعر تھے،

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے ماہنامہ شمس المشائخ رمداس مجریہ ماہ نومبر ۱۹۳۸ء

ادیب تھے۔ حکیمِ اُمّت تھے۔ ترجمانِ حقیقت تھے، لیکن میری نظر میں ان سب حیثیتوں پر بالا اُن کی یہ حیثیت تھی کہ وہ عاشقِ رسولؐ تھے۔ اُن کے نطق و کلام کا مرکز، اُن کی زندگی کا مقصد، اُن کے پیام کا محور، اُن کی دعوت کا منشاء صرف حُبِّ رسولؐ تھا۔" اس عاشقِ رسولؐ نے اس موضوع پر جو کچھ کہا تھا اس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ اس لئے بخوفِ طوالت ذیل میں چند اشعار درج کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دنیائے اسلام کے اس نامور شاعر نے حُبِّ رسولؐ کو کس درجہ اہمیت دی ہے ؎

(۱) در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰؐ است — آبروئے ما زنامِ مصطفےٰ است

(۲) ہر کہ عشقِ مصطفےٰؐ سامانِ اوست — بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

(۳) طورموجِ از غبار خانہ اش، — کعبہ را بیت الحرام کاشانہ اش

(۴) اے زمین از بارگاہت ارجمند — آسماں از بوسۂ بامت بلند

(بلکہ از بوسۂ پائیت بلند)

(۵) در جہاں شمعِ حیات افروختی — بندگاں را خواجہ آموختی،

(۶) از تو بالا پایۂ ایں کائنات — فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات

(۷) معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر، — بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر

(//) قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ — از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

(۸) مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر — بحق دل بند و راہِ مصطفےٰؐ رو

(۹) می توانی منکرِ یزداں شدن — منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن

(۱۰) ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو — آنکہ از خاکش بروید آرزو

(//) یا ز نورِ مصطفےٰؐ او را بہا ست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ ست

(۱۱)

باخدا در پردہ گویم، باتو گویم آشکار

یارسولؐ اللہ! او پنہاں و تو پیدائے من

مفہوم :۔ (۱) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام مسلمان کے دل میں ہے۔ ہماری آبرو اسی نام سے ہے۔

(۲) عشقِ مصطفےٰ جس کا سرو سامان ہو، بحر و بر کی وسعتیں اس کے گوشۂ دامن میں سمٹ سمٹ آتی ہیں۔

(۳) طور، اس کے غبار خانہ کی ایک موج ہے اور کعبے کا کعبہ اس کا مسکنِ مقدس ہے۔

(۴) اے کہ زمین تیری بارگاہ ہونے کی وجہ سے معزز ہے، آسمان تیرے بام کو بوسہ دے کر بلند ہوا۔

(۵) تو نے دنیا میں زندگی کی شمع روشن کی۔ بندوں کو آقا بننے کی تعلیم دی۔

(۶) اس کائنات کا مرتبہ تجھ سے بلند ہوا۔ تیرا فقر عالمِ ہستی کا سرمایہ ہے۔

(۷) اگر تم میرے کلام میں غور کرو۔ اگر تم چشمِ صدیق سے دیکھو، تو حضورؐ تمہارے لئے قلب وجگر کی قوت بن جائیں گے۔ اور خدا سے بھی زیادہ محبوب ہو جائیں گے،

(۸) اس دُنیا میں اگر واقعی اپنا مقام حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر اس کا راستہ یہ ہے کہ خدا سے دل اٹکاؤ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر راہبر دی شروع کر دو۔ خدا تک پہنچنے کا وسیلہ صرف راہِ مصطفےٰ ہے۔

(۹) ایک آدمی لاعلمی، جہالت اور دوسرے وجوہ کے باعث یہ تو کہہ سکتا ہے، کہ خدا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن منکرِ خدا ہونے کے باوجود وہ منکرِ رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ آپؐ کی سیرتِ طیبہ کا ایک ایک واقعہ اس کے سامنے ہے، اور اس طرح سامنے ہے کہ چاہے تو بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس عدمِ انکار کا لازمی نتیجہ اقرارِ الوہیت ہے۔

(۱۰) اس جہانِ رنگ و بُو کی خاک سے آرزو، عشق، تعمیر، تخلیق، قوتِ حیات، زندگی کا جو بھی شرارہ پھوٹتا ہے، اس کی رونق، اور تابندگی یا تو نورِ مصطفےٰ کا کرشمہ ہے اور اگر اس میں کچھ کمی ہے تو سمجھ لو وہ ہنوز نورِ مصطفےٰ کی تلاش میں ہے۔

(۱۱) خدا سے تو میں درپردہ باتیں کرتا ہوں لیکن تجھ سے کھلم کھلا۔ یا رسول اللہ! وہ تو

پوشیدہ ہے اور آپ میرے لئے ظاہر۔

حرفِ آخر

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ کہ اہل باطن اور اولیاء اللہ کو ہی حقیقتِ محمدیّہ کا علم ہے۔ دوسرے لوگ اس حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتے۔ ایک بہت بڑے ولی اللہ حضرت سیّد عبدالعزیز دباغ مغربیؒ اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر علم غیبِ رسولؐ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی اطلاع قوی ترین ہے۔ کیونکہ دنیا کی کوئی شئے اس سے محجوب نہیں ہے۔ اس لئے آپؐ کو عرش و فرش، علو و سفل، دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی خبر ہے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ تو آپ ہی کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ لہذا آپ کی تمیز ان تمام جہانوں کو چیر کر نکل جانے والی ہے۔ چنانچہ آپ کو اجرام سماویہ میں سے ہر جرم کا علم ہے کہ یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے، کب اور کیوں پیدا کیا گیا۔ اور اس کا منتہی کیا ہوگا۔ آپؐ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون فرشتہ کس فلک پر پیدا کیا گیا۔ کب پیدا کیا گیا۔ کیوں پیدا کیا گیا۔ اور ان کا انجام کیا ہوگا۔ اور آپ کو ان کے اختلاف مراتب اور منتہی درجات کا بھی علم ہے۔ اور اسی طرح آپؐ ستر حجابوں اور ہر حجاب کے فرشتوں کا بھی علم ہے آپکو عالم علوی کے اجرام نیریہ کا بھی علم ہے مثلاً ستارے سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور وہ روحیں جو برزخ میں ہیں۔ اسی طرح آپ کو زمینوں، ہر زمین کی مخلوقات اور برّ و بحر کی تمام اشیاء کا علم ہے۔ اسی طرح آپ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر عوالم کے متعلق بھی آپ کے علم کا یہی حال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے قدیم ازلی سے مزاحم نہیں ہوتا۔ کیونکہ علم خداوندی کی معلومات لا انتہا ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کا علم اس عالم میں نہیں سما سکتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اسرار ربوبیّت اور اوصاف الوہیت جن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ان سے اس عالم کی کوئی نسبت نہیں ہو سکتی

پھر جب روح کو ذات سے محبت ہوتی ہے۔ تو ذات کی اس تمیز کے ساتھ مدد کرتی ہے، اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ان تمام عوالم کو جانتی تھی۔ جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ پاک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو شرف بخشا، عزت بخشی اور اس تمیز پر قدرت دی ۔ (۱)

(۱) خزینۂ معارف اُردو ترجمہ ابریز جلد اوّل ص ۹۳-۹۴ مترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم اے پی ایچ، ڈی پرنسپل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول راولپنڈی۔

دسواں باب

بشریّتِ نبویؐ

بعض کوتاہ بین "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے لفظی معانی کو حقیقی معانی کی طرف منتقل کر کے حضرات انبیاء علیہم السلام کو تمام اوصاف میں اپنی مثل جان کر دعوائے ہمسری کرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ نے کس موقع، کس مصلحت اور کس وجہ سے فرمایا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ جب خواجۂ کائنات، مختار شش جہات، مالکِ ثقلین، زبدۂ کونین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا۔ تو کفار نے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ آپ کی ذات میں کون سی ایسی خصوصیت ہے کہ جس کی وجہ سے ہم آپ کو خدا کا بھیجا ہوا۔ اور اُس کا پیغام پہنچانے والا مان لیں حالانکہ آپ بھی ایک ایسے ہی بشر ہیں جیسے کہ ہم ہیں۔ جیسے ہم کھانا کھاتے ہیں، آپ بھی کھاتے ہیں۔ جیسے ہم بازاروں میں پھرتے ہیں۔ ایسے آپؐ بھی پھرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اس قول کو اپنے کلام پاک میں یوں نقل فرمایا ہے :۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِى الْاَسْوَاقِ ؕ	اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے، کھاتا ہے کھانا۔ اور پھرتا ہے بازاروں میں

(پارہ ۱۸ رکوع ۱۶)

کفار کا یہ کہنا صرف حضورؐ کے لئے ہی نہیں تھا۔ بلکہ حضورؐ سے پیشتر بھی دوسرے رسولوں کی نسبت ایسا ہی کہا ہے۔ چنانچہ اہل انطاکیہ کا قول کلام اللہ میں یوں نقل ہوا ہے :۔

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ج صلے (پارہ ۱۹ رکوع ۱۲)	تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم۔

اللہ تعالےٰ نے رسولوں کو اپنے جیسا بشر سمجھنے والوں کے متعلق فرمایا ہے:-

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِیْدٌ ○ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۵)

پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے۔ پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا۔ اور اللہ نے بے پروائی کی، اور اللہ بے پرواہ ہے، سب تعریفوں والا۔

قرآن حکیم میں بشر سے متعلق دو قسم کی آیات ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

الف۔ جن آیات میں انبیاء علیہم السلام سے کہلایا گیا ہے کہ ہم تم جیسے بشر ہیں تو مطلب یہ ہے کہ خالص مخلوق ہونے میں ہم تم جیسی مخلوق ہیں کہ جس طرح تم نہ خدا ہو، نہ خدا کے بیٹے اور نہ خدا کے ساجھی۔ اسی طرح ہم نہ خدا ہیں، نہ اس کے بیٹے، اور نہ اس کے شریک۔

ب۔ جن آیات میں انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ جو انبیاءؑ کی ہمسری اور برابری کا دعوےٰ کرتے ہوئے انہیں بشر کہے یا ان کی اہانت کی غرض سے انہیں بشر کہے۔

الف کے ثبوت میں یہ آیات ہیں:-

(۱) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ (پارہ ۱۶ رکوع ۳)

اے محبوب فرما دیجئے کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے۔

(۲) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ (پارہ ۱۳ رکوع ۱۴)

اُن کو کہا اُن کے رسولوں نے ہم تو یہی آدمی ہیں، جیسے تم۔ لیکن اللہ احسان کرتا ہے۔ اپنے بندوں میں جس پر چاہے۔

اِن جیسی تمام آیات میں یہی مراد ہے کہ ہم اللہ نہ ہونے میں اور خالص مخلوق ہونے میں تم جیسی مخلوق ہیں۔ لیکن "مثلکم" کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ

پیغمبرؑ، دوسرے انسانوں کے برابر ہیں۔ اس دعویٰ کی تائید مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے:۔

(۱) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط

(پارہ ۷، رکوع ۱۰)

اور نہیں ہے کوئی چلنے والا، زمین میں۔ اور نہ کوئی پرندہ اڑتا ہے کہ اپنے دو بازوؤں سے۔ مگر ہر ایک اُمت ہے تمہاری طرح۔

(۲) مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط

(پارہ ۱۸ رکوع ۱۱)

مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ۔

پہلی آیت میں تمام جانوروں (جن میں کتے اور خنزیر بھی شامل ہیں)، کو انسانوں کی طرح فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ انسان اشرف المخلوقات ہیں۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کے نور کو طاق اور چراغ سے مثال دی گئی ہے حالانکہ کہاں طاق اور چراغ اور کہاں رب تعالیٰ کا نور۔ جس طرح ان دونوں آیات کی رُو سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان جانور کی طرح ہے۔ خدا چراغ کی طرح ہے۔ اسی طرح متذکرہ آیات کی رُو سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انبیاءؑ دوسرے انسانوں کے برابر یا ان کی طرح ہیں۔

ب کے ثبوت میں یہ آیات ہیں:۔

(۱) قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

(پارہ ۱۴ رکوع ۳)

بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جس کو تو نے بنایا کھنکھناتے ہوئے گارے سے۔

(۲) مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔

(پارہ ۱۲ رکوع ۳)

ہم کو تو نظر نہیں آتا، مگر ایک آدمی ہم جیسا۔

(۳) مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝

(پارہ ۱۸ رکوع ۳)

اور کچھ نہیں۔ یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔

(۴) قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط

(پارہ ۱۳ رکوع ۱۳)

کہنے لگے تم تو یہی آدمی ہو۔ ہم جیسے،

(۵) وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ج

(پارہ ۱۷ رکوع ۱)

اور چھپا کر مصلحت کی بے انصافوں نے۔ یہ شخص کون ہے۔ ایک آدمی ہے تم ہی جیسا۔

(۶) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔

(پارہ ۲۲ رکوع ۱۹)

وہ بولے تم تو یہی انسان ہو، جیسے ہم۔

(۷) اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ط

(پارہ ۲۹ رکوع ۱۵)

اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا۔

(۸) فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔

(پارہ ۱۸ رکوع ۳)

سو بولے ہم کیا مانیں گے اپنی برابری کے دو آدمیوں کو۔

(۹) وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

(پارہ ۱۸ رکوع ۳)

اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے۔ اپنے برابر کے، تو تم بے شک خراب ہوئے۔

(۱۰) فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

(پارہ ۲۸ رکوع ۱۵)

پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا۔ اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پرواہ ہے۔ سب تعریفوں والا۔

پس ثابت ہوا کہ سب سے پہلے شیطان نے پیغمبرؑ کو بشر کہا۔ پھر کفار اپنے زمانہ کے انبیاءؑ کو اپنی مثل بشر کہتے رہے۔ قرآن میں ایک جگہ بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ کسی اُمتی نے اپنے نبی کو بشر کہا ہو۔ کفار نے نبیوں کو بشر اس وجہ سے کہا۔ کہ وہ انہیں اپنی طرح بشر سمجھتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بارہا اپنی بندگی اور بشریت کا اعلان کرنا اس لئے تھا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دو معجزے دیکھ کر انہیں

خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ پہلا معجزہ بغیر باپ کے پیدا ہونے کا تھا۔ دوسرا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنے کا تھا۔ لیکن مشرکین نے حضور اکرمؐ کے بے شمار معجزے دیکھے۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ وہ بھی حضور پُر نور کو خدا کا بیٹا نہ کہہ دیں۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر بار بار اپنی بشریّت کا اعلان فرمایا۔ جب مشرکین بار بار حضور پُر نُور کے متعلق یہ کہنے لگے کہ تم بھی ہماری مانند ہو۔ اور ہم تم یکساں اور برابر ہیں، تو اللہ تعالےٰ نے ان ہمسری اور برابری کرنے والوں کو یہ جواب دینے کا حکم فرمایا۔ کہ

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ"

یعنی اے میرے محبوبؐ! تم ان کو کہہ دو کہ اگرچہ مَیں تمہاری مانند بشر ہوں۔ لیکن مجھ میں اور تم میں بہت بڑا فرق ہے کہ مَیں تو اپنے خالق اور مالک سے یہ تعلق رکھتا ہوں کہ مجھ پر اُس کے فرمان وارد ہوتے ہیں اور تم یہ تعلق نہیں رکھتے۔

آج جو لوگ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں۔ کہ حضورؐ ہم جیسے بشر تھے۔ وہ مشرکین کی طرح عقل اور دل کے اندھے ہیں۔ ان لوگوں نے بشر کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ بشر: بَشَرَةٌ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کھال چمڑہ چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کا اطلاق بھی اسی ظاہری شکل و شباہت کی بناء پر کیا گیا۔ تفسیر خازن میں ہے:۔

"مسمی الادمی بشراً لانه بادی البشرۃ ظاھرا لجلد"

چونکہ حضور علیہ السلام کی ظاہری صورت دیگر بنی نوع انسان سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے حضورؐ کو بشر کہا گیا۔ مگر اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اوصاف و کمالات میں بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ برابر ہیں۔ حدیث پاک میں مذکور ہے، کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

"اَیکم مثلی"۔ "تم میں مجھ جیسا کون ہے؟" کسی صحابیؓ نے تو حضور علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنے کی جراُت نہ کی۔ مگر ان کوّے خور ملاؤں نے اس سیّد الطاہرین کو اپنے جیسا کہنا شروع کر دیا۔ ایسی حدیث صریح کے ہوتے ہوئے جو کوڑ مغز اپنی

ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہے، اُس کا کیا علاج؟ آیۂ مذکورہ کے لفظ "مِثْلُکُمْ" کو حضور، علیہ السلام کے مماثل ہونے پر دلیل پکڑنے والے جاہلو! ذرا عقل کے ناخن لو۔ ورنہ اپنے آپ کو جانوروں جیسا کہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ارشاد باری تعالٰے ہے:-

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ؕ (پارہ ۷، رکوع ۱۰)	اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں۔ اور نہ کوئی پرندہ کہ اُڑ سکتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک اُمّت ہے تمہاری طرح۔

فرمایئے مولوی صاحب! کیا ہمیں بھی اجازت ہے کہ ہم آپ کو جانوروں جیسا کہا کریں؟ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس صورتِ بشریہ میں تشریف لانا، کتنی ہی مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہے چونکہ لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانا تھی۔ اور نوعِ بشر کے لئے بشری صورت کے بغیر کسی ہدایت کرنیوالے سے ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشری صورت میں بھیجا۔

ہمیں حضور علیہ السلام کی بشریّت شریفہ کا انکار نہیں۔ مگر حضورؐ کو علی الاطلاق اپنے جیسا بشر کہنے کے ضرور منکر ہیں۔ حضورؐ کا بشر ہونا اس چیز کو مستلزم نہیں کہ وہ ہمارے جیسے بشر ہوں۔ اگر آیت کریمہ پر غور کیا جائے تو حضورؐ سے مماثلت کی گنجائش ہی نہیں رہتی کیونکہ اس آیۂ میں تمثیث فی الحقیقت بشریت میں نہیں۔ بلکہ عدم الوہیت میں ہے "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" میں قصر الموصوف علی الصفت قصر اضافی بواسطہ اِنَّمَا ہے۔ اور یہ تو مسلّمہ حقیقت ہے کہ قصرِ اضافی جس موصوف یا صفت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اس کی طرف تجاوز نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی کہے۔ "زَیْدٌ شَاعِرٌ" اس کے مقابلہ میں دوسرا کہہ دے "اِنَّمَا زَیْدٌ کَاتِبٌ" یہ قصر الموصوف علی الصفت ہوا مطلب یہ نکلا کہ زید کاتب ہونے پر مقصور ہے۔ وصف کتابت سے شاعری کی طرف متجاوز نہیں۔ یہ نہیں کہ بس وہ کاتب ہی ہے،

نہ ضاحک ہے نہ ماشی۔ اس مثال کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیۂ کریمہ کی طرف غور کیجئے۔ کلمہ انما مقصور موصوف، بَشَرٌ مَقْصُوْرٌ عَلَیْہِ صِفَتٌ۔ اس قصر کا صدور ان کفار کے مقابلہ میں ہوا۔ جنہوں نے حضور علیہ السلام سے ایسے سوالات کئے۔ جو اِلٰہ سے کرنے چاہئیں تھے۔ تو انہیں اس شخص کے منزلہ میں نازل کر لیا گیا۔ جو حضورؐ کی الوہیت کا قائل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو فرمایا۔ کہ پیارے انہیں کہہ دیجئے۔ میں اِلٰہ نہ ہونے میں تمہاری طرح بشریت پر مقصور ہوں۔ ثابت ہوا۔ کہ جس مثلیت کا اقرار ہے، وہ مثلیث فی عدم الوہیت ہے۔ لا فی البشریت۔ اگر تسلیم بھی کر لیں کہ مثلیث بشریّت میں ہے۔ پھر بھی مخالف کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حضورؐ کی بشریّت مطہرہ ومقدسہ ہے۔ ہماری بشریّت کی طرح کب ہو سکتی ہے۔

پیر رومیؒ نے اس فرق کو مثنوی شریف میں نہایت عمدہ تشبیہات سے ظاہر کیا ہے، فرماتے ہیں:- ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر،
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شِیر

پاک لوگوں کو اپنے اُوپر قیاس نہیں کرنا چاہیئے، اور ان کو اپنی مانند خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ بظاہر دیکھنے میں تم جیسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ "شیر" اور "شِیر" دونوں دیکھنے میں بالکل یکساں نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ "شیر" یائے مجہولہ کے ساتھ تو ایک درندہ جانور ہے۔ اور "شِیر" یائے معروفہ کے ساتھ دودھ کو کہتے ہیں۔ ایسا ہی پاک لوگوں میں اور تم میں بڑا فرق ہے، اگرچہ دیکھنے میں تم دونوں انسان معلوم ہوتے ہو۔ ؎

جُملہ عالم زیں سبب گمراہ شُد
کم کسے ز ابدالِ حق آگاہ شُد

اسی وجہ سے (پاک لوگوں کو اپنی مانند سمجھنے سے، تمام عالم گمراہ ہو گیا۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اہل اللہ کی حقیقت سے آگاہ ہوں ؎

ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے ساتھ ہمسری اور برابری کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ تم بھی ہماری مانند بشر ہو۔ جو لوگ کہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے احکام لائے (انبیاء علیہم السلام) وہ تو اللہ تعالےٰ کے مقرب اور پیارے بندے ہیں اور لوگوں کی ہدایت کے واسطے بھیجے گئے ہیں ان کو اپنی مانند سمجھنا سخت غلطی ہے اور یہی غلطی اُن کی گمراہی کا سبب بن گئی۔ ؎

گفتہ اینک بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

پاک لوگوں کی جانب سے ہمسری کرنے والوں کو یہ جواب دیا ہے کہ ہمارے بشر ہونے کی وجہ سے تم شر میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ ہم اور تم کھانے میں اور سونے میں یکساں نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں بڑا فرق ہے اس کو تم نہیں سمجھتے۔ ؎

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ،
ہست فرقے درمیان بے منتہیٰ

اُن لوگوں کو جو کہ انبیاء اور اولیاء کو اپنی مانند بشر سمجھ کر گمراہی میں پڑ گئے۔ اندھے ہونے کی وجہ سے انہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ ہمارے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

اس کے بعد مولانا بطور مثال فرماتے ہیں۔ تاکہ یہ ظاہر ہو جائے۔ کہ دنیا میں ایسی چیزیں بہت ہیں کہ جو بظاہر دیکھنے میں یکساں نظر آتی ہیں، لیکن اگر غور و فکر سے کام لے کر حقیقت بین نظر سے دیکھا جائے تو بڑا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اور کھانے پینے میں یکساں ہونے سے برابر نہیں ہو جاتے۔ ؎

ہر دو گوں زنبور خوردند از محل
لیک شد زاں نیش و زاں دیگر عسل

زنبور کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ بھونرا اور شہد کی مکھی دونوں پھولوں کا رس چوستے ہیں اور غذا کھانے میں یکساں ہیں۔ لیکن اس غذا سے ایک کے اندر تو زہر پیدا ہوتا ہے اور دوسرے میں اسی غذا سے شہد پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا غذا میں یکساں ہونے سے برابر ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اگرچہ بظاہر دیکھنے میں وہ اور لوگوں کی مانند ہی کھانا کھاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کی غذا سے تو نورِ ہدایت کی شعاعیں پھیلتی ہیں اور دوسرے لوگوں کی غذا سے وہ فاسد مادہ پیدا ہوتا ہے ۔ جو شیطانی خواہشات کو قوت دیتا ہے ؎

ہر دو گوں آہُو گیاہ خوردند وآب ،
زیں یکے سرگیں شد وزاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک معمولی گھاس کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ یعنی دونوں کی غذا ایک ہی قسم کی چیز ہے لیکن اس ایک غذا کا اثر ایک میں یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ مینگنیاں بن کر نکل جاتی ہیں۔ اور کوئی خاص چیز اُس سے پیدا نہیں ہوتی لیکن دوسرے میں اس کے برعکس اسی غذا سے خالص کستوری پیدا ہوتی ہے ؎

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا
واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

جس طرح پہلے شعروں میں فرق بیان کیا گیا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا حال ہے۔ یہ لوگ جو کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ تو اُس سے نور یزدانی کی شعاعیں دنیا میں پھیلتی ہیں اور لوگ راہ یاب ہوتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ جو کھانا کھاتے ہیں۔ اور پانی پیتے ہیں اُس سے نجاست و غلاظت پیدا ہوتی ہے۔ مولانا نے غذا کا نورِ خدا ہو جانا اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں چونکہ نورِ خداوندی موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا جو چیز بطور غذا اُن کے اجسام کے اندر جاتی ہے۔ وہ بھی نور بن جاتی ہے۔ مشہور ہے کہ "ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد" یعنی جو چیز کہ نمک کی کان میں پہنچ جاتی ہے وہ نمک ہی بن جاتی ہے۔ ؎

ایں زمینِ پاک و آں شورست و بد
ایں فرشتہ پاک و آں دیواست و دد

اب فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاک لوگوں (انبیا) میں چونکہ اس کی صلاحیت موجود ہے کہ اُن کی غذا نُور بن جاتی ہے اور دوسروں میں اس کی صلاحیت موجود نہیں ہے اس لئے نور نہیں بنتی۔ جیسے ایک عمدہ قابل کاشت زمین میں اگر بیج ڈالا جاتا ہے تو وہ پھل پھول کر چوگنا اور آٹھ گنا ہوجاتا ہے۔ اور شور زمین میں اگر بیج ڈالا جاتا ہے تو بیج بھی گل کر ضائع ہوجاتا ہے۔ پس یہ لوگ تو گناہوں اور برائیوں سے ایسے ہی پاک اور معصوم ہیں۔ کہ جیسے فرشتہ جس میں شرارت کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ محض نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور دوسرے لوگ ایسی شرارت اور گناہوں میں آلودہ ہیں۔ کہ جیسے ایک دیو جن۔ جو کہ محض نار سے ہی پیدا کیا گیا ہے لہٰذا پاک لوگوں میں نورِ خداوندی جو پہلے سے جلوہ گر ہے اس لئے جو چیز جاتی ہے وہ بھی نور بن جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں میں چونکہ پہلے سے برائی کا مادہ موجود ہے جو چیز اُن میں جاتی ہے وہ بھی بُری ہوجاتی ہے۔

پھر مولانا رومؒ مزید وضاحت کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور ساحرانِ مصر کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں ؎

ساحراں با موسیٰؑ از استیزہ را
بر گرفتہ چوں عصائے او عصَا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب ساحرانِ مصر سے مقابلہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ ایک اژدھا بن گیا۔ یہ دیکھ کر ساحرانِ مصر نے اپنے اپنے عصا جو کہ بزورِ سحر تیار کئے تھے۔ زمین پر ڈالے وہ سب سانپ بن کر زمین پر پھرنے لگے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کے اژدھا نے سب کو نگل لیا۔ کیونکہ یہ وہی تھا کہ جس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے:۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۝ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝

(پارہ ۱۶، رکوع ۱۰)

اے موسیٰ۔ بولا یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر، اور میرے اس میں چند کام ہیں اور بھی، فرمایا۔ ڈال دے اس کو اے موسیٰ تو اس کو ڈال دیا۔ پھر اسی وقت وہ سانپ ہو گیا دوڑتا ہوا فرمایا۔ پکڑ لے اس کو اور مت ڈر۔ ہم ابھی پھیر دیں گے اُس کو پہلی حالت پر۔

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی دریا سے پار ہونا چاہتے تھے تو وہ عصا پل بن جاتا تھا۔ اور جب آپ کو کہیں ایسے مقام پر کہ جہاں کوئی کھانے کی چیز نہ ملتی۔ بھوک معلوم ہوتی تھی تو وہ عصا درخت بن جاتا تھا۔ اور اس پر عمدہ پختہ میوہ موجود ہوتا تھا۔ آپ وہ کھا لیتے تھے۔ اور پیاس کے وقت اُس میں سے دودھ ٹپکنے لگتا تھا۔ وہ آپ پی لیا کرتے تھے۔ اور جب آپ کو کسی دشمن کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا تو وہ عصا اژدھا بن جاتا تھا۔ پس جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ساحرانِ مصر کا عصا دونوں دیکھنے میں لکڑی معلوم ہوتے تھے۔ لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایسے ہی خاصانِ خدا اور عام لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور دونوں کے کاموں میں بھی ایسا ہی فرق ہے اس مضمون کو مولانا اگلے شعروں میں یوں بیان فرماتے ہیں ؎

زیں عصا تا آں عصا فرقیست ژرف
زیں عمل تا آں عمل راہے شگرف

لعنت اللہ ایں عمل را در قفا　　رحمتہ اللہ آں عمل را در وفا

یعنی ساحروں کے فعل کا انجام تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہونا اور اُس کی لعنت ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کام کا انجام اللہ تعالیٰ کی رحمت

اور وفائے وعدۂ جنت ہے۔

ناظرین مولانا رُومی علیہ الرحمتہ کی ان تمثیلات سے آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہو گی۔ کہ جیسے متذکرہ اشیاء میں بظاہر چنداں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰت والتسلیم کی بشریت اور ہماری بشریت میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ"۔ اللہ تعالےٰ نے عام لوگوں کی بشریت اور حضورؐ کی بشریت میں نزولِ وحی کو اس لئے فرق کے طور پر بیان فرمایا۔ کہ اس سے حضورؐ کا مقام رفیع و علوشان ظاہر ہو۔ کیونکہ وحی اس شخصیت پر نازل ہوتی ہے۔ جس کا رشتہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص طور پر مربوط ہوتا ہے۔ بیشک حضورؐ سے پیشتر دیگر انبیاء علیہم السلام پر بھی وحی نازل ہوئی ہے۔ لیکن حضورؐ کی وحی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی میں فرق تھا۔ موسیٰ علیہ السلام تو صرف کوہِ طور پر ہی جا کر کلام فرمایا کرتے تھے اور داؤد علیہ السلام درخت کے ذریعے کلام کرتے تھے۔ لیکن حضور سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ التحیہ والصلوٰۃ کے لئے کسی مقام اور رشتے کی پابندی نہ تھی ہر جگہ اور ہر مقام پر وحی نازل ہو جاتی تھی، حتیٰ کہ حضورؐ اگرچہ ازواجِ مطہرات کے پاس بھی ہوں وہاں بھی وحی نازل ہو جاتی تھی، علاوہ ازیں حضورؐ سے موسیٰ علیہ السلام کی برابری اس لئے بھی نہیں ہو سکتی کہ موسیٰ علیہ السلام تو صرف کوہ طور پر ہی اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہوئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو تو خاص لامکاں میں بُلا کر گفتگو فرمائی گئی۔ کہ جہاں کے متعلق ایسے مقرب بارگاہ فرشتہ جبریل علیہ السلام یوں کہتے ہیں:۔ ؎

اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم،

یعنی مَیں آپ کے ہمراہ نہیں آسکتا۔ اگر ایک بال کے برابر بھی میں اس حد سے آگے قدم رکھ دوں تو مجھ میں یہ تاب نہیں۔ کہ نورِ ربانی کی اس تجلّی کو جو اس حد سے اگلے مقام پر ہے برداشت کر سکوں۔ مَیں تو اس ضیائے نور میں تحلیل ہو کر رہ جاؤنگا

اور میرے بال و پر سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔

سبحان اللہ! حضورؐ اس مقام سے بھی آگے مقام "ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی" پر پہنچ کر "فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ" کے مقام پر مشرف ہوئے۔ اللہ اکبر! "قابَ قوسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ" سے کس عجیب رمز کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ ادھر سے تو حضور انورؐ شوق دیدار اور اشتیاقِ ملاقات میں بڑھتے چلے جاتے تھے اور اُدھر سے نورِ یزدانی آپ کے شوقِ وصال میں آپ کی جانب چلا آتا تھا۔ کیونکہ کمان کے کھینچنے کے وقت دونوں سرے ایک دوسرے کی جانب بڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا "فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ" یعنی پھر اللہ تعالےٰ نے رمز کے ساتھ اپنے خاص الخاص بندے سے جو کچھ باتیں کرنی تھیں کیں۔ رمز اور اشاروں میں باتیں اس وجہ سے کی گئیں کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو کہ کیا بات چیت ہوئی؟ بقول شخصے ؎

میاں عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

یعنی عاشق و معشوق کے درمیان وہ رمز و اشاروں میں باتیں ہوتی ہیں کہ بڑے بڑے مقرب بارگاہ و منشیان قضا و قدر کو بھی ان باتوں کی خبر نہیں ہوتی۔

غور فرمائیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام طالب دیدار ہو کر فرماتے ہیں "رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" (یعنی میرے رب! تو مجھے اپنی ذات پاک کا دیدار کرا دے) تو جواب ملتا ہے "لَنْ تَرَانِیْ" (یعنی تو ہم کو نہیں دیکھ سکے گا)، اور حضورؐ پُر نور کے متعلق یہ ارشاد ہوتا ہے "کہ ایسا قریب ہوا۔ کہ جیسے کمان کے دو کنارے کھینچنے سے باہم مل جاتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوا" اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی پیغمبرؑ اولوالعزم تھے۔ لیکن پھر بھی محمد عربی (فداہ امی وابی، روحی و جسدی) کی بشریّت اور ان کی بشریت میں بہت فرق تھا۔ کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشریّت ہی تو اس کی مانع تھی کہ وہ ذاتِ مقدس باری تعالےٰ کو دیکھ سکیں۔ اور حضورِ اکرمؐ کی بشریّت اُس ذاتِ مقدس سے بہت قریب

ہو جانے سے بھی مانع نہ ہوئی۔ پس جبکہ موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبرؑ کی بشریت میں اور حضورؐ پُر نُور کی بشریت میں اس قدر فرق عظیم ہے تو عام مخلوق کی بشریت کو تو شاہِ لولاکؐ سے کچھ نسبت ہی نہیں ہو سکتی ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ حضورؐ کی ذات پاک تو ایک ایسا نُور تھی کہ جس کی مثال دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ حضورؐ کی زبان خدا کی زبان تھی۔ حضورؐ کا ہاتھ خدا تعالےٰ کا ہاتھ تھا۔ غرض کہ آپؐ کا ہر فعل خدا تعالےٰ ہی کا فعل تھا۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لئے یہ ارشاد باری تعالےٰ ہوا ہے:۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۙ (پارہ ۲۷ رکوع ۵)	اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

بشریّت نبویؐ سے متعلق علّامہ ندویؒ کی تصریحات

علّامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی تصنیف "سیرت النبیؐ جلد چہارم" میں "نبی کی بشریت" کے زیرِ عنوان عالمانہ و منصفانہ بحث کی ہے۔ ناظرین کو اس بحث سے روشناس کرانے کے لئے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"ہر شخص جو مثلیث اور بشریت کی ان آیتوں پر نگاہ ڈالے گا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی مثلیث اور بشریت کا ذکر ہے۔ اس کا تعلق ظاہری جسمانیت اور جسمانی قویٰ اور مخلوقیت سے ہے۔ ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی، قلبی علمی اور عملی حیثیت سے ایک پیغمبر انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور اعلانیہ ممتاز ہوتا ہے۔ نبی اور غیر نبی میں صرف وحی کے امر فارق ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف و

کمالات یا عیوب و نقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہ کہنا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ عالم و جاہل میں صرف علم کا فرق ہے۔ ورنہ دونوں برابر کے انسان ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ علم و جہل کے علاوہ علم و جہل کے اعلانیہ ممتاز و متضاد اوصاف میں بھی وہ دونوں برابر ہیں اور ان میں عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، رائے اور حکمت و دانائی کا کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ ان میں علم و جہل کا فرق کہہ کر درحقیقت ان دونوں کے درمیان علم اور جہل کے سینکڑوں اوصاف، لوازم اور خصائص کا فرق و امتیاز تسلیم کرنا ہے۔

اسی طرح نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مان کر وحی والے اور بے وحی والے انسانوں، میں خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑوں لوازم، خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا۔ وحی و رسالت کو چھوڑ دو۔ دوسرے انسانی کمالات کو مثالاً لو۔ تو بھی یہی ماننا پڑے گا انسان کے لئے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں۔ اُن سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانبِ کمال تک پہنچنا ممکن ہے اور جو وہاں تک پہنچ جاتے ہیں وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود اپنے دوسرے قویٰ میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا۔ علم و عقل کا یونانی مجسّمہ ارسطو انسانیت سے پاک تھا اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کا مخترع ایڈیسن بشر نہیں۔ لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے اپنے دائرہ میں وہ عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر ہیں اور بایں ہمہ وہ اپنے جسمانی خصائص، چلنے، پھرنے، اُٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے، سونے، جاگنے، دیکھنے، بھالنے، صورت شکل، ہاتھ پاؤں، ہر ایک چیز میں وہ انسان ہیں یہی مثال ایک معنی میں انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی ہے کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں ان سے صریحاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی اُن سے ممتاز ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صومِ وصال رکھتے دیکھ کر جب صحابہؓ بھی آپ کی پیروی میں کئی کئی دن

تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ ان کو منع کرتے ہیں۔ اور اپنی نسبت فرماتے ہیں۔ "اَیُّکُمْ مِثْلِیْ بِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ"۔ "تم میں کون میرے مثل ہے۔ میں رات گذارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم) کیا عام انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتوں سے بھی خلیت کی اس میں نفی نہیں ہے؟

اس طرح نیند کی حالت میں نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا، صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔ "وَکَذٰلِکَ الْاَنْبِیَاءُ تَنَامُ اَعْیُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ"۔ (صحیح بخاری۔ باب الاسرار) اور اسی طرح سب انبیاءؑ ہیں کہ اُن کی آنکھیں سوتی ہیں۔ مگر اُن کے دل نہیں سوتے) کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز میں صفوں کو درست رکھنے کی تاکید رکھتے ہیں تو فرماتے ہیں" کہ میں تم کو پیٹھ کے پیچھے سے بھی ویسے ہی دیکھتا ہوں۔ جیسے سامنے سے" کیا عام انسانوں کی قوتِ بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے؟ قرآنِ پاک میں ہے۔" اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی" کیا پیغمبرؐ جو دیکھتا ہے تم اُس میں اس سے جھگڑتے ہو"۔ "وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ"۔ اور اس نے اُس (فرشتہ) کو آسمان کے کناروں میں دیکھا۔ کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے اُمہات المؤمنین کو جو شرف حاصل ہوا، اُس کا اقتضاء یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اُمہات المؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا۔" یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ (احزاب ۴) اے پیغمبرؐ کی بیویو! تم ایسی نہیں ہو، جیسی ہر عورت، اگر خدا کا ڈر رکھو"۔

تو اگر پیغمبرؐ کی بیویاں تقویٰ کے بعد عام عورتوں کے مثل نہیں ہیں تو خود پیغمبرؐ تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ "کَاَحَدٍ مِّنَ الرِّجَالِ"۔ نہ ہو اور اپنے خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو۔

غرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی و نبوّت کا جو فرق ہے اُس کے یہی معنی ہیں،

کہ ان دونوں میں وحی و رسالت کے تمام لوازم، خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق اور امتیاز ہے۔ اس لئے کسی انسان کو صاحبِ وحی ماننے کے ساتھ ہی اس کو تمام اوصاف و لوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضرور ہی ماننا پڑے گا۔"

(سیرت النبیؐ جلد چہارم صـ ۱۲۱-۱۲۳)

گیارھواں باب

حیاتِ نبوی

مذہب سے آزادی کے بظاہر جو فائدے دنیا کو پہنچے ہیں اُن سے کہیں زیادہ طویل فہرست نقصانات کی ہے۔ سرِ فہرست وہ نقصانِ عظیم ہے۔ جو فکر کی پختگی، جذبات کی گہرائی اور عقل کی بلندی پر تباہی بن کر نازل ہو رہا ہے۔ آدمی اپنی خواہشات کی تسکین میں حیوانات کے درجہ پر آ گیا ہے۔ نفسانی تقاضوں سے مغلوب ہو کر روحانی کیفیات، مذہبی روایات، قومی خصوصیات سے برضا و رغبت دست بردار ہوتا جا رہا ہے اس عقل پرستی نے جس کی بنیاد ہی لادینی افکار اور مادی رجحانات پر ہے۔ مذہبی فکر کو بھی بُری طرح متاثر کیا ہے۔ اہلِ مذاہب اس سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ کہ وہ کس طرح مذہب کو مادّی رنگ میں پیش کر کے عوام کے لئے قابل قبول بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب میں مادّی سطح پر سوچنے والے فرقے پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ دوسرے مذاہب سے قطع نظر خود مذہب اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ ایسے نئے فرقے وجود میں آئے ہیں۔ جو اسلام کے روحانی نظام سے کھل کر انکار تو نہیں کرتے۔ مگر بات وہی کہتے ہیں جو خالص مادہ پرست لوگوں کے نظریئے کے عین مطابق ہوتی ہے۔ مثلاً، روسی مفکرین مذہب کو افیون کہتے ہیں۔ معتزلہ معراج کا مذاق اُڑاتے ہیں اور نیچری حیات بعد الممات اور سماعِ موتیٰ کو بعید از عقل کہتے ہیں۔

روحانیت کے منکر

ملحدین کے بہت قریب ہیں،

وحی، کشف۔ الہام۔ عرفان، وجدان۔ کمالات روحانی اور تزکیۂ نفس، مادیت پرست مفکرین کے نزدیک توہماتِ محض ہیں۔ مادہ پرست مفکرین کے نظریات کا معقول جواب دینے کی بجائے سطحی فکر رکھنے والے مسلمانوں نے ان مادہ پرستانہ نظریات کا مرعوبیت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور کسی قدر تغیر الفاظ کے ساتھ انہوں نے بھی وہی کہنا شروع کر دیا جو منکرین روحانیت (خالص مادہ پرست لوگ) کہتے چلے آرہے ہیں۔ اس طرح دین اسلام جو سرتاپا انوار و روحانیت کا مرکز تھا۔ چند ظاہری اعمال و رسوم کا گورکھ دھندا بن کے رہ گیا۔ مادیت۔ دین کا مقدس لبادہ اوڑھ کر نہ صرف عام نگاہوں سے بچنے میں کامیاب ہوئی۔ بلکہ عین دین کہلانے لگی۔ مسلمان غیر شعوری طور پر روحانیت سے دور اور مادیت سے قریب تر ہوتے چلے گئے ـــ اور حیات بعد الممات کا تصور جاتا رہا۔

حیات النبیؐ کا انکار

یہاں تک کہ حضور سرورِ دوجہان، فخرِ موجودات، خلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات کا مسئلہ جس پر ہر عہد میں اجماعِ اُمت رہا۔ اُس کے متعلق، مذہبی مادیّت نے اعلان کیا۔ کہ آپ زندہ نہیں ہیں۔ (نعوذ باللہ)

حیاتِ نبویؐ، کتاب وسنت کی روشنی میں!

قولہٗ تعالےٰ :۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ٥

(پارہ ۵ رکوع ۶)

اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر، تیرے پاس آویں پس بخشش مانگیں اللہ سے اور بخشش مانگیں انکے لیے رسول البتہ اللہ تعالےٰ کو رجوع کرنے والا اور رحم کرنے والا پا دیں گے۔

اللہ تعالےٰ کا کلام قدیم ہے اس کا مورد خاص ہے اور حکم عام ہے۔ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی گناہ کیئے۔ اللہ تعالےٰ کے آگے توبہ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بخشش طلب فرمائی۔ نجات ہو گئی۔ بخشش اور آمرزش گناہ کے لئے خداوند کریم نے دو شرطیں مقرر فرمائیں۔ مجھ سے استغفار کریں اور میرے حبیب ان کی سفارش فرمائیں۔ گناہ بعد میں بھی ہوتے رہے۔ ہوتے رہیں گے۔ خداوند تعالےٰ پہلے بھی رحیم تھے اور اب بھی ہیں۔ پھر بھی ہوں گے تو کیا دوسری شرط کی اب ضرورت نہیں رہی؟ اسی لئے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا۔ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" اپنے اور تمام مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیا یہ حکم ہمیشہ کے لئے نہیں۔ اگر ہے اور ضرور ہے تو پھر حیاتِ نبوی سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

(۱) علامہ سید احمد زینی دحلان مفتی بیت الحرام لکھتے ہیں کہ:۔

"علامہ ابن حجرؒ "جوہر منظم" میں فرماتے ہیں کہ بعض حفاظ نے ابی سعید سمعانی، سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے تین دن بعد ایک اعرابی نے آکر اپنے آپ کو قبر شریف کے پاس گرا دیا۔ اور کہنے لگا۔ یارسول اللہ! آپ نے جو فرمایا۔ ہم نے سُنا۔ اور آپ نے جو اللہ تعالےٰ سے یاد کیا۔ ہم نے آپ سے یاد کیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے جو وحی آپ پر نازل فرمائی، اس میں یہ ارشاد بھی فرمایا تھا، "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا الخ" قبر شریف میں سے آواز آئی۔ کہ تیری مغفرت ہو گئی"۔

(الدرر السنیہ مطبوعہ مطبع اسلامیہ صـ۲۳)

(۲) مشکوٰۃ شریف باب الکرامات فصل ثانی صـ۵۴۵ میں لکھا ہے:۔

"عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ اَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا وَلَمْ يُقِمْ وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "

ترجمہ :- "سعید بن عبد العزیز سے روایت ہے کہ جنگِ حرہ کے دنوں میں تین دن تک مسجد نبویؐ میں آذان اور اقامت نہیں کہی گئی۔ ان ایام میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بالکل مسجد سے نہیں نکلے۔ مخفی اور پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ان کو نماز کے وقت کی شناخت اس مدہم سی آواز سے ہوتی ہوتی تھی۔ جو نماز کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے سنائی دیتی تھی "

(۳) مشکوٰۃ شریف باب الجمعہ فصل ثالث صہ ۱۲۱ میں لکھا ہے :-

" عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ يُصَلِّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰی يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ يُرْزَقُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه "

ترجمہ :- "حضرت ابی الدرداء سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کے دن مجھ پر درود بہت بھیجا کرو۔ کیونکہ جمعہ "یوم مشہود" ہے، اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درود بھیجنے والا فارغ ہوجاتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت موت کے بعد کس طرح پیش ہوگا؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام فرما دیا ہے۔ وہ انہیں نہیں کھا سکتی۔ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق دیا جاتا ہے "

خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر غور طلب ہیں۔ اس حدیث شریف میں جملہ انبیاء کرام کی حیات طیبہ کا ثبوت کتنا روشن اور واضح ہے اور خصوصاً "حتیٰ یفرغ" کا کلمہ قابلِ غور ہے۔ جتنی دیر تک وہ شخص درود بھیجتا رہتا ہے حضورؐ کو اطلاع ہوتی

رہتی ہے۔ اسی حدیث کے حاشیہ ۲؎ میں مرقاۃ کے حوالہ سے یہ عبارت تحریر ہے۔ ملاحظہ ہو:-

"فَلَا فَرْقَ لَهُمْ فِي الْحَالَيْنِ وَلِذَا قِيْلَ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰى دَارِ الْبَقَاءِ"

"یعنی انبیاء کی زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں، بلکہ دنیائے فانی سے ملکِ جاودانی کی طرف منتقل کئے جاتے ہیں۔"

حریم ذات ہے ان کا نشیمنِ ابدی
نہ تیرہ خاکِ لحد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات

(۴) اَخْرَجَ مُسْلِمٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ مَرَّ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ وَاَخْرَجَ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ.

(ترجمہ) "مسلم نے حضرت انس رضؓ سے اور ابی نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔"

(انبیاء الاذکیا للعلامہ جلال الدین سیوطی دمجموعہ حاوی للفتاوی)

(۵) اسی صفحہ پر یہ حدیث بھی درج ہے :-

"اَخْرَجَ اَبُوْ يَعْلٰى فِيْ مُسْنَدِهٖ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ۔"

(ترجمہ) ابو یعلی نے مسند میں اور بیہقی نے کتاب حیاۃ الانبیاء" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔"

(۶) مشکوٰۃ شریف باب بدء الخلق فصل اول ص ۵۰۸ میں لکھا ہے :-

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ہم ایک وادی میں سے گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کون سی وادی ہے؟ ہم نے عرض کیا اس کو وادی الازرق" کہتے ہیں۔ فرمایا۔ "کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مُوْسٰی وَ ذَکَرَ مِنْ لَوْنِہٖ وَشَعْرِہٖ شَیْئًا وَاضِعًا اَصْبَعَیْہِ فِیْ اُذُنَیْہِ لَہٗ جُؤَارٌ اِلَی اللّٰہِ بِالتَّلْبِیَۃِ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ"۔

"گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رنگ اور بالوں کا تھوڑا سا حلیہ بیان فرمایا۔ اور فرمایا کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھے ہوئے تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں"۔

(۷) اور اسی حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

" کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی یُوْنُسَ عَلٰی نَاقَۃٍ حَمْرَاءَ عَلَیْہِ جُبَّۃُ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِہٖ خُلْبَۃٌ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ تَلْبِیًا" (رواہ مسلم)

"گویا میں حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں۔ اور اُون کا جُبہ پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کے تنے کے ریشوں سے بنی ہوئی ہے اور وہ اس وادی میں تلبیہ کہتے ہوئے گذر رہے ہیں"۔

مندرجہ بالا احادیث میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس حیاتِ دنیاوی کے انقطاع کے بعد بھی انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کے لئے ایک خاص قسم کی حیات ہے۔ جسے تمام آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور ہر ادراک اس پاک و منزہ زندگی کی بلندیوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ جو نبیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی میں دیکھا ہے یا لیلۃ المعراج میں تمام انبیاء کرام کے ساتھ ملاقات فرمائی ہے۔ اور مسجد اقصیٰ میں جمیع مرسلین کی امامت کا فخر حاصل کیا ہے۔ کیا یہ سب حقیقت نہ تھی؟ ہماری آنکھ دھوکہ کھا سکتی ہے۔ ہمارے دل و دماغ غلطی کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ آنکھ جس کی صفت رب العزت "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" کے معزز خطاب سے فرمائیں۔ وہ دل جس کی مدح و ثناء میں

رب العرش مَاكَذَبَ الفُؤَادُ وَمَارَأیٰ" نازل کرے۔ ہرگز ہرگز دھوکہ اور غلطی سے متصف نہیں ہو سکتے۔ ؎

ندانم کدا میں سخن گوئیت ،

کہ بالا تری زانکہ من گوئیت

علاوہ ازیں وہ سب نصوص قطعیہ اور براہین قرآنیہ جو حیات شہداء کے اثبات میں نازل ہوئے ہیں۔ تمام کے تمام نبی اکرم کی حیات طیبہ کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہداء میں بھی داخل ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں فرماتے تھے :۔

"لَمْ اَزَلْ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَكَلْتُ بِخَیْبَرَ فَهٰذَا اَوَانٌ انْقَطَعَ مِنْ ذَالِكَ السَّمِّ "

" میں ہمیشہ اس طعام کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں۔ جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اور اس وقت بھی میری رگیں اس زہر کی وجہ سے کٹ رہی ہیں "۔

(۸) مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ثالث ص۸۷ میں میں لکھا ہے :۔

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ " (رواہ البیہقی)

ترجمہ :- ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص میری مرقد مطہر کے پاس آ کر مجھ پر سلام و درود بھیجے گا تو میں خود اُسے سنتا ہوں۔ اور اگر دُور کہیں پڑھے تو وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے "۔

پہنچا دیا جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود سُن نہیں سکتے۔ اس کے بہت سے وجوہ ہو سکتے ہیں۔

(۹) مشکوٰۃ شریف فصل ثانی باب الصلوٰۃ ص۸۶ میں لکھا ہے :۔

"مَا مِنْ اَحَدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ"۔

(رواہ ابوداؤد والبیہقی)

ترجمہ:- "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص بھی مجھ پر سلام کہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ میری روح میری طرف لوٹا دیتا ہے۔ تاکہ میں اُسے سلام کا جواب دے سکوں"۔

(۱۰) علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ حاوی للفتاوٰی مطبوعہ مصر جلد ۲ صہ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں:-

"اَنْ یُّقَالَ اِنَّ الرِّوَایَۃَ وَیَسْتَلْزِمُ الْاِسْتِمْرَارَ لِاَنَّ الزَّمَانَ لَا یَخْلُوْا مِنْ مُّصَلٍّ عَلَیْہِ فِی الْاَقْطَارِ الْاَرْضِ فَلَا یَخْلُوْا مِنْ کَوْنِ الرُّوْحِ فِیْ بَدَنِہٖ"۔

"کہ روح کا لوٹا دیا جانا (جو تعبیر ہے مشاہدہ رب العزت کے استغراق سے توجہ الی الخلق کے ساتھ جیسا کہ دنیا میں حالت وحی میں ہوتا تھا) متلزم ہے ہمیشگی اور استمرار کو کیونکہ کوئی لمحہ خالی نہیں کہ زمین پر کوئی نہ کوئی شخص درود بھیج رہا ہو۔ لہٰذا بدن اطہر کے وقت بھی روح مطہر سے خالی نہیں ہو سکتا۔

اگر آپ خیال کریں کہ ایک وقت میں ایک انسان کس طرح النسان کا درود وسلام سُن سکتا ہے تو یہ شُبہ اولاً تو قدرت الٰہی پر وارد ہوگا۔ "اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ" جس کی صفت ہے اور ثانیاً اس کی مثال بھی دی جا سکتی ہے۔

کَالشَّمْسِ فِیْ کَبِدِ السَّمَآءِ وَضُوْءُ ھَا
یُغْشِی الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَّ مَغَارِبًا

"یعنی جیسا کہ آفتاب آسمان کے وسط میں موجود ہے۔ اور اس کی روشنی نے مشرق و مغرب کے تمام شہروں کو ڈھانپ رکھا ہے"۔

اگر یہ ہو سکتا ہے۔ تو اس میں کونسا استحالہ ہے۔

(۱۱) شرح شفا ملا علی قاری مطبوعہ مصر جلد ۲ صہ ۱۵۱ میں لکھا ہے:-

"مَعَ الْمُعْتَقَدِ اَنَّہٗ وَسَائِرُ الْاَنْبِیَاءِ فِیْ قُبُوْرِھِمْ مِنَ الْاَحْیَاءِ فَاِنَّھُمْ اَوْلٰی

بِذَالِكَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ۔"

ترجمہ :۔" ہمارا اعتقاد ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ شہداء سے زیادہ زندگی کے لائق ہیں ۔"

اسی صفحہ پہ لکھتے ہیں کہ :۔

" ابن ابی فدیک نے کہا ۔ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص سرکارِ عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" الخ اور پھر کہے "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ" بہتر ہے ، کہ وہ کہے "يَا نَبِيَّ اللّٰهِ" یا اسی قسم کے اور الفاظ جو شخص ستر مرتبہ کہے گا ۔ تو فرشتہ اُسے آواز دے گا ۔ اے فلاں تجھ پر اللہ تعالےٰ سلام بھیجتے ہیں ۔" وَلَمْ تَسْقُطْ حَاجَةٌ یعنی اس کی سب حاجتیں پوری کی جاتی ہیں ۔ دنیادی ہوں یا آخروی ۔"

(۱۲) شرح شفا للملا قاری" جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ میں لکھا ہے :۔

"قَالَ عُمَرُ ابْنُ الدِّيْنَارِ فِيْ قَوْلِهٖ اِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلٰى عَلٰى اَهْلِيْكُمْ قَالَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ اَحَدٌ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِيْ بُيُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ ۔"

ترجمہ :۔ حضرت عمر ابن دینار اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں ۔" جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے نفسوں پر سلام کرو ۔" یعنی گھر والوں پر ۔ فرمایا ۔ اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو پھر کہو ۔" اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ " یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہو ۔ کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے ۔"

فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ ۔

(۱۳) علامہ جلال الدین سیوطی" "حاوی للفتاوی" جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ میں تحریر فرماتے

ہیں کہ :۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات قبر شریف میں اور دیگر انبیاء کرام کی بھی علم قطعی کے ساتھ معلوم ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ دلائل کے انبار اور تواتر اخبار سے ثابت و مبرہن ہو چکا ہے۔"

(۱۴) امام قسطلانیؒ "مواہب لدنیہ" جلد ا صفحہ ۴۲۰ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"امام الحرمین نے صاحب التلخیص سے نقل کیا ہے کہ جو مال سرکار عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔ وہ اسی طرح باقی رکھا گیا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت کے اہل و عیال اور خدام پر اسی طرح خرچ کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ تمام املاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک پر باقی ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے۔ کہ ظاہر قرآن ناطق ہے۔ وفات پر قولہٗ تعالےٰ "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْن" وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام "اِنّیِ امرءٌ مقبوض" وغیرہ احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ شیخ تقی الدین سبکی اس کا جواب دیتے ہیں کہ آیت سے مراد موت غیر مستمرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ کئے گئے اور نقل ملک وغیرہ موت مستمرہ کے ساتھ مشروط ہے۔ انتھی کلامہٗ۔"

(۱۵) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کے لئے حیات کا ثبوت تو بلاشک شبہ ہے۔ اور جسمِ اطہر کے لئے بھی احادیث سے ثابت ہو چکا، کہ انبیاء کے اجساد بوسیدہ نہیں ہوتے۔ روح کا لوٹنا تو سب مردوں کے لئے ثابت ہے۔ خواہ وہ شہید نہ بھی ہوں۔ سخن استقرار و استمرار روح میں ہے اس طرح کہ جسم اس کے ساتھ زندہ ہو جائے۔ جس طرح کہ دنیا میں تھا یا جسم بغیر روح زندہ ہو جائے۔ اور یہ قدرت الٰہی اور مشیتِ ایزدی سے دُور نہیں۔ کیونکہ ملازمتِ حیات روح کے ساتھ، اہل سنت والجماعت کے نزدیک امرِ عادی ہے۔ عقلی نہیں۔ اور اسے تو عقل

بھی جائز سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی دلیل سمعی اس بات پر صحیح ثابت ہو جائے، تو اس پر اعتقاد کرنا واجب ہو گا۔ اور علماء کی جماعت اس کی قائل ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا۔ یا لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا نماز پڑھنا۔ یہ سب جسم کی صفتیں ہیں۔ اہل سنت والجماعت نے تو احاد لبشر کے لئے ادراکات مثل سمع و بصر کا اثبات کیا ہے۔ اور یہ قطعی ہے کہ جو حیات قبر میں جمیع اموات کے لئے احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔ اُس پر دوبارہ موت طاری ہونا ثابت نہیں، بلکہ قبر کی نعمتیں اور عذاب تا قیامت جاری رہتے ہیں' اور مسرت و کرب کا ادراک بغیر حیات کے نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کے لئے حیات کے بعض اجزاء بھی کافی ہوتے ہیں۔ باقی یہ شبہ کہ جسم بغیر غذا کے کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ تو اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ غذا اسباب عادیہ میں سے ہے جو حیات کے لئے شرط ہے۔ لیکن خداوند تعالےٰ قادر ہیں کہ اسباب کے بغیر بھی زندہ رکھیں اور کچھ اس قسم کے حالات بدن پر طاری ہو جائیں کہ اسے غذا کی طرف التفات نہ رہے جس طرح دنیا میں بعض اوقات حد سے زیادہ خوشی یا غم کے عارض ہو جانے سے کئی دن کھانا پینا بھول جاتا ہے اور یاد بھی نہیں آتا اور ہو سکتا ہے۔ کہ رب العرش کے ہاں بدن کو زندہ رکھنے کے لئے کچھ اور اسباب بھی ہوں' اِنَّہٗ علیٰ کل شیئٍ قدیر"

قدوۃ المحققین کمال الدین ابن ہمام مسامرہ میں فرماتے ہیں۔ اہل حق کا اتفاق ہے کہ قبر میں رُوح اس قدر ضرور لوٹائی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے نعیم و عذاب قبر کا ادراک ہو سکے۔ اکثر اشاعرہ اور حنفیہ اعادت میں متردد ہیں لیکن امکان حیات اور قدرت پروردگار عز اسمہ پر کہ اجساد کو بغیر قیام ارواح بھی زندہ رکھ سکتا ہے۔ کوئی خلاف نہیں۔ ہاں بعض حنفیہ قائل ہیں کہ روح بالکل جسم میں عود کر آتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف اتصال ہوتا ہے جس سے مٹی اور روح کو معاً کرب والم کا احساس ہو سکتا ہے۔ انتہیٰ کلام الشیخ رحمتہ اللہ تعالےٰ

روح اللہ روحہ بجوحتہ خبانہ " (۱)

(۱۶) شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے "لمعات" شرح مشکوٰۃ شریف میں فرمایا ہے۔

" حیاتِ انبیاء علیہم السلام متفق علیہ است۔ ہیچ کس را در وخلافے نیست۔

" حیاتِ جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیاتِ معنوی روحانی "

ترجمہ:۔" اور انبیاء علیہم السلام کی حیات پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور یہ حیات وہی ہے جو کہ دنیا میں جسم کے ساتھ حاصل تھی۔ نہ کہ روحانی حیات "

(۱۷) مشکوٰۃ شریف کی مشہور اور مستند شرح "مظاہر حق" جلد اول ص۴۷۳ پر لکھا ہے کہ:۔

" اور آخیر حدیث کا حاصل یہ ہے۔ کہ زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے نہ حیات معنوی وروحانی جیسا کہ شہداء کو ہے اور سوا ان کے اور اموات بھی سنتے ہیں۔ سلام اور کلام اور عرض ہوتے ہیں۔ اعمال اقربا ان کے بعض ایام میں "

(۱۸) دارالعلوم دیوبند کے بانی علامہ محمد قاسم نانوتوی اپنی کتاب " آبِ حیات " ص۳ میں لکھتے ہیں :۔

" رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز قبر میں زندہ ہیں۔ اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزیں ہیں "

(۱۹) علامہ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :۔

" اوّل بطور مقدمہ کے جانیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک

---

(۱) جامع حیات از حضرت علامہ محمد حسین صاحب شوق پپلانوی بحوالہ جذب القلوب الی دیار المحبوب ص۲۰۱

کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضورؐ خود یعنی جسد مع تلبیس الروح کے اندر . . . تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اسی پر متفق ہیں۔ صحابہؓ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے۔ "ان نبی اللہ حی فی قبرہ یرزق"۔

(وعظ راس الربعین بضمن میلاد النبیؐ جلد۴ صـ۵۰۸)

بارھواں باب

معراجِ نبویؐ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سیر کا ذکر کلام پاک میں ہے اُسے دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک سیر مسجد الحرام (مسجد کعبہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک ہے۔ اس کا نام اسراء ہے، دوسری بیت المقدس سے عالم بالا تک ہے، یہ معراج کہلاتی ہے۔ معراج عروج سے مشتق ہے۔ معراج کے معنی آلۂ صعود (سیڑھی) کے ہیں۔ اس سیرِ مصطفویؐ کا ذکر قرآن مجید کی دو سورتوں "بنی اسرائیل" اور "النجم" میں ہے۔ اس کے متعلق کتب احادیث میں نصف صد کے قریب روایات ملتی ہیں۔ ان احادیث کو پچیس صحابہؓ اور تین صحابیاتؓ نے روایت فرمایا ہے۔ جُملہ روایات ۲۸ کتب میں درج ہیں۔ معراج کا واقعہ ۲۷ رجب المرجب بروز چہارشنبہ سالہ، مطابق سالہ کو ہوا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک باون برس کی تھی۔

قرآن مجید اور واقعۂ معراج

سورۂ بنی اسرائیل میں بیت المقدس تک کی سیر کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا	مسجدِ اقصیٰ تک جس کے گِردا گِرد

حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (پارہ ۱۵ رکوع ۱)

ہم نے برکت رکھی کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

سورۃ النجم میں عالمِ بالا کی سیر کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:-

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىۙ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰىۚ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىۙ ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىۙ ۝ ذُوْ مِرَّةٍؕ فَاسْتَوٰىۙ ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰىؕ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىۙ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰىۚ ۝ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰىؕ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىۙ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰىؕ ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰىۙ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ (پارہ ۲۷ رکوع ۵)

اس پیارے چمکتے تارے محمدؐ کی قسم جب یہ معراج سے اُترے۔ تمہارے صاحب نہ بھکے نہ بے راہ چلے، اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ اُنہیں سکھایا، سخت قوتوں والے طاقتور نے۔ پھر اُس جلوہ نے قصد فرمایا۔ اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا، پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا۔ تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی۔ اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا۔ جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس اُسکے پاس جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا۔ جو چھا رہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھیری۔ نہ حد سے بڑھی، بے شک اپنے رب کی بہت نشانیاں دیکھیں۔

احادیثِ معراج

معراج کی تفصیلی روایات بخاری اور مسلم جیسی حدیث کی صحیح کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ جن کا درجہ راویوں کی ثقاہت اور روایت کے تسلسل کے اعتبار سے اس حد تک پہنچا ہوا ہے۔ کہ عقل و درایت سے بھی ان کا انکار محال ہے۔ صحیح احادیث میں معراج کے واقعہ کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

ایک شب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خوابگاہ[1] میں جبرئیل امین جنت سے ایک سواری لے کر حاضر ہوئے۔ جسے براق کہتے ہیں۔ جبرئیلؑ نے آپؐ کو بیدار کیا۔ اور عرض کیا۔ کہ خدائے قدوس نے آج آپؐ کو وہ شرف بخشا ہے جو اس سے پہلے کسی نبی و پیغمبر کو عطا نہیں ہوا۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ آپؐ جبرئیل کے ساتھ براق پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس پہنچے۔ وہاں مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی۔ اور تمام انبیاء و رسل کی جو پہلے سے وہاں تشریف فرما تھے۔ امامت فرمائی۔ اور پھر وہاں بھی جدا جدا انبیائے سابقین[2] سے ملاقات فرمائی۔ اس کے بعد

---

(۱) احادیث میں ابتدائے واقعۂ معراج کو کسی راوی نے اُمِّ ہانی کے مکان سے بتایا ہے اور کسی نے خود بیت رسول سے اور کسی نے حرم سے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں ان سب کو اسی طرح جمع کیا ہے۔ ام ہانی ابو طالب کی بیٹی ہیں۔ واقعہ ان ہی کے مکان سے شروع ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیتی (اپنا گھر) فرمایا۔ اور ام ہانی کے مکان سے پہلے آپؐ کو حرم میں لایا گیا۔ اور وہاں سے پھر مسجد اقصیٰ کی طرف روانگی ہوئی۔ اسلئے بعض راویوں نے ابتدائی حصہ کو حذف کر کے مسجد حرام سے قصہ شروع کیا ہے۔ (۲) پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ اور دوسرے پر حضرت عیسیٰؑ و یحییٰؑ تیسرے پر حضرت یوسفؑ چوتھے پر حضرت ادریسؑ پانچویں پر حضرت ہارونؑ چھٹے پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔

قربِ(۱) الٰہی وہ درجہ نصیب ہوا۔ جس کا ذکر قلم و زبان سے محال ہے۔ بلکہ عقل و دماغ بھی اُس کے تصوّر سے عاجز۔ اُس کو تو خدا اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتا ہے۔ معراجِ جسمانی کے اس عظیم الشان اور محیّر العقول شرف سے مشرف ہو کر آپؐ واپس ہوئے تو سونے والوں نے صبح کو اُسی بستر پر پایا۔ جہاں ابتدائے شب میں آپؐ کو خوابِ راحت میں دیکھا تھا۔

صبح کو نماز سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معجزانہ واقعہ کا صحابہؓ (رضی اللہ عنہم) سے ذکر فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اس کی تصدیق کی اور اس صلہ میں دربارِ رسالت سے صدیق کا لقب پایا۔ ابوجہل نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے پوچھا۔ کیا تم اس واقعہ کی تصدیق کرو گے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ میں تو اس سے زیادہ عجیب بات پر ایمان رکھتا ہوں۔ کہ اس نبی کے پاس صبح و شام خدا کے پاس سے وحی آتی ہے اور آسمان و زمین کے درمیان وحی کا سلسلہ جاری ہے۔

بعض مشرکین نے امتحان کے طور پر اُن قافلوں کا حال معلوم کیا۔ جو شام سے مدینہ واپس آ رہے تھے۔ آپؐ نے دو قافلوں کا حال بیان کیا اور فرمایا۔ کہ فلاں قافلہ اُس مقام میں فردکش ہے اور دوسرے قافلے کا ایک اُونٹ گم ہو گیا تھا۔ فلاں فلاں شخص اس کی تلاش میں مصروف تھے، اور وہ اونٹ فلاں مقام پر موجود ہے۔ بعض نے بیت المقدس کے حالات دریافت کئے اور وہاں کے مخصوص مقامات کے پتے معلوم کئے۔ آپؐ نے سب باتوں کے جواب چشم دید واقعات کی طرح دیئے جب مشرکین اس میں ناکام رہے تو مسجد اقصیٰ کی بعض ایسی چیزیں دریافت

---

(۱) آخر ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے روح الامین نے آگے جانے سے معذوری ظاہر کی اور کہا ؎

اگر یک موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

کرنے لگے جن کو آنکھوں سے دیکھنے والا شخص بھی عموماً یاد نہیں رکھتا۔ مثلاً مسجد کی چھت میں کڑیاں کتنی ہیں اور دیواروں میں طاق کس قدر ہیں؟ مگر دشمنانِ حق کی تذلیل اور پیغمبرِ اسلام کے احقاقِ حق کے لئے ربِ قدیر نے بیت المقدس کو آپؐ کے سامنے کر دیا۔ اور آپؐ نے ہر چیز کو دیکھ دیکھ کر صحیح صحیح پتہ بتا دیا۔ یہ سوالات اس لئے کئے گئے، کہ مشرکین مکہ خوب واقف تھے کہ پیغمبرِ اسلام نے نہ کبھی بیت المقدس کو دیکھا ہے نہ اس سرزمین کے راستوں اور مقامات کی تفصیل سے واقف ہیں۔ جب آپ کی زبانِ مبارک سے یہ معجزانہ جواب سُنے تو جوشِ حسد و عداوت نے بجائے قبول و اقرار کے اس پر آمادہ کیا۔ کہ آزمائش کی تصدیق کے لئے ابھی ہم کو اپنے آنے والے قافلوں کا انتظار کرنا چاہیئے۔ آخر قافلے بھی آپہنچے۔ اور مشرکینِ مکہ نے آہستہ آہستہ اُن سے معاملات کی تصدیق بھی کر لی۔ جب انکار کیلئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی، تو اب اس کے سوا اور کوئی راہ ہاتھ نہ آئی کہ آپؐ پر ساحر ہونے کا الزام لگائیں۔

معراجِ جسمانی کے دلائل

افسوس کہ آج بعض مسلمان بھی اس معجزانہ واقعہ کو اس لئے مسخ کرنے کے درپے ہیں کہ اس واقعہ کو اُس کے اصل خط و خال میں قبول کر لینے سے کہیں ان پر عجائب پرست ہونے کا الزام نہ آئے یا مذہب سے آزاد جماعت ان کو روشن خیال طبقہ کی فہرست سے خارج نہ کر دے۔ یہ عجیب و غریب واقعہ روایت و درایت کے اعتبار سے ناقابلِ انکار ہے۔ خود قرآنِ عزیز کا اس واقعہ کے متعلق یہ فرمانا "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" اس بات کی روشن شہادت ہے کہ یہ واقعہ اپنی خصوصیات میں ایسا عجیب و غریب ہے۔ جو سننے والوں کے لئے قبول و انکار میں ایک سخت آزمائش و امتحان کا باعث ہے اور اگر اس کی حقیقت صرف ایک خواب یا روحانی ترقی کی ہی ہوتی تو اس میں ایسی کوئی خاص حیرت کی بات نہ تھی اور نہ یہ واقعہ موافقین و مخالفین کے درمیان حق و باطل کا معیار قرار پاتا۔ اس لئے کہ خواب میں ایسے

واقعات کا پیش آجانا کوئی ایسی عجیب بات نہ تھی کہ جس کی تصدیق و تکذیب میں معرکہ بپا ہوا۔ جس کی بدولت کفر و انکار اور ایمان و تصدیق کی دو جدا بنیادیں قائم ہو گئیں اس کے علاوہ آپ کا راستے کے وہ تمام حالات بیان کرنا جس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک جزو کی تصدیق خود آنے والے قافلوں نے کی۔ اور باوجود آپ سے انتہائی مخالفت وعداوت کے اصل حقیقت کا انکار نہ کر سکے۔ مشرکین کا بیت المقدس کے مختلف مقامات کے متعلق حالات دریافت کرنا اور آپ کا ہر ایک سوال کے متعلق شافی جواب دینا۔ یہ اُمور اس کی ناقابل تردید شہادت ہیں۔ کہ یہ واقعہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے انہیں معجزات باہرہ میں سے ہے۔ کہ جن کا انکار تعلیم اسلام کو خیرباد کہے اور ناقابل انکار روایت ودرایت کو ٹھکرائے بغیر قطعًا ناممکن ہے۔

رہا یہ امر کہ قرآن عزیز نے اس کو "رویا" سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی خواب کے ہیں۔ پس یہی ایک مغالطہ ہے جس کی حقیقت سمجھے بغیر بمصداق "تا ثریا می رود دیوا کج"، غلط عقیدہ کی نبیاد قائم کر لی گئی ہے۔ حقیقت امر یہ ہے۔ کہ جو واقعہ عالم غیب میں مشاہدہ کیا جائے۔ اور عام نگاہیں اُس کو دیکھنے سے قاصر ہوں خواہ نبی اور رسول بیداری ہی میں کیوں نہ دیکھے "رویا" سے بہتر اور کوئی مفرد لفظ حقیقت کے اظہار کے لئے موزوں نہیں۔ اس لئے کہ وہ خاص مشاہدہ جو عالمِ غیب میں بحالتِ بیداری آنکھوں سے کیا جائے۔ دنیا کے عام مشاہدوں سے جُدا ایک خاص کیفیت رکھتا ہے۔ عربی شاعر متنبی نے بھی اپنے ایک قصیدہ میں معشوق کی چشمِ بیمار سے دیکھنے کو عام مشاہدہ کرنے والوں سے ممتاز ظاہر کرنے کے لئے "رویا" ہی سے تعبیر کیا ہے۔

پس قرآن عزیز نے بھی اسی حقیقت کو واضح اور ظاہر کرنے کے "رویا" کا استعمال کیا ہے جو عالم مشاہدہ اور عالم خواب سے جُدا عالم غیب کی رویت کو ادا کر رہا ہے، اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے بھی اردو ترجمۂ قرآن میں رُویا ترجمہ "دکھلاوا" کیا ہے۔ جو عالم غیب کے مشاہدہ کی مجموعی حالت کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ اردو میں مفرد لفظ میں اس سے بہتر تعبیر مشکل ہے۔ (۱)

(۱) سیرتِ رسول کریم صہ ۵۹

جمہور فقہاء محدثین، متکلمین اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ مذہب ہے کہ معراج شریف بیداری کی حالت میں ہوئی۔ اور حضورؐ معہ جسم مبارک کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے۔ اور پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے (شفاء قاضی عیاض)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

" آپؐ کو ایک رات مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی۔ جس کے بعد آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو لے جانا چاہا۔ وہاں تک آپ پہنچے، یہ واقعہ آپکے جسم مادی کو بحالت بیداری پیش آیا "

(اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ صہ ۸۰۷)

عربی جاننے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ لفظ "اسراءؐ" کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ اس میں جسم اور روح کا اجتماع ہو۔ صرف روح کے سفر کو عربی میں "اسراءؐ" کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح "عبد" روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے۔ ہر جگہ اس سے مراد روح مع الجسد ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی " کیا تو نے (ابو جہل کو بھی) دیکھا۔ جب ہمارا بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اُسے روکتا ہے "۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں عبد سے مراد روح معہ الجسد ہے نہ صرف روح۔ کیونکہ ابوجہل، صرف روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ؕ	اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے۔ لوگوں کو بندھنے لگتا ہے اُس پر ٹھٹھ۔
(پارہ ۲۹ رکوع ۱۱)	

ظاہر ہے کہ صرف حضورؐ کی روح نماز پڑھنے نہیں کھڑی ہوئی تھی اور جنات آپؐ کی روح پر نہیں ٹوٹ رہے تھے۔

نیز سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۔ یہ مذکور ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندہ زکریا پر۔

(پارہ ۱۶ رکوع ۴)

اس آیت میں بھی عبد سے مراد حضرت زکریا کی روح اور جسد دونوں ہیں غرض اس قسم کی مثالیں قرآن حکیم میں بہت ہیں کہ عبد سے مراد روح مع الجسد ہے ھٰکذا فی کتب تفاسیر۔

اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے اُس کے لئے کوئی بات مشکل نہیں۔ وہ خود فرماتا ہے :—

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اُس کو ہو۔ وہ اسی وقت ہو جائے۔

(پارہ ۲۳ رکوع ۴)

پس جس خدا نے خلافِ عادت حضرت زکریا کو بڑھاپے میں ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود لڑکا عطا فرمایا۔ اور جس خدا نے حضرت مریمؑ کے بطن مبارک سے بغیر باپ کے حضرت عیسٰی علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبرؑ کو پیدا فرمایا۔ بے شک اُس خدا کو قدرت ہے۔ کہ وہ اپنے حبیب مکرم کو معراج مع الجسد کرا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کو مدعو فرمایا تو مہمان نوازی اس امر کی مقتضی تھی کہ آپ کا خاص طور احترام و اہتمام کیا جائے چونکہ آپ سید المرسلین فخر الاوّلین و الآخرین ہیں۔ اور سید میں دوسروں کے کمالات بدرجۂ اتم ہونے چاہئیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جہاں خدائے پاک نے حضرت موسٰیؑ سے مع الجسد کوہِ طور پر باتیں کیں۔ اور اپنے نور کا جلوہ دکھایا۔ (اگرچہ حضرت موسٰیؑ اس جلوۂ خداوندی کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے) وہاں جناب سید المرسلین کو آپ کے شایانِ شان درجۂ قرب عطا فرمایا جاتا جسم اطہر مع الروح والجسد کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کی جاتی۔ علاوہ ازیں آپؐ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر بھی فوقیت حاصل تھی۔ اور چونکہ وہ آسمان پر زندہ مع الجسم اُٹھائے گئے۔ اس لئے آپ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے بڑھ کر سرفراز فرمانا ضروری تھا۔ چنانچہ

ایسا ہی ہوا۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے۔ کہ معراج کا سفر ایک روحانی خواب تھا۔ اگر اس تعبیر کو تسلیم کر لیا جائے تو معراج کا واقعہ کوئی مہتم بالشان واقعہ نہیں رہ جاتا۔ بلکہ ایک معمولی سی بات بن جاتی ہے۔ کوئی بھی آدمی اپنے تصور میں ایک سیکنڈ کے اندر اندر نیویارک، پیرس اور لندن تک کی سیر کر کے واپس آ سکتا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جو قرآن جیسی کتاب میں افضل الانبیاء کے لئے کہی جائے۔ اس سلسلہ میں شکوک پیدا کرنے والی دو روائتیں پیش کی جاتی ہیں لیکن یہ دونوں روائتیں اُن لوگوں نے نہیں کیں جن کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے بلکہ بعض لوگوں نے اپنے شبہات کا جواز پیدا کرنے کیلئے اُن کا نام لے دیا۔ ایک روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی گئی ہے اس روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا" میں نے گم نہیں پایا حضورؐ کے جسم اقدس کو" اور اس روائیت پر قیاس کا یہ محل تعمیر کر لیا گیا ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعۂ معراج کو روحانی سفر فرماتی ہیں۔ اوّل تو اس روایت میں بہت سی خامیاں ہیں جو اسے صحیح روایت ثابت نہیں کرتیں۔ واقعہ معراج کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر صرف پانچ سال تھی[1]۔ اور یہ عمر معراج جیسے واقعہ کو سمجھنے یا اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے لئے مناسب نہیں سمجھی جا سکتی۔

دوسری روائیت امیر معاویہؓ سے منسوب ہے۔ جن کا قبول اسلام ہی آٹھویں ہجری کا ہے۔ اور معراج، ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اس لئے ان کا اس واقعہ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے اس لئے یہ دونوں روائتیں قابل قبول نہیں۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں معراج کے واقعہ پر شبہ کرنا اور اُسے روحانی سمجھنا غلط ہو گا۔

---

(۱) اُم المومنین، حرم نبویؐ میں ہجرت کے بعد شامل ہوئی ہیں اور واقعۂ معراج ہجرت سے پہلے کا ہے اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر پانچ سال تھی۔ (شیر محمدؐ)

تیرھواں باب

اصحابِ نبویؐ

"صحابہؓ کی جماعت درس گاہِ تزکیہ وتعلیم نبوت سے نکلی ہوئی "یُؤْمِنُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی اوّلین جماعت تھی۔ "وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ" اس لئے ان کے سوانح وایّام بھی سیرتِ نبویہؐ ہی کے مختلف اجزاء ہیں۔ بلکہ ہدایتِ قرآنی وحکمتِ نبویؐ کے عملی ومجسّم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل وآیاتِ نبوت کے حکم میں داخل ہیں یقیناً آپؐ کی سیرت مکمل نہ ہوتی۔ اگر اُن کے حالات بھی قرآن میں پوری شرح وتفصیل سے نہ ملتے"۔

(مولانا ابوالکلام آزاد — تذکرہ)

حضورؐ سرورِ کون ومکان بِاَبَآئِنَا وَاُمَّهَاتِنَا کے وصال کے وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ موجود تھے یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کسی پیغمبر، کسی ہادی اور کسی مصلح کی تعلیم نے اتنی بڑی جماعت کو اپنے رنگ میں نہیں رنگا، جتنی بڑی جماعت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں رنگ دیا تھا۔ جس طرح درخت اپنے پھل، شیخ اپنے مرید، اُستاد اپنے شاگرد، معالج اپنے مریض سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح ایک ہادی ورہنما کی تعلیم کا حال اس کے پیروؤں کے عقائد واعمال سے معلوم ہوتا ہے جو براہِ راست اس سے متاثر ہوئے۔ ؎

جمالِ ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عدالت میں کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے مسموع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس اصول کے حسب فحواہ اسلام کی صداقت کے دعوے کے

ثبوت میں یثرب کے دار الشفا میں قرآن کے نسخہ سے شفایاب ہونے والوں، صحابہ کرامؓ کو بطور شاہد پیش کیا ہے۔ آج بھی مبلغ اسلام کے لئے صحابہ کرامؓ کی سیرت بیان کئے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ صحابہؓ کی اخوت، مساوات، حریت، دیانت، صداقت عدالت، استقامت۔ اطاعتِ رسولؐ، اتفاق، ایثار اور عبادت گذاری کے عملی واقعات بیان کئے بغیر اسلام کے چہرۂ روشن کی نقاب کشائی نہیں کی جا سکتی۔

ہمیں صحابہ کرامؓ سے بلاواسطہ تعلق نہیں۔ بلکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے تعلق ہے وہ حضورؐ پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے اقامتِ دین کی جدوجہد میں حضورؐ کے زیرِ سایہ کفارِ قریش کے ہاتھوں بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں، فاقے کئے، تلواروں کے زخم کھائے، بیگانوں اور یگانوں کے طعنے سنے۔ مال کا ایثار کیا۔ مگر ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ حضورؐ نے اُن کو اپنی آغوشِ صحبت میں تربیت بخشی۔ ان کو کتاب و حکمت سکھائی۔ ان کے نفوس کا تزکیہ و تصفیہ کیا۔ انہیں بہترین اخلاق و آداب سے اس حد تک آراستہ و پیراستہ کیا کہ عرب کے غیر مہذب بادیہ نشین کلمہ طیبہ پڑھتے ہی ایسے دانا و بینا اور مہذب و شائستہ بن گئے کہ دنیا نے انہیں اپنا معلمِ اخلاق تسلیم کر لیا۔

حضورؐ کے فیضانِ صحبت سے اگر ایک طرف خالد بن ولیدؓ، ابوعبیدہؓ بن الجراح، سعد بن وقاصؓ اور عمرو بن عاصؓ جیسے "جہانگیر و جہاندار و جہاں آرا" پیدا ہوئے، جنہوں نے مہتم بالشان حکومتوں کے تختے اُلٹ دیئے تو دوسری جانب صدیق اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور امیر معاویہؓ جیسے اعلیٰ مدبّر، منتظم جہان بان بنے۔ اگر ایک طرف ابوذر غفاریؓ اور عبداللہ بن عمرؓ جیسے زہاد و عباد بنے تو دوسری طرف حکیم بن حزامؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے متموّل تاجر تیار ہوئے۔ اگر ایک طرف علی المرتضیٰؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے اعلیٰ مقنن اور منصف پیدا ہوئے۔ تو دوسری طرف ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جید اساتذہ تیار ہوئے۔

حضورؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے پیغام کو روم کے قصروں،

ایران کے آتش کدوں، افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں تک پہنچایا۔ان کے زمانۂ خلافت میں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں جہاں کہیں مقابلہ ہوا۔ وہ غالب رہے۔ قیاصرۂ روم اور اکاسرۂ ایران ان کے نام سے رعشہ براندام تھے۔ اُنہوں نے ایسے عدل و انصاف کے ساتھ جہاں بانی کی۔ کہ اس وقت کی غیر مسلم اقوام بے اختیار کہہ اُٹھیں کہ:۔

"خدا کی قسم ارض و سما ان کے انصاف کے بل پر قائم ہیں۔"

جہاں کہیں وہ فاتح بن کر مسندِ اقتدار پر متمکن ہوئے وہاں دوست دشمن ہر ایک نے محسوس کیا کہ زندگی کے سارے مسائل کی چولیں ٹھیک اپنی جگہ پر بیٹھ گئی ہیں۔ اور توازن و عدل زندگی کے ہر گوشے میں کارفرما ہو گیا ہے۔ ان کے اوصافِ حمیدہ اور اعمالِ ستودہ سے متاثر ہو کر اقوامِ عالم فوجاً فوجاً اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئیں۔ اور اقل و قلیل مدت میں بحر اٹلانٹک کے مشرقی ساحل سے لے کر بحرالکاہل کے مغربی ساحل اور ان کے جزائر تک پرچم اسلام لہرانے لگا۔ اور باوجودیکہ حضورؐ کے وصال کے وقت مسلمانوں کا شمار چار لاکھ سے زائد نظر نہیں آتا۔ مگر بقول "نیویارک ٹائمز" آج دنیا میں ستر کروڑ مسلمان موجود ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت کی نشر و اشاعت سے ہم اہل سنت کا مقصود نظریہ ہے، کہ دنیا پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ جس معلم کے تلامذہ ایسے باکمال تھے۔ خود اس کی شخصیت کس طرح جامع کمالات ہو گی۔ جس ہادی نے ایسے بلند کردار پیرو پیدا کئے۔ خود اُس ہادی کی عظمت و جلالت کا کیا مقام ہو گا؟

اگر کوئی گستاخ صحابہؓ کے فضائل و کمالات کا منکر ہے۔ اور وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ (معاذ اللہ) پانچ افراد (۱) علیؓ (۲) مقدادؓ (۳) ابوذرؓ (۴) سلیمان فارسیؓ (۵) عمار بن یاسرؓ کے علاوہ سب صحابہؓ منافق تھے اور وہ حضورؐ کے وصال کے مابعد گمراہ ہو گئے تھے تو اس عقیدہ کی سب سے زیادہ ضرب معاذ اللہ خود صاحبِ رسالت و نبوت کی ذاتِ گرامی پر پڑتی ہے کہ آپؐ نے تیئس سال تبلیغ کی۔ آپ کے مواعظِ حسنہ میں اس قدر

بھی اثر نہ تھا۔ کہ شب و روز کے مصاحب، سفر و حضر کے رفقاء، کماحقہٗ متفید و مستفیض ہو سکیں۔ اور آپ کی تعلیم سے اُن کا تزکیہ نفس ہو جائے۔ بہ الفاظِ دیگر قرآن میں جو فرمایا گیا ہے "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" وہ غلط ثابت ہوا۔ اور آپؐ کو اپنے مشن میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اور پانچ افراد کے سوا کسی کو مسلمان نہ بنا سکے۔ پس دیکھئے صحابہؓ کے انکارِ ایمان کا اثر کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ اور اس انکار کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلمانہ و مصلحانہ کمالات سے بھی انکار ہونے لگا۔ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ جریدہ "آریہ مسافر" کے اڈیٹر نے اپنے جریدہ میں صحابہ کرامؓ کے متعلق روافض کے بیان کردہ مطاعن درج کرنے کے بعد ملتِ اسلامیہ سے حسبِ ذیل سوال کیا تھا:۔

"جس قرآن کی تعلیم اور جس نبی کی صحبت کا یہ اثر ہو کہ اس کے اوّلین پیروؤں میں ایسی ایسی صفاتِ ذمیمہ موجود ہوں۔ وہ دنیا کے طالب ہوں۔ اور نبی کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے ہوں جن کی اکثریت میں کوئی روحانی اثر نہ ہو۔ کیا ایسا قرآن دنیا کے مسائل کا حل پیش کر سکتا ہے؟

. . . . اور کیا ایسا نبیؐ آج تیرہ سَو (۱۳۰۰) سال کے بعد لوگوں کو نجات دلا سکتا ہے، جو نبیؐ اپنے صحابہؓ کو نجات نہ دلا سکا۔ وہ بھلا ہمارے لئے کیسے مصلح اور ہادی قرار دیا جا سکتا ہے۔"

علمائے اہلِ سُنت نے اِن مطاعن کی تردید کرتے ہوئے علمائے روافض کو متوجہ کیا تھا۔ کہ وہ اپنے مسلّمہ عقائد کے مطابق آریوں کو اس سوال کا جواب دیں مگر کسی رافضی عالم سے جواب نہ بن سکا۔

صحابہ کرامؓ نے جن نازک حالات میں خلافت کا کام سنبھالا۔ دین اسلام کی اشاعت کی اور جس عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کی غیر مسلموں کو اس کا اعتراف ہے۔

ع اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

اس سلسلے میں مجھے برِ عظیم پاک و ہند کی تاریخ کا ایک ایسا واقعہ یاد آتا ہے جس

کا حوالہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ۱۹۳۷ء میں جب برطانوی ہندوستان کے متعدد صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قائم ہوئیں۔ اُس وقت ان وزارتوں کو ہندو قوم کے سب سے بڑے رہنما گاندھی جی نے عجیب دغریب مشورہ دیا۔ گاندھی جی کا مشورہ یہ تھا کہ " کانگرسی وزارتیں صوبوں کے سیاسی انتظام میں حضرت عمرؓ کے قائم کئے ہوئے بلند نمونے کی تقلید کریں "۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ کانگرسی وزارتوں نے گاندھی جی کے اس مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کی یا نہ کی۔ لیکن یہ مشورہ ہمارے لئے مقامِ عبرت ضرور ہے ؎

غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعان را تماشہ کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

جب غیروں کو ہمارے گھر کی شمعوں کی روشنی یوں نظر آتی ہے۔ اور وہ اس سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو پھر ہم اپنے اس تاریخی حق سے فائدہ اُٹھانے کے لئے کیوں مضطرب نہ ہوں۔

صحابہ کرامؓ کی توصیف میں غیر مسلموں نے جو کچھ لکھا ہے اگر میں وہ تمام کمال جمع کردوں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوجائے گی۔ اس لئے بخوفِ طوالت صرف دو اقتباسات درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

یورپ کا ایک متعصب نصرانی مورخ لکھتا ہے :۔

" عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ نشۂ دین آپ کے پیروؤں میں پیدا کیا۔ جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ جب عیسیٰؑ کو سُولی پر لے گئے تو اُن کے پیرو بھاگ گئے اُن کا نشۂ دین جاتا رہا۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبرؐ کے گرد آئے۔ اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں

پر آپ کو غالب کیا۔" (اپالوجی گاڈ فری ہگنس ترجمہ اردو ص ۶۶-۶۷)

سر ولیم میور لکھتا ہے :۔

" ابو بکرؓ کی قوت کا راز وہ ایمان راسخ تھا جو آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے تھے ہمیشہ آپ کے پیش نظر یہی سوال رہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کیا تھا۔ یا اس وقت ہوتے تو کیا کرتے اس سوال کے جواب پر عمل کرتے وقت وہ اپنے معیار سے سرِ مُو تجاوز نہ کرتے۔ اس طرح آپ نے شرک اور بت پرستی کو پامال کر دیا۔ اور اسلام کی بنیاد استوار کی۔ آپ کا عہد مختصر تھا۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا۔ جس کا اسلام کو آپ سے زیادہ ممنون اور مرہونِ احسان رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ابو بکرؓ کے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا۔ اور یہی عقیدہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص، اور صداقت کی ایک زبردست شہادت ہے" (لائف آف محمدؐ)

مسئلہ خلافت میں اختلاف کی ابتداء

مسئلہ خلافت بہمہ دجوہ ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ کیونکہ حضرات شیخین رضؓ کے عہدِ خلافت تک اس مسئلہ کے متعلق مسلمانوں میں کسی ذاتی یا نظریاتی اختلاف کا ثبوت نہیں ملتا۔ آج اس مسئلہ میں جو اختلافِ عظیم برپا ہے۔ وہ زمانہ شیخینؓ سے بعد کی سیاسی، اُلجھنوں اور اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں اور دسیسہ کاریوں کی پیداوار ہے حضرات شیخینؓ کے عہدِ خلافت تک وراثت کو اصولِ خلافت قرار دینے کا نظریہ منصۂ شہود پر نہیں آیا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو صنعا (یمن) کے ایک نو مسلم یہودی عبداللہ ابن سبا نے تفرقہ اندازی کے لئے حضرت عثمانؓ کی قدح اور حضرت علیؓ کی مدح شد و مد سے شروع کر دی۔ حضرت علیؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی اور داماد ہونے کی وجہ سے آپ کے حقِ خلافت کو اولیٰ قرار دینے کی تبلیغ شروع کر دی۔ اور حضرت علیؓ سے آنے والے آئمہ کے متعلق" منصوص من اللہ"

کا عقیدہ اختراع کیا۔ اب ضرورت تھی۔ کہ حضرت علیؓ کی خلافت نصّ سے ثابت کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ مسئلہ منطقی استدلال سے خلفائے ثلاثہؓ کو نعوذ باللہ غاصب اور بہت سے صحابہؓ کو دشمن اسلام قرار دینے پر ختم ہوا۔

تاریخ کے مطالعہ میں سب سے زیادہ پریشان کن چیز یہ ہے کہ ہماری تاریخ مخصوص رجحانات سے پاک نہیں ہے۔ جس میں غیر جانبداری کے ساتھ واقعات بیان کئے گئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے پاس جو تاریخیں موجود ہیں اُن میں کہیں صدیق اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ اور عثمان غنیؓ پر بہتان تراشی کی گئی ہے اور کہیں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگوں کے متعلق مکروہ اور گمراہ کُن واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف کاغذوں پر قرآن کی آیات اور رسول کے ارشادات پڑھ کر کسی زندگی میں کوئی تبدیلی کیونکر آسکتی ہے۔ جب کہ خود معلم قرآن اور مہبطِ وحی الٰہی ہی زندگیوں کو نہ سنوار سکے اور پانچ آدمیوں کو چھوڑ کر اپنے رفقاء کی اکثریت کو اخلاص اور پاکیزگی کے سانچے میں نہ ڈھال سکے۔

مقامِ صحابہؓ، قرآنِ حکیم کی روشنی میں

قرآنِ حکیم کا ایک بڑا حصہ صحابہ کرامؓ کے ایمان و اخلاص اور عظمت و تقدیس کی مدح و ثنا پر مشتمل ہے۔ جن لوگوں کا مداح خود رب العرش ہے۔ ان کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانا، آیاتِ قرآن کو جھٹلانا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآنِ حکیم میں صحابہ کرامؓ کے وجود کو اپنے محبوب رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے نعمت ہونے میں اپنی امداد غیبی کے برابر ٹھہرایا ہے اور شہادت دی ہے کہ ان کا ایک کلمہ توحید پر متحد ہوجانا مال و زر کی لالچ سے نہ تھا۔ تمام دنیا کا مال و زر بھی ایسا اتحاد پیدا کرنے سے عاجز ہے، یہ خدا کی رحمت ہے۔ جو ان پر نازل ہوئی اور جب یہ لوگ خلوص قلب سے متحد ہوگئے تو ہماری غیبی تائید اور ان لوگوں کا وجود اشاعت اسلام کے لئے کافی ہے

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَ وہی ہے جس نے اپنی امداد سے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(پارہ ۱۰ رکوع ۴)

اور مومنین کے ذریعے سے تمہاری تائید کی تھی۔ اور ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی تھی۔ اگر زمین میں جو کچھ ہے، تم سب بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں اُلفت نہ پیدا کر سکتے۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اے نبیؐ تمہارے لئے اللہ اور مومنین میں سے جو تمہارا اتباع کرتے ہیں۔ وہی کافی ہیں۔ (ترجمہ مقبول احمد)

یہ وہی بزرگانِ دین ہیں۔ جن کا درجہ عبادت گزاروں اور کعبۃ اللہ کو آباد کرنے والوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی جان و مال کو راہِ حق میں قربان کر دیا۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

(پارہ ۱۰ رکوع ۹)

کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد رکھنا اس شخص کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔ اور جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو یہ سب برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کی رہبری نہیں فرماتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی۔ اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ اور اللہ کے نزدیک

درجہ میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔
(ترجمہ مقبول احمدؒ)

یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جن پر خدا نے اپنی نعمتیں مبذول فرمانے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے اُن کو آتش جہنم سے رہائی دی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا ج وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝

(پارہ ۴ رکوع ۲)

اور جنگل مار کر سب اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے۔ یاد کرتے رہو۔ کہ تم دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اور تم اس کی نعمت کی بدولت بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ پھر اس نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اسی طرح سے اللہ اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ (ترجمہ مقبول احمدؒ)

یہی ارواح طیبہ ہیں۔ جن کی صفات جلال و جمال کی تعریف کی گئی ہے اور فرمایا۔ گیا ہے کہ توراۃ اور انجیل بھی ان ہی کی توصیف میں رطب اللسان ہیں:-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ز سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ج (پارہ ۲۶ رکوع ۱۲)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو بھی ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کافروں پر بھاری ہیں اور آپس میں رحم دل۔ تم ان کو رکوع اور سجود کی حالت میں دیکھو گے کہ وہ خدا کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے خواستگار ہیں۔ ان کی علامتیں ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے

نمایاں ہیں۔ یہ مثل تو ان کی توریت میں بیان کی گئی ہے۔ اور انجیل میں ان کی مثل۔ (ترجمہ مقبول احمدؒ)

عظمتِ صحابہؓ

حضرت علیؓ کی نظر میں :-

یہی وہ رفیقانِ باصفا ہیں جن کی داغِ مفارقت دیئے جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے شیعوں میں کوئی اُن کا ثانی نظر نہیں آتا۔ اور حسرت کے آنسو بہاتے ہیں اور فرماتے ہیں :-

"میں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ لیکن تم میں سے کسی کو بھی اُن سے مشابہ نہیں پایا ہے۔ وہ ژولیدہ حالت میں صبح کرتے تھے۔ رات سجدہ اور قیام (عبادت) میں گذارتے تھے۔ اپنی پیشانیاں اور رخساروں کو وہ خاک پر رکھتے تھے اور یاد بازگشت (قیامت) کے خوف سے اخگر اور آتش پارہ سوزاں کی طرح مضطر اور نگران نظر آتے تھے۔ اُن کی پیشانی پر طویل سجدہ کے باعث بکریوں کے زانو کے گھٹنے کی طرح نشانات پڑ گئے تھے۔ جب کبھی خداوند سبحانہٗ کا ذکر ہوتا تو ترسِ عذاب اندیشۂ پاداش اور اُمیدِ ثواب سے (روتے روتے) اُن کی آنکھوں سے اس طرح آنسو بہتے کہ اُن کے گریبان تر ہو جاتے اور وہ لرزہ بر اندام ہو جاتے۔ جس طرح بادِ تند سے (بڑے بڑے مضبوط اور تناور) درخت ہلنے اور ڈولنے لگتے ہیں۔

(نہج البلاغت جلد اوّل ترجمہ اُردو از سید رئیس احمد جعفری صـ۱۷۰)

"وہ لوگ کہاں ہیں کہ جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی اور انہوں نے اُسے قبول کر لیا۔ اُنہوں نے قرآن پڑھا تو اس پر محکم و استوار بھی ہو گئے اور اُنہیں جہاد پر آمادہ کیا گیا۔ تو وہ (بر فتن کارزار و جنگ با دشمن) جہاد کے اتنے شیفتہ ہوئے ،

جیسے ناقہ اپنے بچّے پر فریفتہ ہوتی ہے۔ اُنہوں نے تلواریں غلاف سے باہر نکال لیں۔ اور اطراف زمین (کارزار) میں دستہ، دستہ اور صف صف پھیل گئے۔ (اور فتح و فیروزی مسلمانوں کو اس وقت حاصل ہوتی جب)، اُن میں بعض ہلاک ہو گئے اور بعض سلامت رہے۔ یہ اپنی زندگی کی بقا پر (کہ جنگ میں ہلاک نہ ہوئے)، شاد نہیں (اگر کہا جائے فلاں کارزار سے بچ آیا۔ کشتہ نہ ہوا۔ تو اس پر خوش نہیں ہوتے۔ کیونکہ زندگی جاوید راہِ حق میں جان دینے ہی سے ملتی ہے) جو لوگ (جنگ میں) مر گئے (تو راہِ حق میں مرنے والے) تسلیت و تعزیت نہیں چاہتے۔ ان کی آنکھیں گریہ (خوف خدا سے) سفید تھیں، پیٹ روزہ سے لاغر، لب دُعا سے خشک، رنگ بیداری سے زرد، اور ان کے چہروں پہ غبار (آثار) فروتنی نمایاں تھا۔ یہ لوگ (مسلک ایمان میں) میرے بھائی تھے۔ جو (افسوس ہے کہ) رخصت ہو گئے۔ پس سزاوار ہے کہ ہم اُن کے تشنہ (ملاقات) ہوں۔ اور اُن کے فراق و جدائی پر دستِ افسوس ملیں۔"

(نہج البلاغت جلد اوّل، ترجمہ اُردو از سید رئیس احمد جعفری ص ۸۵۹، ۸۶۰)

"مَیں تمنا کرتا ہوں خدا میرے اور تمہارے مابین جُدائی ڈال دے اور مجھے اُن لوگوں سے ملحق کر دے جو تم سے زیادہ میرے لئے سزاوار ہیں۔ بخدا یہ وہ لوگ ہیں، دارائے رائے و اندیشہ ہائے پسندیدہ ہیں۔ حلم و بردباری بسیار کے حامل ہیں۔ حق گو ہیں۔ ظلم و ستم کو روا نہیں رکھتے۔ اُنہوں نے سبقت کی اور راہِ راست پر سے گزر گئے۔ اور راہِ روشن (ہدایت و رستگاری کی راہ) کو تیزی سے طے کر گئے، پس اُنہوں نے آخرت و جاوداں اور عیش و خوشی کی زندگی حاصل کر لی۔"

(نہج البلاغت جلد اوّل ترجمہ اُردو از سید رئیس احمد جعفری ص ۸۴۱-۸۴۲)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:۔

بعض جہلاء سے یہ کہتے سنا گیا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کے نزدیک اصحابِ رسولؐ

سے مُراد صرف ابوذرؓ، مقدادؓ - عمار بن یاسرؓ - سلیمان فارسیؓ ہیں - خلفائے ثلاثہ نہیں ہیں - اُن کی اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے حضرت علیؓ کی زبان سے خلفائے ثلاثہؓ کی تعریف و توصیف پیش کی جاتی ہے۔

در مدح صدیق اکبرؓ

"ابو بکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روشش[1] سیدھی رہی - اعتدال سے اُنہوں نے تجاوز نہ کیا - ان کے ساتھ میری ناصحانہ رفاقت تھی اور میں اُن سب کاموں میں اُن کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے"

نہج البلاغت جلد دوم مترجمہ از سید رئیس احمد جعفری صـ۲۸۶)

"بے شک اسلام میں ان دونوں[2] خلفاء (خلیفہ اول و دوم) کا مقام خاص ہے، اوران کی وفات اسلام میں گہرا زخم ہے - خدا ان پر رحم فرمائے اور ان کے بہترین اعمال کا اجر بخشے"

(نہج البلاغت جلد دوم مترجمہ اُردو از سید رئیس احمد جعفری صـ۲۷۵)

در مدح فاروق اعظمؓ

"حضرت عمر بن الخطابؓ[1] نے جنگِ روم میں بہ نفس نفیس جانے کا ارادہ کیا - تو امیر المؤمنینؓ سے مشورہ کیا - اس موقع پر آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے :-

"خدا تعالیٰ ، اہلِ اسلام کا ضامن اور اُن کے حدود و نواحی کا نگہبان ہے اور اُن کے رازوں کا (جن سے دشمن کو آگاہ نہ ہونا چاہیئے) پوشیدہ رکھنے والا ہے اور اُس خدائے بزرگ و بیہمتا نے اس زمانہ میں مسلمانوں کی یاری و یاوری کی جب کہ وہ تعداد میں کم تھے - اور دشمن سے انتقام نہیں لے سکتے تھے - اور انہیں مغلوب ہونے سے بچائے رکھا - حالانکہ وہ قلیل تھے

اور توانائی دفاع سے معدوم تھے۔ (جب خدا نے اُس وقت مدد فرمائی، تو اب کیوں نہ فرمائے گا۔ کیونکہ وہ خدائے متعال) زندہ ہے اس پر موت کبھی طاری نہیں ہوتی اگر تم خود، دشمن (قیصر روم) سے لڑنے کے لئے گئے۔ اور اس سے بھڑ گئے اور شکست کھا گئے۔ تو دُور دست شہروں اور سرحدوں کے مسلمانوں کو (کہیں) پناہ نہ مل سکیگی، تمہارے (کشتہ ہونے یا شکست یاب ہونے کے) بعد کوئی مرجع نہیں ہوگا۔ کہ مسلمان (فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے اُس کی طرف) راجعت کر سکیں پس (مصلحت یہ ہے کہ تم خود نہ جاؤ تاں اپنے بجائے) مرد جنگ دیدہ و دلیر کو اُن کی طرف بھیج دو اور اُس کے ساتھ ایسے لوگوں کو روانہ کرو۔ جو جنگ کے شدائد اور سختیوں کو جھیل سکیں۔ اور (اپنے سردار کی) نصیحتوں اور ہدایتوں کو قبول کر سکیں۔ پس اگر یہ لوگ غالب آ گئے۔ تو فھوالمقصود اور کیا چاہیئے؟ اور اگر واقعہ دیگر (شکست) پیش آیا۔ تو تمہاری ذات، مسلمانوں کی (بدستور) پناہ اور مددگار رہے گی۔ دوسرا لشکر فراہم کر کے دوبارہ جنگ چھیڑ سکو گے۔"

(نہج البلاغت جلد اوّل مترجمہ از سید رئیس احمد جعفری ص ۹۵۳-۹۵۴)

حضرت عمرؓ نے جنگِ فارس[2] (ایران) میں جب خود شریک ہونا چاہا اور اس باب میں حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا:۔

"اِسلام کی نصرت اور خذلان کا انحصار (سپاہ کی قلّت اور کثرت پر نہیں ہے۔ یہ خدا کا وہ دین ہے جسے تمام ادیان پر) اُس نے غلبہ عطا فرمایا ہے اور یہ اُس کا وہ لشکر ہے، جسے اُس نے مہیا کیا ہے اور اُس کی اعانت کی ہے۔ یہاں تک کہ یہ کہاں تک پہنچا اور اس نے کہاں تک ترقی کر لی۔ ہمیں خدا کے وعدے پر بھروسہ[1] ہے اور بلاشبہ

---

(۱) حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ کے جس وعدے کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۵ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۳) (شیر محمد)

خدا اپنا (وعدہ) ضرور پورا کرے گا۔ وہ اپنے لشکر کا معین و ناصر ہے۔ قَیِّمَ بِالْاَمْرِ ، (حاکم و امیر) کی حیثیت رشتۂ مہرہ کے مانند ہوتی ہے (جو موتیوں یا جواہرات کو) مجتمع رکھتا ہے۔ پس اگر رشتہ ٹوٹ گیا۔ مہرہ بھی جُدا ہو جائے گا۔ اور ہار کے دانے پراگندہ ہو جائیں گے اور وہ پھر کسی طرح مجتمع نہیں ہو سکیں گے۔ آج اگرچہ عرب کم ہیں۔ لیکن دین اسلام کے سبب وہ سب پر بھاری ہیں اور اپنے اجتماع اور یگانگی کے باعث سب پر غلبہ رکھتے ہیں۔ آپ وہ میخ بن جایئے جو چکّی کے وسط میں ہوتی ہے اور پھر اسے عربوں کے ذریعے گردش دیجئے۔ جنگ میں انہی کو روانہ کیجئے۔ خود نہ جایئے۔ اور اگر آپ نے اس سرزمین (مدینہ طیبہ) سے قدم باہر نکالا تو عرب اطراف و جوانب سے ٹوٹ پڑیں گے عہد توڑ دیں گے۔ اور فساد و تباہ کاری پر مائل ہو جائیں گے (رشتۂ نظم مملکت کمزور پڑ جائے گا) اور یہ اُن رشتوں سے زیادہ اہم ہو جائے گا۔ جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں۔ ایرانی آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے یہی پیشوائے عرب ہیں۔ اسے اگر کسی طرح ہلاک کر دیا جائے تو آسائش حاصل ہو جائے۔ پس یہ بات اُنہیں جنگ پر اور زیادہ حریص کر دے گی۔ اور وہ آپ کی طمع میں (ایڑی چوٹی) کا زور لگا دیں گے اور آپ کا یہ قول کہ ایرانی مسلمانوں پر چڑھائی کر رہے ہیں۔ تو خدائے کارساز اُن کے اس فعل کو آپ سے کہیں زیادہ ناگوار سمجھتا ہے۔ اور وہ اپنے ناپسند امر کے تغیر پر آپ سے زیادہ قادر ہے اور آپ نے اُن کی (کثرت) تعداد کا جو ذکر کیا۔ تو (یاد رکھیے) ہم نے عہدِ ماضی (عہدِ رسالت) میں بھی کبھی کثرت تعداد کے بل پر لڑائی نہیں لڑی۔ ہمارا جہاد ہمیشہ نصرت و معونت الٰہی کی بنیاد پر رہا۔"

(نہج البلاغت جلد اوّل ترجمہ اُردو از سیّد رئیس احمد جعفری ص ۱۰۰۹-۱۰۱۱)

"خدا عمرؓ کے شہروں کو برکت دے (۳) اور اُن کی محافظت [redacted] فرمائے کہ اُس نے کجی کو راست کیا۔ بیماری کا معالجہ کیا۔ اور سنت کو قائم کیا۔ فتنہ کو ختم کر دیا۔ پاک جامہ و کم عیب، اس دنیا سے رخصت ہوا۔ خلافت کی نیکی تک پہنچا۔ اور اُس کے شر سے گزر گیا۔ خدا کی طاعت بجا لایا۔ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا۔ اس کی طاعت کا حق (اچھی طرح سے) ادا

کیا" (نہج البلاغت جلد اول ترجمہ اردو از رئیس احمد جعفری صـ۸۳ـ ۱۲)

در مدح عثمان غنیؓ :-

"حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں ایک مجمع حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی۔ کہ آپ حضرت عثمانؓ سے گفتگو کر کے انہیں سمجھائیں۔ چنانچہ آپ حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں جاکر فرمایا :-

"لوگ میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے اور آپ کے مابین سفیر بنایا ہے۔ لیکن خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں؟ میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں۔ نہ میں کسی ایسے امر کی طرف آپ کی رہنمائی کر سکتا ہوں۔ جسے آپ نہ جانتے ہوں۔ وہی ہم جانتے ہیں کسی بات میں آپ پر سبقت نہیں رکھتے کہ اس سے آپ کو باخبر کریں۔ نہ کسی بات میں ہم آپ سے جدا ہوئے کہ اب آپ کو وہ بتادیں جس طرح ہم نے دیکھا اسی طرح آپ نے دیکھا۔ جس طرح ہم نے سنا اسی طرح آپ نے سنا جس طرح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت سے مشرف ہوئے اسی طرح آپ بھی ہوئے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی عملِ حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ سزاوار نہیں تھے۔ کیوں کہ بہ اعتبار قرابت آپ رسول اللہؐ سے ان دونوں کے مقابلہ میں نزدیک تر ہیں۔ بلاشبہ آپ نے رسولِ اکرمؐ کی دامادی کا شرف (دو مرتبہ) حاصل کیا ہے جو انہیں نہیں ملا۔

(نہج البلاغت جلد اول ترجمہ اردو از سید رئیس احمد جعفری صـ ۱۰۹۷-۱۰۹۸)

ان ناقابل تردید دلائل و شواہد کے بعد اصحاب نبویؐ کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر سے انکار کرنا۔ آفتابِ عالمتاب کی روشنی سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔

چودھواں باب

گلہائے عقیدت

خراجِ عقیدت

(امام بوصیریؒ کے قصیدہ بُردہ کے چند اشعار)

["یہ قصیدہ حضور رسالت مآبؐ کی نعت میں ہے روایت ہے کہ امام بوصیریؒ کا قصیدہ بارگاہِ نبوی میں مقبول ہوا۔ اور مصنف کو فالج کی بیماری سے نجات ملی۔"]

[مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق۔ از علامہ اقبال ص۶۹]

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا　　وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اے سرورِ دو جہان! دُنیا و ما فیہا آپ کے دریائے جود سے ایک قطرہ ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم سے بعض حصہ ہے۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ　　سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ

اے سردرِ مخلوقاتؐ آپ کے سوا کون ہے۔ سخت مصیبتوں میں جس کی پناہ لے سکوں

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا　　فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

ہر معجزہ جو دوسرے رسولوں سے ہوا۔ وہ اُنہیں حضور پُرنور کی بدولت نصیب ہوا۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا　　يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

حضورؐ فضل کمال کے آفتاب ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام ستارے ہیں (اس)، آفتاب کی روشنی میں لوگوں کو تاریکیوں میں راہ دکھاتی ہے۔

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّ فِيْ خُلُقٍ　　وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٍ

صورت سیرت کے اعتبار سے حضورؐ تمام انبیاءؑ پر فائق ہیں اور انبیاء علیہم السلام آپ کے علم و فضل کی برابری نہیں کر سکتے۔

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ　　غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

تمام انبیاءؑ حضورؐ کے دریائے علم سے ایک چلّو کے اور حضورؐ کے کرم سے ایک قطرہ کے طالب ہیں۔

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ　　حَدٌّ فَيُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال کی کوئی حد نہیں اور اور (آپ کی فضیلت) کوئی شخص اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمْ　　وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

نصاریٰ نے اپنے نبیؑ کے بارے میں جو کچھ دعویٰ کیا (یعنی دعویٰ الوہیت) اس کو تو چھوڑ دو۔ اس کے علاوہ (آپ کی) جو تعریف کرنا چاہو اور اس پر مستحکم ہو جاؤ۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ　　فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٍ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ذاتی و صفاتی) تمام خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں۔ پس حقیقت میں آپ کے حسن کی تقسیم نہیں ہوئی۔

پیکرِ نور

جاننا چاہیئے کہ پیدائش محمدی تمام افرادِ انسان کی پیدائش کی طرح نہیں۔ بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ

"میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں"

اور دوسروں کو یہ دولت میسّر نہیں"

(اردو ترجمہ مکتوباتِ امام ربّانیؒ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

حضورِ رسالتؐ

(قصیدۂ قاسمیہ کے چند اشعار)

اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضورؐ کے روضہ کے آس پاس نثار
ولے یہ رُتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مُرغ و مار
جو یہ نصیب نہ ہو پھر کہاں نصیب میرے
کہ میں ہوں سگانِ حرم کی تیرے قطار
یہ سُن کے کہ آپؐ شفیعِ گناہ گاراں ہیں
کئے ہیں میں نے اکٹھے گناہ کے انبار
گناہ کیا ہے؟ اگرچہ کچھ گناہ کئے میں نے
تجھے شفیع کہے کون گر نہ ہوں بدکار
بہت دنوں سے تمنّا ہے عرضِ حال کروں
گر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
وہ آرزوئیں جو ہیں مدتوں سے دل میں بھری
کہوں میں کھول کے دل اور نکالوں دل کا بخار

مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا
وہاں ہو قاسمِ بے بال و پر کا کیسے گذر
نہ جبرئیلؑ کے پر ہیں نہ ہے براق کوئی
جو اُڑ کے در تئیں پہنچوں تمہارے یا کہ سوار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا ،
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غمخوار
رجاء و خوف کی موجوں میں ہے اُمید کی ناؤ
جو تو ہی ہاتھ لگائے تو ہووے بیڑا پار
مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامی کار

(علامہ محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دار العلوم دیوبند)

میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ!

اچھا ہوں یا بُرا غرض جو کچھ ہوں سو ہوں
پر ہوں تمہارا تم میرے مختار یا رسول اللہ
کس طرح میں آہ کروں خدمت میں حال عرض
ہوں خجلتِ گناہ سے سرشار یا رسول اللہ
ذات آپ کی رحمت و اُلفت ہے سر بسر
میں گرچہ ہوں تمام خطا وار یا رسول اللہ
کرئیے نہ میرے فعل بُروں پر نگاہ تم
کیجیو نظرِ کرم کی بس اِک بار یا رسول اللہ
تم نے بھی گر نہ لی خبر اس حالِ زار کی
اب جائے کہاں بتاؤ یہ ناچار یا رسول اللہ
دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا
کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یا رسول اللہ
کیا ڈر ہے اُس کو لشکرِ عصیاں و جرم سے
تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسول اللہ
گھیرا ہے ہر طرف سے مجھے دردِ غم نے آہ
اب زندگی بھی ہو گئی دشوار یا رسول اللہ
ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبیں ،
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول اللہ
شفیع عاصیاں ہو تم وسیلۂ بے کساں ہو تم
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ

ہوا ہوں نفس اور شیطان کے ہاتھوں سے بہت رُسوا
میرے اب حال پہ تم رحم کھاؤ یا رسول اللہ
گرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں ،
تم اب چاہو ہنساؤ یا رُلاؤ یا رسول اللہ !
جہاز اُمت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ ،
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخُدا ہو کر
میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ

(مولانا امداد اللہ مہاجر مکی ؒ)

حضورؐ کی باطنی اِمداد

" ہم سے عہد لیا گیا ہے۔ کہ وعظ سے پہلے جب تک پوری توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ یوں نہ کہیں " یَا رَسُوْلَ اللّٰہ " میں اجازت چاہتا ہوں کہ آپ کی نیابت میں کچھ بیان کروں ، اس وقت تک وعظ نہ کہیں۔ اور یہ اس لئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب یعنی علماء و اولیاء باطنی طریقہ سے ہماری امداد کریں۔ پھر انشاء اللہ تعالٰی ہمارے بیان میں اُلجھن یا لغزش یا رکاوٹ نہ ہو گی "

(علاّمہ اشرف علی تھانوی)

[منقول از " دعوت الحق " مؤلفہ مولانا بادشاہ گل اکوڑہ خٹک
بحوالہ رسالہ " النور " - مجریہ ذوالحجہ ۱۳۵۲ھ ، صہ ۱۴]

عبد دیگر عبدهٔ چیزے دگر

پیش او گیتی جبیں فرسوده است خویش را خود عبدهٔ فرموده است
عبدهٔ از فہم تو بالاتر است زانکه او ہم آدم و ہم جوہر است
جوہر او نے عرب نے اعجم است آدم است و ہم ز آدم اقدم است
عبدهٔ صورت گرِ تقدیر ہا ، اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبدهٔ ہم جانفزا ہم جانستاں عبدهٔ ہم شیشہ ہم سنگِ گراں
عبد دیگر عبدهٔ چیزے دگر ما سراپا انتظار او منتظر ،
عبدهٔ دہر است و دہر از عبدهٔ ست ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست
عبدهٔ با ابتدا بے انتہا ست عبدهٔ را صبح و شام ما کجاست
کس ز سرِ عبدهٔ آگاه نیست عبدهٔ جز سرِ الا اللہ نیست
لا الہ تیغ و دمِ او عبدهٔ فاش تر خواہی بگو ہو عبدهٔ
عبدهٔ چند و چگونِ کائنات عبدهٔ رازِ درونِ کائنات

مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ مَا رَمَیتَ [۱]

(علامہ اقبالؒ ۔ جاوید نامہ)

(۱) مَا رَمَیتَ ـ تلمیح بآیہ وَمَا رَمَیتَ اِذْ رَمَیتَ الخ

حیاتِ سرورِ کائنات ؐ

"میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ؐ زندہ ہیں اور اس زمانہ کے لوگ بھی اُسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ؓ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں"

[علامہ اقبالؒ کا مکتوب خان نیاز الدین احمد کے نام منقول از ہفت روزہ "آفاق" لاہور" اقبال نمبر" مجریہ ۳۰ راپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۵۰]

وحدہٗ لاشریک

خدا کی الوہیت و ربوبیت جس طرح وحدہٗ لاشریک ہے کہ کوئی ہستی اس کی شریک نہیں، اسی طرح اس انسانِ کامل کی انسانیتِ اعلیٰ اور عبدیت کبریٰ بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ کیونکہ اس کی انسانیت و عبدیت میں کوئی اس کا ساجھی نہیں، اور اس کے حُسن و جمال فراوانیت کا کوئی شریک نہیں ہے ؎

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں تم دیکھتے ہو کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر جہاں کہیں کیا گیا۔ وہاں اُن سب کو اُن کے ناموں سے پکارا ہے۔ اور اُن کے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے تو اُن کے ناموں کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن اس انسانِ کامل، اس فردِ اکمل، اس صفاتِ عبدیت کے وحدہٗ لاشریک کا اکثر مقامات میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس کا نام لیا گیا نہ ہی کسی دوسرے وصف سے نامزد کیا گیا۔ بلکہ صرف عبد کے لفظ سے اس کے پروردگار نے اسے یاد فرمایا:۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔

کیا پاک ہے وہ خداوند قدوس جس نے ایک رات "عبد" کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی۔

سورۂ جن میں فرمایا:۔

وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا ط

اور جب اللہ کا بندہ (عبد) تبلیغ حق کے لئے کھڑا ہوتا ہے تاکہ اللہ کو پکارے تو کفار اس کو اس طرح گھیر لیتے ہیں گویا قریب ہے کہ اس پر آگریں گے۔

سورۂ کہف کو اس آیت سے شروع کیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَبْدِہٖ الْکِتَابَ۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے اپنے "عبد" پر کتاب اُتاری۔

سورہ فرقان کی پہلی آیت ہے:۔

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا ۵ کیا ہی پاک ذات ہے اس کی جس نے الفرقان اپنے "عبد" پر اُتارا۔ تاکہ وہ تمام عالم کی ضلالتوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

اسی طرح سورہ نجم میں فرمایا:۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی"۔ سورہ حدید میں فرمایا" یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖ "۔ پس ان تمام مقامات میں آپ کا اسم گرامی نہیں لیا۔ اس کی جگہ صرف "عبد" فرمایا۔ حالانکہ بعض دیگر انبیاء کے لئے اگر عبد کا لفظ فرمایا ہے تو اس کے نام کی تصریح بھی کردی ہے۔ سورہ مریم میں حضرت زکریا کے لئے فرمایا" ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ۵" سورہ صٓ میں فرمایا ہے" وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ" نیز" وَاذْکُرْ عَبْدَنَا اَیُّوْبَ"۔

اس خصوصیت و امتیاز سے اسی حقیقت کو واضح کرنا مقصود الٰہی تھا کہ اس وجود گرامی کی عبدیت اور بندگی اس درجہ آخری اور مرتبہ قصوی تک پہنچ چکی ہے۔ جو انسانیت کی انتہا ہے اور جس میں اور کوئی عبد اس عبدِ کامل کا شریک و سہیم نہیں۔ پس عبدیت کا فرد کامل وہی ہے اور اس کے لئے بغیر اضافت و نسبت کے صرف عبد کا لقب اس کو ناموں اور علموں کی طرح پہنچوا دیتا ہے۔ کیونکہ تمام کائناتِ ہستی میں اُس کا سا کوئی عبد نہیں۔

پس یہ وہ تھا کہ اس کے صفات الٰہیہ کا یہ حال ہے کہ اس کی انسانیت و عبدیت کی وحدت اس طرح فرمانروائے جمیع کائنات ہے اس کی محبت و محبوبیت کا خوب رب السمٰوات والارض نے اعلان کیا اور اس کی رحمت کو اپنی ربوبیت کی طرح تمام عالمین پر محیط کر دیا۔ اس کو اللہ تعالےٰ نے اپنی صفات رافت ورحمت سے متصف فرمایا۔ اگر اپنے آپ کو" الرحمٰن الرحیم" کہا تو اُسے بھی" بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمُ ۵" قرار دیا۔ اس کو تمام قرآن حکیم میں کبھی بھی نام لے کر نہ پکارا۔ بلکہ کبھی صدائے عزت سے نوازا۔ کہ" یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ"

اور کبھی طریقِ محبت سے پکارا۔کہ "یاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ" اس کے وجود کی عزّت و عظمت کو اپنی عزت کی طرح اپنے بندوں پر فرض کر دیا۔ اور جابجا حکم دیا۔ کہ "تُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ" (اس کی عزت اور اس کی توقیر بجالاؤ) پھر وہ کہ اس کی محبوبیتوں اور عظمتوں کا یہ حال تھا کہ اس کا وجود مقدس و اطہر تو بڑی چیز ہے۔ وہ جس آبادی میں بسا۔ اور جس شہر کی گلیوں میں چلا پھرا۔ اس کی عزت کو بھی خدائے زمین و آسمان نے تمام عالم میں نمایاں کیا:۔

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۝	ہم مکّہ کی قسم کھاتے ہیں۔ مگر اس لئے کہ تیرا وجود اس کی سرزمین میں رہا اور بسا ہے۔

وَمن مذھبی حب الدیار لاھلھا
وللناس فِیھَا یَعشقون مذاھب

(مولانا ابوالکلام آزاد۔ ولادت نبوی صفحہ ۵۲ تا ۵۶
شائع کردہ ادبستان ۔ لاہور)

عظمتِ مصطفےٰ ﷺ

محمدؐ کے نام سے ابوجہل اور ابولہب کی طرح جلنے والے، محمدؐ کی عظمت کو "علمی" توجیہات و تاویلات کر کر کے دلوں سے گھٹانے والے، محمدؐ کی سیرت پاک کو اپنی ناپاکیوں اور گندگیوں پر قیاس کر کے مسخ کر کر کے پیش کرنے والے، آج کاش، اپنے مٹی کے گھروندوں سے باہر نکل کر دیکھیں کہ اس دورِ یاجوجیت، اس غلبۂ دجالیت کے باوجود دنیا کی کسی یونیورسٹی اور کسی کالج میں، کسی جامع اور کسی اکاڈیمی میں، کسی کتب خانہ اور کسی تجربہ گاہ میں، کسی "ماہرین" کے لکچر روم میں، کسی پروفیسر کے حلقۂ درس میں، وہ کشش اور دلکشی، وہ قوت و جذب ہے۔ جو اس مقام میں ہے۔ جہاں اس اُمّی کا جسد ظاہری آرام فرما رہا ہے۔ جو اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا (احمد) تھا اور جس کو اس کے رب نے تعریف کیا گیا (محمدؐ) کہہ کر پکارا؟ ـــ'

(مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔ سفر حجاز: ص ۸۶-۸۷)